سرزمینِ بلوچ

مولائی شیدائی

سرزمینِ بلوچ

مولائی شیدائی

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

مطبوعہ نمبر ۱۷۹

جملہ حقوق بحق بلوچی اکیڈمی کوئٹہ محفوظ ہیں

اس کتاب کو بلوچی اکیڈمی کوئٹہ کی اجازت کے بغیر فروخت کرنے، یا جس طرح کہ یہ اس صورت میں شائع ہوئی ہے۔ شائع کرنے یا اس میں تبدل و تصرف کی اجازت نہیں ہوگی۔

طبع اول ۱۹۹۶ء

قیمت .... ۴۰۰/- روپے

ایڈیٹر .... غوث بخش صابر

پرنٹر .... یولان مسلم پریس کوئٹہ

فہرست

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱	بلوچستان کے حصے	۱
۲	قدرتی تقسیم	۲
۳	پیداوار	۴
۴	معدنیات	۷
۵	مولیشی اور جانور	۹
۶	پہاڑ	۱۱
۷	دریا اور ندی	۱۳
۸	جھیلیں	۱۵
۹	ساحل	۱۶
۱۰	آب و ہوا	۱۶
۱۱	صنعت و حرفت	۱۷
۱۲	آمدورفت کے ذرائع	۲۰
۱۳	پکی سڑکیں	۲۱
۱۴	قومیں اور قبائل	۲۳
۱۵	زبان	۲۸
۱۶	بلوچی تاریخ	۳۵

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱۷	ادبیات	۴۳
۱۸	مختصر تاریخ بلوچستان	۴۶
۱۹	نام	۴۸
۲۰	مذاہب	۵۰
۲۱	ضلع اور ریاستیں	۵۱
۲۲	سراوان	۵۳
۲۳	کچھی	۵۴
۲۴	جھالاوان	۵۵
۲۵	مکران	۵۵
۲۶	خاران	۵۶
۲۷	لس بیلہ	۵۶
۲۸	ایرانی بلوچستان	۵۷
۲۹	قبائل اور ان کا مسکن	۵۸
۳۰	قلات مکران	۵۸
۳۱	جھلاوان	۵۹
۳۲	سراوان	۵۹
۳۳	کچھی۔ گنداواہ	۶۰
۳۴	آثار قدیمہ	۶۱

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
	باب اول	
۳۵	بلوچ کون ہیں	۶۸
۳۶	مشرقی مورخین کی رائے	۷۱
۳۷	ڈومبکیوں کا دفتر	۸۰
۳۸	کیا امیر حمزہ کو اولاد تھی	۸۱
۳۹	کیا براہوئی ڈریویڈین ہیں ؟	۸۴
۴۰	ڈریویڈوں کی قدامت	۸۶
۴۱	بروہی لفظ کی حقیقت	۸۸
۴۲	بلوچ عرب ہیں	۸۹
۴۳	بلوچ کون سے امم سامیہ کے طبقے سے ہیں	۹۰
۴۴	بلوچوں پر بلوچ کیسے نام پڑا	۹۳
۴۵	بدویانہ زندگی	۱۰۲
۴۶	لفظ میر حقیقت	۱۰۵
۴۷	قبل اسلام بلوچوں کی قدامت	۱۰۶
۴۸	بلوچستان اقلیم ایران کا حصہ تھا	۱۰۹
۴۹	بلوچستان اور میدقوم	۱۱۰
۵۰	دارا اوّل اور سکندر	۱۱۱
۵۱	اسکندر مقدونی کا حملہ	۱۱۱
۵۲	اسکندر کی واپسی	۱۱۲

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۵۳	اسکندر کے زمانہ میں بلوچستان کے حصے	۱۱۳
۵۴	بلوچستان میں بدھ مت کی تبلیغ	۱۱۴
۵۵	بلخ کی یونانی حکومت	۱۱۴
۵۶	ساکا قوم	۱۱۵
۵۷	ساڈین یا پارتھی	۱۱۶
۵۸	ایرانیوں کا دوبارہ زور پکڑنا	۱۱۷
۵۹	ساسانی دور	۱۱۷
۶۰	نوشیرواں کے زمانہ میں بلوچوں کی بغاوت	۱۱۹
۶۱	خسرو پرویز کا زمانہ بلوچوں کی سیاسی پالیسی	۱۲۲
۶۲	خسرو پرویز کا بیت المقدس پر حملہ اور عربوں کی مخالفت	۱۲۵
۶۳	خسرو پرویز کا جواب	۱۲۶
۶۴	سندھ کے ہندو حکمران	۱۲۸
۶۵	بلوچوں نے کب اسلام اختیار کیا	۱۲۹
۶۶	خلافت عظمیٰ کے دور میں بلوچوں کی سیاسی پالیسی	۱۳۵
	باب دوئم	
۶۷	خلافت راشدہ اور بلوچ	۱۳۸
۶۸	روم اور ایران	۱۳۸
۶۹	عرب اور ایران کی عداوت	۱۳۹

صفحہ	نام مضمون	نمبر شمار
۱۴۰	خلافت صدیقی	۷۰
۱۴۱	جنگ ذات السلاسل اور بلوچوں کی بغاوت	۷۱
۱۴۲	جنگ ذات العیون اور بلوچ	۷۲
۱۴۳	حیرہ کی جنگ کے نتائج	۷۳
۱۴۳	جنگ یرموک اور بلوچ	۷۴
۱۴۵	جنگ قادسیہ اور بلوچ	۷۵
۱۴۸	جنگ جلولا اور بلوچ	۷۶
۱۴۹	فتح جزیدہ اور بلوچ	۷۷
۱۴۹	فتح خوزستان اور بلوچ	۷۸
۱۵۰	فتح عراق و عجم اور بلوچ	۷۹
۱۵۱	عام لشکرکشی کا حکم	۸۰
۱۵۲	عہد فاروقی میں بلوچستان کی تقسیم	۸۱
۱۵۵	خلافت عثمانی اور بلوچستان	۸۲
۱۵۵	سندھ کے راجاؤں کی چھیڑ چھاڑ	۸۳
۱۵۶	ڈاہر کی سازشیں	۸۴
۱۵۶	خلافت حیدری	۸۵
۱۵۷	جنگ جمل اور بلوچ	۸۶
۱۵۸	جنگ صفین اور بلوچ	۸۷
۱۵۹	جھلاوان پر حملہ	۸۸

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
	باب سوئم دور بنی امیہ	۱۶۰
۸۹	امیر معاویہ	۱۶۰
۹۰	فتح قسطنطنیہ اور بلوچ	۱۶۳
۹۱	جھلاوان پر عربوں کا قبضہ	۱۶۴
۹۲	یزید بن معاویہ	۱۶۵
۹۳	کیا بلوچ معرکہ کربلا میں موجود تھے۔	۱۶۵
۹۴	بلوچ قوم کی حلب سے ہجرت	۱۶۷
۹۵	مسئلہ مکران اور ڈرہر	۱۶۸
۹۶	سراندیپ اور دمشق کے تعلقات	۱۶۹
۹۷	بلوچوں کا سندھ پر حملہ	۱۷۱
۹۸	فتح سندھ کی تیاریاں	۱۷۱
۹۹	محمد بن قاسم کی فوج میں بلوچ	۱۷۲
۱۰۰	فتح کاشغر اور بلوچ	۱۷۳
۱۰۱	عمر بن عبدالعزیز تا ھشام	۱۷۴
۱۰۲	آل مہلب کی بغاوت	۱۷۴
۱۰۳	نصر بن سیار کی خراسان پر حکومت	۱۷۵
۱۰۴	بنو امیہ حکومت میں	۱۷۶
۱۰۵	انقلابی تحریک اور بلوچ	۱۷۷
۱۰۶	بلوچوں کا خراسان پر حملہ	۱۷۹

نمبر	نام مضمون	صفحہ
۱۰۷	بلوچوں کا نہاوند اور اصفہان پر قبضہ	۱۸۰
۱۰۸	ابو العباس سفاح کے لئے بیعت	۱۸۰
	باب چہارم	
۱۰۹ و	دور بنی عباس	۱۸۲
۱۱۰ ب	عباسی سلطنت کا آغاز اور بلوچستان	۱۸۳
۱۱۱	مامون کے زمانہ میں مکران میں فساد	۱۸۴
۱۱۲	مکران میں بغاوت مید اور جاٹ	۱۸۵
۱۱۳	مسئلہ سیستان	۱۸۶
۱۱۴	خلافت عباسیہ کی کمزوری	۱۸۶
۱۱۵	خلافت عباسیہ میں امیر الامرا کا اقتدار	۱۸۷
۱۱۶	خالد ابن بولہ	۱۸۸
۱۱۷	سندھ اور بلوچستان میں عربی ریاستیں	۱۹۰
۱۱۸	بلوچوں کی چوتھی ہجرت	۱۹۹
۱۱۹	بلوچوں کا شجرہ	۲۰۰
۱۲۰	مکران میں بلوچی آبادیاں	۲۰۷
۱۲۱	غزنوی خاندان اور بلوچ	۲۱۶
۱۲۲	سومنات کا حملہ اور بلوچ	۲۱۶
۱۲۳	سندھ غزنی کے ماتحت	۲۱۸
۱۲۴	کیا بلوچ سلطان محمود کی فوج میں شامل تھے	۲۱۹

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱۲۵	محمود غزنوی کا دربار اور بلوچ	۲۲۲
۱۲۶	سلطان مسعود کا مکران فتح کرنا	۲۲۸
۱۲۷	غور خاندان	۲۲۹
۱۲۸	تھانیسر کی پہلی جنگ غور کے لشکر کو شکست	۲۳۰
۱۲۹	تھانیسر کی دوسری جنگ۔ بلوچوں کی شرکت راجپوتوں کو شکست	۲۳۲
۱۳۰	بلوچ اور خوارزمی سلطنت	-
۱۳۱	مغلوں کے حملے	۲۳۴
۱۳۲	بلوچوں کی خوارزمیوں کی مدد	۲۳۵
۱۳۳	مغلوں کا بلوچوں پر حملہ	۲۳۵
۱۳۴	بلوچوں کا سندھ میں دخل	۲۳۷
۱۳۵	بلوچستان میں قندھار کے مغل شہزادوں کی حکومت	۲۳۸
	باب پنجم	
۱۳۶	تیمور سے ہمایوں تک	۲۴۰
۱۳۷	التمش کا غزنی اور بلوچستان پر قبضہ	۲۴۳
۱۳۸	غیاث الدین بلبن کا زمانہ	۲۴۳
۱۳۹	بلوچوں کا سومریوں کا طرفدار بن کر دہلی کے سلاطین سے جنگ کرنا۔	۲۴۴
۱۴۰	مغلوں کا سیستان پر حملہ	۲۴۶

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱۴۱	سندھ میں سندھیوں کا عروج	۲۴۷
۱۴۲	محمد تغلق کی سلطنت میں بلوچوں کے عہدے	۲۴۸
۱۴۳	سمہ اور بلوچ	۲۴۹
۱۴۴	امیر تیمور صاحب قرآن	۲۵۰
۱۴۵	بلوچوں کی مدد سے امیر تیمور کا خراسان فتح کرنا	۲۵۱
۱۴۶	بلوچوں کی تیموری لشکر میں شرکت۔ فتح دہلی	۲۵۱
۱۴۷	امیر تیمور کے بعد	۲۵۲
۱۴۸	میر عمر میر وارڈہی کی قلات پر حکومت	۲۵۳
۱۴۹	مکران کے ہوت	۲۵۴
۱۵۰	رند بلوچوں کا قلات پر حملہ	۲۵۶
۱۵۱	کلات میں بلوچوں کے ساتھ کون کون سی غیر قومیں شامل ہوئیں	۲۵۷
۱۵۲	شمالی بلوچستان میں رندوں کی آبادیاں	۲۵۸
۱۵۳	دودائی بلوچ	۲۶۰
۱۵۴	ملتان کے لانگاہ اور بلوچ	۲۶۲
۱۵۵	میر شہیک کا سمہ جام سے کچھی اور سیوی فتح کرنا	۲۶۳
۱۵۶	میر شہیک کا انتقال	۲۶۴
۱۵۷	بلوچوں کی تیس سالہ باہمی جنگ	۲۶۷
۱۵۸	تیس سالہ جنگ کے اسباب	۲۷۱

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱۵۹	میر چاکر کا قندھار سے مدد لینا	۲۷۴
۱۶۰	قندھار میں حادثہ	۲۷۵
۱۶۱	جنگ میں لاشاریوں کی ہولناک شکست	۲۷۶
۱۶۲	ازبکوں سے جنگ اور سلطان ہرات کی شکست	۲۷۸
۱۶۳	شاہ بیگ ارغون	۲۷۹
۱۶۴	شاہ بیگ ارغون اور بلوچستان	۲۸۱
۱۶۵	سندھ پر ارغونوں کا قبضہ	۲۸۱
۱۶۶	بلوچوں کی مدد سے بابر کا پنجاب پر قبضہ کرنا	۲۸۳
۱۶۷	پانی پت کی جنگ اور بلوچ	۲۸۵
۱۶۸	مرزا شاہ حسین کو بلوچوں کی امداد	۲۸۶
۱۶۹	شیر شاہ سوری کا ہمایوں کو شکست دینا	۲۸۶
۱۷۰	ڈیرہ جات کے بلوچوں کی ہمایوں سے ہمدردی	۲۸۷
۱۷۱	بلوچوں کا ہمایوں کو پناہ دینا	۲۸۸
۱۷۲	ہمایوں کا ایران روانہ ہونا	۲۸۹
۱۷۳	محمود آباد کی جنگ	۲۹۰
۱۷۴	شاہ طہماسپ صفوی اور ہمایوں	۲۹۱
۱۷۵	جنگ سرہند اور بلوچ	۲۹۳
۱۷۶	بلوچی تہذیب پر ایک نظر	۲۹۵

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
	باب ششم	
۱۷۷	کچھی مری اور بگٹی بلوچی قبائل	۳۰۹
۱۷۸	براہیوں کا دوبارہ قلات پر قبضہ کرنا	۳۰۹
۱۷۹	قبائل	۳۱۰
۱۸۰	حالات تمن ڈومبکی	۳۱۱
۱۸۱	حالات تمن مری	۳۲۹
۱۸۲	خان خداداد خان کا مریوں پر حملہ	۳۳۶
۱۸۳	رنجیت سنگھ کے بعد	۳۳۷
۱۸۴	جنگ افغانستان کے بعد	۳۳۸
۱۸۵	حالات تمن بگٹی	۳۳۹
۱۸۶	خوانین قلات اور بگٹی	۳۴۲
۱۸۷	انگریز اور بگٹی	۳۴۴
۱۸۸	حالات لاشاری	۳۴۷
۱۸۹	حلب سے گجرات تک	۳۴۹
۱۹۰	حالات مگسی	۳۵۱
۱۹۱	دور جدید اور مگسی قوم	۳۵۳
۱۹۲	نواب یوسف علی خان مگسی	۳۵۳
۱۹۳	بلوچی اخباروں کا علمی معیار	۳۵۶
۱۹۴	حالات غلام بولک	۳۶۰

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱۹۵	بلوچ اور خوارزم	۳۶۱
۱۹۶	حالات بخارانی	۳۶۲
	باب هفتم	
۱۹۷	بلوچستان پر صفویوں کی حکومت	۳۶۵
۱۹۸	اکبر کا سندھ پر قبضہ	۳۶۷
۱۹۹	اکبر کا ٹھٹھہ پر قبضہ	۳۶۸
۲۰۰	سندھ فتح کرنے میں اکبر کو بلوچوں کی مدد	۳۷۱
۲۰۱	قندہار معاملات	۳۷۴
۲۰۲	اکبر کا قلعہ سیوی پر قبضہ	۳۷۶
۲۰۳	بلوچستان پر اکبر کا قبضہ	۳۷۶
۲۰۴	داؤد پوترہ کا عروج	۳۸۰
۲۰۵	قندہار پر شاہ عباس اعظم کا قبضہ	۳۸۲
۲۰۶	بلوچوں کی بغاوت کا قندہار پر اثر	۳۸۳
۲۰۷	عہد شاہ جہانی میں بلوچوں کی بغاوت	۳۸۶
۲۰۸	بلوچ کنفیڈریسی کا آغاز	۳۸۶
	احمدزئی خان کا عروج	
۲۰۹	میر حسن	۳۸۸
۲۱۰	سندھ پر کلہوڑوں کا قبضہ	۳۹۱
۲۱۱	بلوچوں کی دوستی سے کلہوڑوں کا بڑھنا	۳۹۲

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۲۱۲	میر احمد خان اول	۳۹۶
۲۱۳	بلوچوں کا مغلوں کو شکست دینا	۳۹۷
۲۱۴	جنگ لکھن	۳۹۷
۲۱۵	جنگ ناڑی - بارودزئی اور مغلیہ لشکر کو شکست دینا	۳۹۸
۲۱۶	میر محراب خان اول	۳۹۹
۲۱۷	محراب خان اول کا شہید ہوا	۴۰۱
۲۱۸	میر سمندر خان	۴۰۲
۲۱۹	ایرانیوں کو شکست	۴۰۲
۲۲۰	کلہوڑوں سے انتقام لینا	۴۰۲
۲۲۱	میر احمد خان ثانی	۴۰۳
۲۲۲	امیر ویس غلزئی	۴۰۴
۲۲۳	میر عبداللہ خان قاتح	۴۰۵
۲۲۴	فتح پشین اور شوراوک	۴۰۵
۲۲۵	فتح مکران	۴۰۷
۲۲۶	نادرشاہ اور میر عبداللہ خان	۴۰۸
۲۲۷	ستی کی جنگ	۴۱۰
۲۲۸	میر محبت خان	۴۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامی از خاک خراساں چہ کنی قصد حجاز
چوں ترا کعبۂ مقصود بہ ترکستان است

اثار الکرام فی اقلیم البلوچ

المسمٰی

سرزمین بلوچ

(بلوچستان کے حصے) ـــــ بلوچستان ایشیاء کی ماوراالنہر ریاستوں جیسے خیوا، بخارہ وغیرہ کی طرح ایک قدیم ریاست ہے۔ موجودہ زمانہ میں جغرافیکل نقطۂ ایشیا کے نقشہ میں بلوچستان کا جز ملک دکھایا گیا ہے۔ اس میں بہت تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ مثلاً شمال میں وہ علاقے شامل ہیں۔ جن کی آبادی بالعموم افغان ہے۔ جبکہ بلوچستان کا بڑا حصہ مغرب میں بلوچستان سے علیحدہ ہے۔ اور وہ ایرانی سلطنت کے ماتحت ہے۔ انگریز سرکار کے قبضہ ہونے کے بعد نئے انتظام کے تحت بلوچستان کی وسعت جملہ ۳۸۶ر۱۳۴ مربع میل ہے۔ اور اس کی مردم شماری (۱۹۳۸ء کی شماریات کے مطابق) ۸۶۸ر۶۱۷ نفوس کی ہے [۱]

[۱] ہندوستان ایر بک از سی۔ سی سرکار ص ۲۴-۲۵، ۱۹۳۸ء کلکتہ

TABLE-LAND کا ایک حصہ ہے جس میں ایران، افغانستان اور بلوچستان شامل ہیں۔

بلوچستان دو حصوں میں تقسیم ہے (۱) وہ حصہ جو براہ راست سرکار برطانیہ کے زیر انتظام ہے جس کو عام طور پر برٹش بلوچستان کہتے ہیں یہ حصہ طول وعرض میں ۹،۴۷۶ مربع میل ہے اور تین حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک وہ حصہ جو دوسری جنگ افغان کے بعد معاہدہ گندامک موجب ۱۸۷۹ء میں افغان حکومت نے برطانیہ کے حوالے اس میں چمن، پشین، شورورود شاہ رگ، دکی اور سیوی (سبی) شامل ہیں۔ (۲) وہ حصہ جو ایجنسی کے ماتحت ہے۔ یہ حصہ برطانیہ نے خان آف قلات سے اجارہ پر لیا تھا اور طول عرض میں ۴۴،۳۴۵ مربع میل ہے اس میں کوئٹہ، بولان، نوشکی و نصیر آباد شامل ہیں بعض حصے بلوچستان کے سرداروں نے مختلف اوقات میں سرکار برطانیہ کے حوالے کر دیئے تھے اور وہ یہ ہیں، ژوب، لورالائی، کوہلو دالبدین اور مغربی سنجرانی (۳) قبائلی علاقے TRIBAL AREAS جو پولیٹیکل ایجنٹ بہادر کے ماتحت ہیں اور اندرونی طور پر نیم آزاد ہیں مثلاً مری بگٹی (۴) دیسی ریاستیں جو طول عرض میں ۸۰،۳۴۷ مربع میل ہیں وہ یہ ہیں (۱) قلات جس میں مکران و خاران شامل ہیں (۲) لس بیلہ، ہز ہائینس خان قلات کی اندازاً سالانہ آمدنی ۱۴،۴۹،۰۰۰ روپیہ ہے[1]

حدود

بلوچستان کے شمال میں افغانستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ، مشرق میں سندھ و پنجاب، جنوب میں بحیرہ عرب اور مغرب میں ایران ہے مذکورہ حدود میں مغربی سرحد کا فاصلہ گوادر کی ساحل سے لے کر کوہک تک ہے۔ یہ سرحد ۱۸۷۱ء میں کرنل گولڈ سمتھ COL. GOLDSMID صاحب نے مقرر کی اس کے بعد ۱۸۹۶ء میں کوہک سے لے کر ملک سیاہ پہاڑ تک انگلو، ایرانین سرحدی کمیشن نے

---

[1] ہندوستان ایئر بک از ایس بی سرکار باب "پرسنل انڈین سٹیٹس" ص ۳۰۱

سرحد کا فیصلہ کیا ۱۹۰۵ء میں دوبارہ اس سرحد کا فیصلہ ہوا شمالی سرحد جو افغانستان سے ملحق ہے اس کا پہلی مرتبہ فیصلہ ۱۸۶۲ء میں بعد ازاں ۱۸۹۳ء میں فیصلہ ہوا بلوچستان کی پولیٹیکل نگران وہاں کی دیسی ریاستوں سمیت فارین ڈپارٹمنٹ کے ماتحت ہے بلوچستان اپنی وسعت میں برٹش جزائر سے بڑھ کر ہے۔ ؎۱

قدرتی تقسیم

قدرتی طور پر بلوچستان دو حصوں میں تقسیم ہے۔ (۱) پہاڑی علاقہ (۲) میدانی علاقہ شمال اور مشرقی علاقہ پہاڑی ہے شمال اور مغربی علاقوں کی بھی وہی حالت ہے کچھی، لس بیلہ اور مکران میں وادی دشت یہ تمام علاقے میدانی علاقے ہیں پھر مذکورہ ہر دو قدرتی حصے چار حصوں میں تقسیم ہیں۔

(۱) وہ میدان جو سطح مرتفع سے بلند ہیں (۲) وہ میدان جو سطح میں بلندی کے لحاظ سے پہلے سے کم بلند ہیں (۳) میدان (۴) صحرا وہ میدان جو سطح مرتفع سے بلند ہیں انہیں خراسان کا میدان جو وسط مشرق میں واقع ہے۔ ۲۸ سے لے کر ۳۱ ڈگریوں کے درمیان ہے یہاں کے پہاڑوں کی بلندی ۱۲،۰۰۰ فٹ سطح سمندر سے بلند ہیں اور اس میدانی علاقے کی وادیاں ۵،۰۰۰ ہزار فٹ سطح سمندر سے بلند ہیں دوسرے نمبر کے میدان جو کوہ سلیمان کے دامن میں مشرق میں واقع ہیں۔ اس طرح جنوب میں بپ اور کھیرتھر کے دامن واقع ہیں اسی طرح مغرب میں خاران، مکران و چاغی کے میدان ہیں۔ کچھی، لس بیلہ اور دشت ندی کے میدان بالکل ہموار ہیں بلوچستان کا شمالی اور مغربی علاقہ صحرائی ہے خاص کر مغربی صحرا میں ریت کے ٹیلے ہیں، کچھی کا صحرا بالکل میدان ہے۔ اس قدرتی تقسیم کے لحاظ سے پہاڑی اور میدانی باشندوں میں فرق نظر آسکتا ہے اسی طرح اس سرزمین کے منظر بھی عجیب و غریب ہیں

؎۱ ایرانی بلوچستان کی آبادی ۶ لاکھ سے بڑھ کر ہے اس میں (۱) سرحدی علاقہ (۲) سراوان (۳) بمپور (۴) مکران شامل ہیں۔

ہندوستان کے بہار و کشمیر کے پہاڑوں کی طرح یہاں کے پہاڑ سرسبز نہیں بلکہ ویران ہیں موسم سرما میں یہاں کے پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے سفید ہو جاتی ہیں اسی طرح مکران کے علاقے کے کھجور کے نخلستان عرب کی مانند ہیں پہاڑوں کی وادیوں میں جہاں پانی پہنچ سکتا ہے وہاں آبادی ہوتی ہے باقی پہاڑی علاقوں میں کاریزوں کے ذریعے آبادی ہوتی ہے جب کہ میدانی و صحرائی علاقوں میں زمین پر بند باندھتے ہیں۔ جہاں برسات کے موسم میں پانی جمع ہوتا ہے اور یہی کاشت کاری کا ذریعہ ہے۔

پیداوار

پہاڑوں کے دامنوں میں جو نباتاتی پیداوار چیزیں ہوتی ہیں وہ راجپوتانا اور کچھ قدرے پنجاب کی طرح ہیں وہاں درخت نہیں ہوتے مگر جڑی بوٹیاں جو اکثر ادویات کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں اس قسم کی جڑی بوٹیاں بلوچوں کا قومی خزانہ ہیں مثال کے طور پر جھالاوان کے مینگل علاقہ میں گوکر یا نقل بڑی تعداد میں ہوتا ہے ہرنوئی میں ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے جس سے پینسل بناتے ہیں اس درخت کو اپرس APURS کہتے ہیں. ایک اور لکڑی ہوتی ہے جس کو سیاہ چوب گوّن ایک قسم کا سیاہ بیج جو بلوچ کھاتے ہیں[1]۔ انجیر، زیتون اور شہتوت بھی بکثرت ہوتے ہیں. ایک چھوٹے قد کا درخت ہوتا ہے اس سے گوند نکلتی ہے اس کو بلوچی میں مُزمک کہتے ہیں چنار کے درخت بھی پائے جاتے ہیں. ایک درخت سے میٹھی گوند نکلتی ہے جس کو شکر گاز کہتے ہیں. کچھی میں سوائے   بیر اور کریل کے اور کچھ نہیں ہوتا روئی کی پیداوار کچھی، مکران اور گنداوہ میں ہوتی ہے مگر اس کا اندازہ بالکل محدود ہے سراوان کے پہاڑوں میں ہینگ کثرت سے ہوتی ہے۔ افیڈرا EPHEDRA، جو ڈاکٹر گلے اور

---

[1] گوّن کو انگریزی میں PISTACIA KABULICA کہتے ہیں، بلوچی کا لفظ "گوّن" ہے

دے کی بیماری کے لیے کام میں لاتے ہیں یہ چین اور اسپین کے بعد بلوچستان میں ہوتا ہے خاران میں زیرہ ہوتا ہے. جس کو عام طور پر زیرۂ کرمانی کہتے ہیں تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خاران میں زیرہ کی کاشت ہو سکتی ہے مغربی علاقوں میں جنگلی زعفران بھی ہوتا ہے بلوچستان کے باشندے انہیں ادویات سے اپنی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں کاشتکاری کی زمینیں تین حصوں میں تقسیم ہیں (۱) آبی جو کاریزوں یا نہروں سے آباد ہوتی ہیں (۲) خشکابہ (۳) سیلابی جو میدانی علاقے سطح میں بلند ہیں انہیں کاشت کاری دسمبر اور مارچ کے مہینوں میں ہوا کرتی ہے وہاں جو اور گندم کی پیدائش ہوتی ہے باقی میدانوں میں سرسوں، توریا، چنا اور جوار بھی خاص ہوا کرتی ہے. مکران میں کھجور، مونگ، تمباکو، خربوزے، کپاس، نیل اور گنا بھی ہوتا ہے خربوزوں کی دو قسمیں ہیں ایک عام خربوزہ جو گرما میں ہوتا ہے دوسرا سردہ جو سرما میں ہوتا ہے اور نہایت لذیذ ہوتا ہے (۱) بلوچستان میں برسات سالانہ ۶ یا ۷ انچ بمشکل ہوتی ہے مکران اور پنج گور کی کھجور عراق اور بصرہ کی کھجور سے اعلیٰ اور لذیذ بھی ہے تقریباً ایک سو قسم کی یہاں کھجور ہوتی ہے مارچ سے لیکر ستمبر تک کھجور کا موسم ہوتا ہے. بعض اقسام یہ ہیں، موزاتی، آب دندان، ہلینی، بیگم جنگی سبزو، لغاتی، لغاتی وہ جو خشک کر کے باہر روانہ کرتے ہیں نصب وہ کھجور وہ رس دار نمونہ ہے جو ڈبوں میں بند ہو کر دوسرے ممالک کو جاتی ہے. یہاں کا ایک کھجور کا درخت

(۱): ابن حوقل بغدادی جو چوتھی صدی میں سیاح و جغرافیہ دان ہو گزرا ہے اُسکا بیان ہے کہ اس زمانہ میں مکران اور کچھی کے علاقے نہایت زرخیز تھے اس طرح شمس العلماءؒ مرزا قلیچ بیگ صاحب تاریخ سندھ میں کچھی کے متعلق لکھتا ہے کہ یہاں کپاس کے بڑے قد کے درخت ہوتے تھے. تاریخ سندھ از مرزا قلیچ بیگ جلد دوئم.

کامل تین صدیوں تک ثمر دیتا ہے۔ انگور، اخروٹ، بادام، پستہ، سیب، آڑو، شفتالو، زردالو انار میدانوں کے بہترین پھل ہیں۔ انگور بہت قسم کا ہوتا ہے مثلاً صاحبی لعل، ہیتا اور کشمش یہ سب دور دراز ممالک میں بکری کے لیے جاتے ہیں۔ اور میوہ جات یورپ کی طرح بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً چیری CHERRY وغیرہ سراوان میں مستونگ کی گندم، تمباکو اور تربوز بہت مشہور ہیں سبزیوں میں شلغم، پیاز، آلو، میٹر وغیرہ پھولوں میں سے سراوان کے علاقے میں یاسمین، لالہ مختلف نمونے کے گلاب اور مختلف قسم کی گھاس جو جانور پسند کرتے ہیں بعض میٹھے بھی ہوتے ہیں، معدنیات میں سے نال (جھلاوان) لوہا، سکہ، سونا اور چاندی کی کانیں ہیں جو خضدار سے بارہ میل کے فاصلے پر سیکران میں ہیں۔ لیاری اور بیلہ میں پیتل بھی بکثرت ہوتا ہے ۱؎۔ اس کے علاوہ گندرف اور المیونم بھی ہوتا ہے ۱۸۷۹ء سے لیکر ۱۸۸۰ء تک سبی تحصیل میں ۴۰۰۰۰ من گندم کی پیداوار ہوئی ۱۹۰۲ء میں گندم کی پیداوار ۱۱۹۲۸ من تک پہنچی ۱۸۸۲ء میں کوئٹہ تحصیل میں ۴۰۰۰۰ ہزار من گندم ہوئی بعد میں یہ تعداد ۱۸۰۰۰ ہزار من تک بڑھ گئی ۱۸۹۹ء سے لے کر ۱۹۰۲ء تک کسانوں کو حکومت کی طرف سے تین لاکھ روپے بطور قرض دیئے گئے بلوچستان کے تمام کاشت کار وہاں کے ہندوں کے قرض دار ہیں اور وہی ان کے فصلوں کے خریدار ہیں خاص کر شکارپور کے بنیے بلوچستان پھل نباتات کی تجارت سے دولت مند ہیں میر نصیر خان اعظم کے زمانہ میں بے شمار درخت افغانستان اور ایران سے منگائے گئے اور کاشت کاروں میں مفت تقسیم

۱؎: کپتان ہارٹ HART جو بمبئی فوج کا افسر تھا وہ لکھتا ہے ۱۸۴۰ء میں ایک ہندو سوداگر کے پاس اونٹ کے چالیس بار پیتل کے دیکھے ۱۹۰۲ء میں پھلوں کی پیداوار کے متعلق ایک سپرنٹنڈنٹ ایگریکلچر مقرر کیا گیا۔

کیے گئے جس کی وجہ سے قلات کی وادی رشک کشمیر بن گئی انگریزی حکومت کے دور میں باغات میں بے اندازہ اضافہ ہوا [1]

معدنیات

بلوچستان اپنی خداداد معدنیات کی وجہ سے مالا مال ہے. چنانچہ کوئلہ اور لوہا خاص پیداوار ہیں کوئٹہ اور پشین کا علاقہ لوہے کی پیداوار کے لیے مشہور ہے. ۱۸۸۶ء میں سالانہ کوئلہ کی پیدائش کی تعداد ۱۲۲ ٹن تھی اور ۱۸۹۱ء میں یہ تعداد ۱۰،۳۶۸ ٹن تک پہنچی اس طرح ہر سال اضافہ ہوتا رہا چنانچہ ۲۰ ویں صدی کے آغاز میں ۱۹۰۱ء میں یہ تعداد ۴۸،۲۷۴ ٹن تک پہنچی اسی طرح مٹی کا تیل پہلے ۱۸۸۶ء میں ۲۷،۰۰۰ گیلن تیل نکلا ۱۸۹۱ء میں ۴۰،۴۶۵ گیلن تیل نکالا گیا کچھی اور جنوبی سمندری ساحل پر نمک پیدا ہوتا ہے ان علاقوں کے علاوہ کوئٹہ، پشین ژوب اور ہامون ماشکیل میں بھی نمک پیدا ہونے کی جگہیں ہیں تخمینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال ایک ہزار ٹن نمک بلوچستان میں بنتا ہے کوئٹہ اور لس بیلہ کے نرم پتھروں سے چونا بنتا ہے. کھوسٹ اور بولان کے براہوی پہاڑوں میں کوئلہ بڑی مقدار میں ہوتا ہے. اور یہ کوئلہ اسٹیم زیادہ دیتا ہے کھوسٹ کی کوئلہ کی کانیں نارتھ ویسٹرن ریلوے کے ماتحت ہیں جن پر ساڑھے تین لاکھ روپے خرچ اٹھتا ہے یہاں سرسری طور پر سات سو مزدور روزانہ کانوں میں کام کرتے ہیں اور یہ اکثر مکرانی جفاکش ہزارا اور افغان ہیں ۱۸۸۷ء میں مذکورہ کانوں میں ۲،۴۳۶،۴۲۶ ٹن کوئلہ نکلا یہ کوئلہ اکثر ریلوے کے کام آتا ہے.

شوران، بولان و ہرنائی کی لیگرڈائی میں مٹی کا تیل نکلتا ہے ۱۸۸۹ء میں اور مقامات

---

[1] تمام بیانات میجر ڈی پرین ڈائرکٹر نباتات سروے آف انڈیا کے نوٹوں سے لئے گئے ہیں.

پر آزمائش کے لیے بورنگ کا انتظام کیا گیا چنانچہ اسپین تنگی میں ۳۶۰ فٹ کی گہرائی سے تیل نکلا ۱۸۸۴ء سے کر ۱۸۹۲ء تک کھٹن میں حکومت کی طرف سے آزمائش کی گئی ۱۸۹۲ء میں یہاں تیل کا ٹھیکہ ایک خانگی کمپنی کو دیا گیا یہاں ۳۳۲ فٹ کی گہرائی سے پر تیل نکلا۔ معلوم کسی وجہ سے کمپنی نے ارادہ بدل لیا ۱۸۹۶ء میں ۳۰۹۹۰ گیلن تیل نکلا۔ ایک اور خانگی تیل کمپنی کی سالانہ پیدائش ۶۰۰۰۰ گیلن تھی انیسویں صدی کے آخر تک حکومت کی طرف سے ساڑھے ۶ لاکھ روپیا تیل کی کانوں پر خرچ ہوا۔ اور اس زمانہ میں مری سرداروں کو تین سو روپیہ ماہوار تیل کی وجہ سے حکومت کی طرف سے ملتے تھے غرض بلوچستان میں جتنے بھی پہاڑ یا پہاڑیاں ہیں وہ تمام معدنیات سے مالا مال ہیں فیبر FIBRE سیمنٹ، کرسوٹائیل جو کٹنا ڈ کے کرسوٹائیل کی طرح ہے۔ چاغی میں خام سنگ مرمر، پیتل، سکہ، لوہا، خام لوہا نکلتا ہے۔ جھلاوان میں توتیا جس کو نیلا تھوتھا کہتے ہیں نکلتا ہے اور یہاں کے لوگ اس سے رباغت کا کام لیتے ہیں۔ خضدار میں ایک قسم کا کوئلہ نکلتا ہے اس میں لوہا شامل ہے پہلے کبھی ہیں کسی زمانہ میں گندرف ہوا کرتا تھا اور اب بھی اگر تحقیقات کی جائے تو یہاں سے مل سکتا ہے۔ یہاں کی زمین بلکہ کوئٹہ کے پہاڑوں میں گندرف زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ بلوچستان میں خطرناک زلزلے رونما ہوتے ہیں اور ان زلزلوں کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے ڈیرہ بگٹی کے پہاڑوں میں کوئلہ، تیل کے علاوہ سونا بھی ہے۔ ایرانی بلوچستان کے علاقہ میں سکہ، ابرق اور نوشادر موجود ہے غرض جس طرح ہندوستان میں بنگال کوئلہ کی وجہ سے مالا مال ہے۔ اس طرح بلوچستان بھی کوئلہ کی جگہ ہے اور تیل کے لحاظ سے عراق، ایران کا کیشیا (باکو) اور برما سے مقابلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ بلوچوں میں اتنی صلاحیت ہو اور وہ خود مختار ہوں۔ ورنہ مشرقی ممالک میں جتنی بھی پیداوار ہوا کرتی ہے وہ تمام مغربی لوگوں کے کارخانجات کے لیے وقف ہیں۔

مویشی اور جانور

بلوچستان میں جتنے بھی پہاڑ ہیں اُن میں بے شمار جنگلی بکرے ہوتے ہیں جن کو "مارخور" کہتے ہیں۔ یہ وہاں کی غاروں میں رہتے ہیں۔ یہاں چیتا، سیاہ ریچھ اور چرخ بھی ہوتے ہیں اور خاصکر چرخ خاران و نوشکی کے صحراؤں میں زیادہ ہوتے ہیں جو عام طور پر گلوں کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں کن لومڑیوں کا چمڑہ تجارت کے مفید ہوتا ہے۔ برسات کے موسم میں چکور او رسیسی شکار کے پرندے ہیں بطخ اور تیتر بھی بڑی تعداد میں ہوا کرتے ہیں خاص کر موسم سرما میں ان کا شکار ہوتا ہے بلوچستان میں جنگلی بطخ ہوتے ہیں اور بعض پانی کے پرندے موسم پر ہوا کرتے ہیں یہاں کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سونھری عقاب بھی رہتے ہیں اسی طرح باز بھی بہت قسم کے ہوتے ہیں بلوچستان کے جنوبی ساحل پر بے شمار قسم کی مچھلی ملتی ہے اور یہ تجارت کے لیے سیلون اور چین تک پہنچتی ہے۔ سال میں ایک خاص موسم ہوا کرتا ہے جس کو "گزان" کہتے ہیں اس موسم میں تمام بحیرہ عرب کی مچھلیاں پسنی کی بندرگاہ کے اردگرد آکر جمع ہوا کرتی ہیں۔ اسی طرح سمندر کے پرندے ہفتلار کے مقام پر مل کر انڈا دیتے ہیں۔ پہاڑی علاقوں کے بیل قد میں چھوٹے اور اکثر نسواری رنگ کے ہوتے ہیں مگر بالا ناڑی اور کچھی کے بیل قد میں اونچے بدن میں مضبوط اور زراعت کے لیے اس قدر مفید ہیں کہ پنجاب کے سوداگر یہاں سے آکر بیل خریدتے ہیں۔ ناڑی کے بیل بلندی میں ۴ فٹ سے لے کر ۵؍۶ فٹ تک ہوتے ہیں۔ اور یہ قیمتی اور خوبصورت بھی ہوتے ہیں عربستان کی طرح اونٹ اور گھوڑے بلوچستان میں بکثرت پالتے ہیں اور یہ جانور تجارت میں بڑی مدت سے مشہور ہیں مثلاً ابن حوقل بغدادی کا چوتھی ہجری صدی کا بیان ہے کہ کچھی میں اونٹ بکثرت ہیں اور یہ جغرافی دان سیاح یہاں کے شہر گنداوہ کو گھوڑوں کی تجارت کا بڑا مرکز شمار کرتا ہے اسی طرح چچ نامہ کا

مصنف محمد بن حامد بن ابو بکر کوفی لکھتا ہے کہ سندھ کے براہمن رائے خاندان کے راجاؤں کے زمانہ میں کچھی کے لوگ خراج میں گھوڑا دیا کرتے تھے اور انگریزوں کے آنے سے پہلے پشین کے سید تاجر اور براہوئی لوگ بڑودہ بلکہ میسور تک یہاں کے گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے اور آج بھی شوران کے گھوڑے نسل میں مشہور ہیں ۱؎

بلوچستان میں بلوچوں کے آنے سے پہلے وادی گنگا سے لے کر کرمان تک عظیم الشان جت قوم پھیلی ہوئی تھی جسکا پیشہ اونٹوں کی پرورش کرنا تھا اور اب بھی یہ قوم کچھی میں اسی طرح گلہ بانی کے پیشہ میں مشغول ہے کیونکہ کچھی میں اونٹوں کے لیے کافی مقدار میں گھاس ہوا کرتی ہے. مگر اب پہلے کی طرح سرسبز و شاداب نہیں جس طرح ابن حوقل اپنے سفرنامہ میں یہاں کی شادابی کا ذکر کرتا ہے. ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سولہویں صدی کے آغاز کے زمانہ تک یہ عظیم الشان صحرائی علاقہ نہایت ہی سرسبز اور آباد تھا اور بعد میں زلزلوں کی وجہ سے اس کی حالت بدل گئی بلوچ اقوام اکثر خانہ بدوش زندگی بسر کرتے ہیں اس لیے ان کی نقل وحرکت کے لیے بار برداری کے لیے یہی جانور مفید ہے مستونگ، جھل، کچھی گھوڑوں کی پرورش کے اہم مراکز ہیں اور یہاں گھوڑے زیادہ طاقتور ہوا کرتے ہیں. خاص کر بارخانی گھوڑے لمبائی میں ۱۵ فٹ ہوا کرتے ہیں ان کی گردنیں لمبی ہوا کرتی اور وہ زیادہ خوبصورت نظر آتے ہیں. انگریزوں کے آنے کے بعد ۱۸۸۴ء میں سول ویٹیزی محکمہ کی بنیاد پڑنے کی وجہ سے حکومت گھوڑوں کی پرورش کرنے لگی اس کے بعد آسٹریلیا و انگلستان کے گھوڑوں کی نسل جاری کی گئی اور سال بسال سبی اور کوئٹہ میں گھوڑوں کی نمائش کے لیے میلے شروع ہوئے

۱؎: تمام بیان کے لیے دیکھو بلوچستان گزیٹیئر۔

ان میلوں کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ پہاڑی علاقے کے اونٹ قد میں چھوٹے ہوتے ہیں اور چار سو پاؤنڈ تک بوجھ اٹھاتے ہیں۔ کوئٹہ، پشین، ژوب مری بگٹی کچھی، خاران وِلس بیلہ اونٹوں کے مراکز ہیں۔ اور وہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں اونٹوں کی طرح بلوچ بادیہ نشینوں کے لیے گدھے بھی مفید جانور ہیں خضدار کے گدھے اسپین کے گدھوں سے بہتر اور بڑے قد کے ہوتے ہیں، لورالائی، قلات و خضدار کے گدھے قیمتی اور مفید ہوتے ہیں۔ بلوچستان بہترین بھیڑوں کا مرکز ہے خاص کر سیاہ بندی قندھاری نسل کی بھیڑیں پشم زیادہ دیتے ہیں اور ہر سال میں دو دفعہ پشم دیتے ہیں ہندوستان کے تمام علاقوں میں سے بلوچستان پہلا ملک ہے جہاں پشم بکثرت ہوتی ہے فی زمانہ تقریباً ۳۰،۰۰۰ من پشم سالانہ بلوچستان کی پیداوار ہے اور وہ قیمتی ہے[۱] پشم کی تجارت کے لیے بلوچستان میں ایک نائب مارکیٹنگ عملدار قائم ہے اگر بلوچستان میں پشم کے کارخانہ جات کھولے جائیں تو بہتر میں ترقی ہونے کا امکان ہے۔ بھیڑوں کے بعد بکریوں کا درجہ ہے جن کا قد چھوٹا ہوتا ہے اور ان کے بالوں سے بلوچ بورے رسے اور خیمے بناتے ہیں۔ دودھ اور پنیر خانہ بدوشوں کی خوراک ہے ہر سال گھوڑوں کے دو میلے لگتے ہیں۔ ماہ ستمبر میں کوئٹہ میں میلہ اسپاں لگتا ہے یہاں ایران کے گھوڑے بھی حصہ لیتے ہیں اس کے بعد فروری میں سیوی میں میلہ لگتا ہے۔

پہاڑ بلوچستان میں جو بھی پہاڑ ہیں وہ ہمالیہ پہاڑ کی مغربی شاخیں ہیں کوہ سلیمان جس کی بلندی کو تخت سلیمان کہتے ہیں گومل اور سندھ دریا کے درمیان ہے۔ وہ لمبائی میں اڑھائی سو میل ہے بلوچستان کو پنجاب اور سرحدی صوبہ

سے علیحدہ کرتا ہے۔ اُس کا رخ شمال سے لے کر جنوب کو ہے اس کی بے شمار شاخیں مشرق و مغرب تک پھیلی ہوئی ہیں اُس کی بلندی سطح سمندر سے ۱۱۹۵ فٹ بلند ہے اس پہاڑ پر چلغوزے کے بہت درخت ہیں۔ ٹوبہ کاکڑ جو ژوب اور کوئٹہ ڈویژن تک پھیلا ہوا ہے اور یہ پہاڑ افغانستان اور بلوچستان کے درمیان حد بندی کا کام دیتا ہے۔ دراصل یہ کوہ سفید کی ایک شاخ ہے۔ سرلٹھ اور خواجہ عمران بھی اس کے نام ہیں اس کے مشہور درہ کا نام خوجک ہے۔ اس پر کوئی درخت نہیں فقط چھوٹے چھوٹے بوٹے ہیں۔

کوہ وسطی بروہوی یہ پہاڑ سراوان و جھلاوان علاقوں میں ژوب اور مولا ندیوں کے بیچ میں ہے اور اس کی لمبائی ۲۲۵ میل ہے۔ اس بلند چوٹی شاہ رک کے پاس خلیفہ ۱۱۴۴۰ فٹ بلند ہے۔ دوسری کوئٹہ کے شمال میں زرغون چوٹی ۱۱۷۳۸ فٹ بلند ہے شمال و مغرب میں زیارت کا مشہور پہاڑ ہے جہاں موسم گرما میں سرکاری دفاتر منتقل ہوتے ہیں۔ یہ پہاڑ سرسبز ہے اس پر روبشت کے زیادہ درخت ہیں۔ بولان BOLAN اور مولا MULA، مشہور درے ہیں۔ کھیرتھر — یہ پہاڑ جھلاوان کے علاقہ کو سندھ سے جدا کرتا ہے۔ اس کی بلند چوٹی زردک ہے اور جنگلی بکریوں کا خاص مسکن ہے۔ پب — جھلاوان اور لس بیلہ ریاست میں پھیلا ہوا ہے اور ۱۹۰ میل لمبا ہے۔ اس کی سب سے بلند چوٹی کا نام فراس ہے یہاں مویشیوں کے لیے زیادہ گھاس ہوتی ہے۔ کوہ سیاہان — مکران کو خاران سے جدا کرتا ہے۔ اس کی لمبائی ۱۸۰ میل ہے۔ کوہ چاغی — چاغی ضلع کے شمالی حصے میں پھیلا ہوا ہے۔ اور لمبائی ۹۰ میل ہے۔ یہاں کئی مقام کھلے میدانوں کی طرح ہیں وہاں آبادی ہوتی ہے۔ کوہ راس جو دراصل خواجہ عمران کی ایک شاخ ہے۔ اور بالکل ویران ہے

مکران کے پہاڑ وسط اور ساحل پر واقع ہیں. اُن پر درخت تھوڑے سے ہوتے ہیں
کوہ تفتان ـــ جو ایران کی سرحد پر آتش فشاں پہاڑ ہے اور اس کی چوٹی ۳۹۶۲ میٹر ہے. یہ کوہستانی علاقہ ہے. اس میں اور بھی پہاڑ ہیں. مثلاً ماریخ، وژلی وغیرہ پیر سوران یا سیاہ بند پہاڑ جو سرحدی علاقے کو کرمان سے جدا کرتا ہے مگس کے نزدیک "کوہ بیرک" پہاڑ ہے جس کی بلندی ۲۲۴۲ فٹ ہے اور بمپور کو سراوان سے جدا کرتا ہے. مذکورہ پہاڑوں میں خوفناک زلزلے آتے ہیں. مثال کے طور پر ۱۸۹۲ء سرلٹھ کے پہاڑ میں سخت زلزلہ آیا ۱۹۳۵ء کوئٹہ میں ہولناک زلزلہ آیا جسمیں پچاس ہزار نفوس ضائع ہوگئے. ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بلوچستان کے پہاڑ ہمالیہ پہاڑ کی مغربی شاخوں کا مسکن ہے یہاں کے شمالی پہاڑوں کا سلسلہ بحیرۂ خضر سے ہو کر کردستان تک ہے اور جنوبی پہاڑوں کی شاخیں جنوبی ایران کے ساحل سے ہو کر خلیج اورمز (ہرمز) ORMUZ تک پھیلی ہوئی ہے۔

دریا ندی

بلوچستان کے دریا اور ندیاں اور ملکوں کی نسبت چھوٹی ہوتی ہیں ایسی کوئی بھی ندی نہیں جس میں سال بھر پانی بہتا ہو اس کے علاوہ یہاں کے دریاؤں کے کنارے بہت بلند ہوا کرتے ہیں یہی سبب ہے کہ وہ آب پاشی کے لیے مفید نہیں ہوتے کیونکہ اُن میں پانی بہت نیچے بہتا ہے۔

ژوب ندی:۔ پشین کے مشرق میں کوہ کند سے نکل کر ۲۴۰ میل بہا کر گومل ندی سے جا کر ملتی ہے۔ اور ٹوبہ کاکڑ سے بہت سی ندیں نکل کر اس میں شامل ہوتی ہیں. اکثر حصوں میں اُس کے کنارے اتنے بلند ہیں کہ اس کا پانی آب پاشی کے لیے کم استعمال ہوتا ہے توئی سیر اور ساوڑا اُس کی بڑی شاخیں ہیں۔

ناڑی ندی:۔ جہاں سے یہ نکلتی ہے وہاں اُس کو سیبیرا بانہ کا نام دیتے ہیں۔ یہ

۳۰۰ میل لمبی ہے۔ سپیرا راغہ کے بعد اُس کو تور لمئی بھی کہتے ہیں پھر مری کے علاقے میں اس کو بیجی کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس ندی میں بہت سیلاب آیا کرتے ہیں اس کو جا بجا بند باندھ کر اس کے پانی کو روک کر آب پاشی کا کام لیتے ہیں۔ ناریجی ڈاڈا اور سانگان اس کی بڑی شاخیں ہیں۔

لوٹرہ پشین:- ٹوبہ کاکڑ کے پہاڑوں سے نکل کر پشین کے علاقہ سے ہوتی ہوئی شوراوک سے گزر کر چاغی کے علاقہ میں داخل ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی ۲۵۰ میل ہے۔ سُرخاب، شورارود بھی اس میں شامل ہوتی ہے بند خوشدل خان اور نہر شیو اس میں سے نالے نکلتے ہیں۔

مولا ندی:- یہ ہربوئی پہاڑ سے نکل کر جھلاوان اور کچھی کو آباد کرتی ہے۔ سیلاب کے زمانے میں اس کا پانی آب پاشی کے کام آتا ہے۔

حب ندی:- یہ بلوچستان اور سندھ کی سرحد پر ہے اور حب پہاڑ سے نکلتی ہے اس کے کنارے سبز ہیں اور تمام برس اس میں پانی رہتا ہے۔ مگر کنارے اتنے بلند ہیں کہ آبپاشی ہو نہیں سکتی۔

ھنگول ندی:- بلوچستان میں سب سے بڑی ندی ہے اُس کی لمبائی ۳۵۰ میل ہے یہ ندی وادی سوراب سے نکل کر مغربی جھلاوان کے حصے کو آباد کر کے مکران کے شمال و مغربی حصے سے ہو کر بحیرہ عرب میں گرتی ہے۔ نشکی اُس کی شاخ ہے اور وہ بڑے علاقوں کو آباد کرتی ہے۔

رخشان ندی:- یہ ندی کوہِ سیاہان سے نکل کر وسط مکران سے ہو کر ماشں خیل سے ملتی ہے۔ اُس کی لمبائی ۲۵۸ میل ہے پنج گور کے فصلات اسی سے آباد ہوتے ہیں۔ اسی طرح دشت ندی مکران کی سب سے بڑی ندی ہے جو

بحیرۂ عرب میں گرتی ہے۔

پورالی ندی :۔ داد کے نزدیک پب پہاڑ سے نکل کر جنوبی جھلاوان اور لس بیلہ کو سیراب کر کے بحیرۂ عرب میں گرتی ہے

کلاچی :۔ یہ بھی جھلاوان کی ایک ندی ہے جو سندھ کی طرف ریت میں جا کر گم ہوتی ہے۔

رود لادنیر :۔ یہ ندی سرحدی علاقے میں مشہور ہے۔ شمال میں میرجاوا اور جنوب میں خواش تک بہتی ہے اور مذکورہ علاقوں کی آبادی اس پر منحصر ہے۔ سراوان میں ماشکیل اور سرباز کو مشہور ندیاں ہیں ہنگ ندی قلات اور ایرانی مکران کی سرحد پر ہے۔

جھلیں

ہامون ماش خیل :۔ مغربی بلوچستان کے حصے میں ہے۔ وہ لمبائی میں ۵۴ میل اور عرض میں ۸ میل سے لے کر ۲۲ میل تک ہے فقط برسات کے موسم میں اس میں پانی رہتا ہے۔

ہامون لوہڑہ :۔ یہ چاغی میں واقع ہے ۳۰ میل طول اور ۱۰ میل عرض میں ہے لوہڑہ پشین سے اس میں پانی آتا ہے۔ اس کے علاوہ برسات کے پانی سے بھی بھر جاتی ہے۔

سرندہ : لس بیلہ ریاست میں ہے۔ طول ۹ میل اور عرض میں ۲ میل تک ہے اس کی گہرائی ۳ سے ۴ فٹ تک ہے۔ جنوب اور مغربی حصہ اس کا گہرا ہے۔ آبکلانی کے موسم میں پانی سے بھر جاتی ہے۔ اور موسم سرما میں اس میں بے شمار دریائی پرندے ہوتے ہیں۔

میانی اؤر :۔ ۲۸ میل طول میں اور ۴ میل عرض میں ہے۔ حقیقت میں یہ

بحیرۂ عرب کا حصہ ہے۔

پارود: یہ مکران میں واقع ہے۔ ماشکیل خاران اور ایرانی بلوچستان کی سرحد پر واقع ہے۔ اسی طرح سرندہ بھی دراصل سمندر کا ایک حصہ ہے۔

ساحل

بلوچستان کا ساحل جنوب میں بحیرۂ عرب میں شامل ہے۔ یہ ساحل گوتر (گوادر) GWATTAR سے لے کر کراچی کے نزدیک راس المواڑی (RAS MUARI) تک ۴۷۲ میل ہے۔ گوادر، پسنی، اور ماڑہ اور سون میانی بندرگاہیں ہیں۔ یہ تمام ساحل ویران رہا ہے۔ اس ساحل کے مشرق میں لس بیلہ سے لے کر مغرب میں دشت ندی تک جو پہاڑیں ہیں وہ بند تالا کہلاتی۔ اس ساحل پر بعض مقام پر سفید پہاڑیں اور ریانی کے کلاب ہیں۔ ان بندرگاہوں پر بڑے جہاز لنگر انداز ہو نہیں سکتے کیونکہ پانی گہرا نہیں۔ ع۱

آب و ہوا

بلوچستان خطِ استوا سے تھوڑا سا دور ہے۔ یہاں کئی جگہوں پر پہاڑ ہیں اور کئی مقام میدانی ہیں اس لیے مختلف جگہوں پر مختلف آب و ہوا ہے۔ اور یہاں برسات کم پڑتی ہے۔ میدانی علاقے گرم اور پہاڑی سرد ہیں۔ دسمبر، جنوری اور فروری میں ان پہاڑوں پر برف پڑتی ہے۔ سیوی کے علاقہ کی آب و ہوا خشک و گرم ہے۔ اس کے بارے میں یہ مثل مشہور ہے کہ

ع۱ : سکندر مقدونی جب ہندوستان سے واپس اس راستے سے گزرا تو یونانی افواج کو بڑی دقتیں پیش آئیں۔ عہد اسلامی میں جب حضرت عثمانؓ کے عہد میں مکران اسلامی فوج نے فتح کیا تھا تب مدینہ منورہ میں خوشی منائی گئی۔ اس زمانہ میں اس ساحل کے باشندے بڑے ڈاکو اور بحری قزاق تھے۔ اس کا قدیم زمانہ سے ماہی گیری ہی کا پیشہ ہے۔

سیوی وڈہاڈر ساختی + دوزخ چرا پرداختی

زیارت سطح سمندر سے آٹھ ہزار فٹ بلند ہے. اس لیے زیادہ سرد مقام ہے بعض میدان جو سطح میں بلند ہیں وہ یورپ کے میدانوں کی طرح ہیں. باقی جو میدان سطح میں کم بلند ہیں وہ ازحد گرم و خشک ہیں. یہاں موسم گرما میں بعض اوقات بادِ سموم کے جیسے طوفان آتے ہیں چاغی کے مغرب میں برف کے ساتھ سخت ہوائیں چلتی ہیں جن کو "بادِ صد لبیت روز" کہتے ہیں. شاہرگ میں سالانہ ۱۱ ۲/۳ انچ برسات ہوتی ہے سطح سے بلند میدانوں میں ۱۰ انچ اور جو میدان سطح میں کم ہیں وہاں ۵ انچ برسات ہوتی ہے. بعض طوفانی ہوائیں بھی چلتی ہیں. ۱۹۰۲ء میں لس بیلہ میں جو طوفان آیا وہ نہایت ہی سخت تھا. اور بہت سے مویشی مر گئے. سطح سے کم بلند میدانوں اور ساحل کے علاقوں میں موسم گرما مارچ سے شروع ہو کر اکتوبر تک ہے. اگست کا مہینا تو سخت گرم ہوتا ہے اور اُس کو خرما. پاش کہتے ہیں کیونکہ اس مہینے میں کھجور پکتی ہے. ساحل کے اوپر مکران کی آب و ہوا صحت بخش نہیں. البتہ ساحل پر سمندر کی ہوا چلتی ہے. افغانستان کے جنوب میں جو بلوچستان کے ریتلے میدان ہیں وہ سب سے زیادہ گرم ہیں اور یہاں گرم ہوائیں نہ فقط انسانوں کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ جانوروں کو بھی نقصان دیتی ہیں. یہاں زمین پر گھاس بھی سوکھ کر خشک ہو جاتی ہے۔

صنعت و حرفت

ہندوستان اور دیگر ممالک کے مقابلہ میں صنعت و حرفت کے لحاظ سے بلوچستان بالکل پیچھے ہے فقط پشین کے نزدیک یارو میں ایک پشم کا کارخانہ ہے لوگ مقیش کے کام میں ماہر ہیں اور رنگین چمڑے پر زری کا کام اچھا ہوتا ہے. مسم، پراونیرو پریار مقیش

کے اقسام ہیں۔ ایک مقیش کا نمونہ قندھاری کہلاتا ہے۔ یہاں ہرات کے نمونہ پشمینے ہوتے ہیں۔ جھلاوان میں قالین بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ دریاں بھی بنتی ہیں خاران وسراوان میں تنبو بنتے ہیں۔ بکریوں کے بالوں سے رسے بنتے ہیں۔ انگریزوں کے آنے کے بعد برف اور بیر کے کارخانے قائم ہوئے ہیں۔ مکران میں چٹائیاں اور ٹوکریاں بنتی ہیں، اور لاکھوں روپیہ کے سامان سندھ میں بکری کے لیے روانہ کیا جاتا ہے۔ کوئٹہ کا عرق گلاب مشہور ہے۔ اگلے زمانہ میں جغرافیکل نکتہ نظر سے بلوچستان تجارتی قافلوں کی گزرگاہ تھا۔ بلوچستان کا جنوبی حصہ بحرالہند کے ساحل کا حصہ ہے۔ وہ ہندوستان، ایران اور خلیج فارس کو ملاتا تھا اس لئے قدرتی اس کو عربی تجارت کا موقعہ حاصل تھا۔ الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دو ہی نسل بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں یہاں کے کاروان ان کو مصر تک پہنچاتے ہیں۔ یونانی مورخین کو بلوچستان کا پتہ تھا۔ حضرت یوسف کے عہد سے لے کر مارکو پولو اور واسکوڈیگاما کے زمانہ تک یہاں کی تجارت کے مالک عرب ہی رہے۔ الفنسٹن صاحب نے تاریخ ہند کے دسویں باب میں تجارت کے بارے میں کافی روشنی ڈالی ہے۔ یونانیوں نے جب مصر پر قبضہ کیا تب عربوں کی تجارت کی وہ پہلی رونق باقی نہیں رہی۔ تاہم اس کا خشکی کا راستہ ہمیشہ کھلا رہا۔ حضرت مسیح کے دو سو برس بعد جب اسلام آیا عربوں نے عروج پایا تو چھٹی صدی مسیحی میں وہ مصر سے لے کر اندلس تک چھا گئے۔

وسط ایشیا کا بیوپار گومل درہ سے ملتان کے ساتھ چلتا تھا۔ بولان اور مولا دروں سے تجارتی قافلہ شکارپور آتے تھے، قلات، لس بیلہ کی تجارتی چیزیں سون میانی کے بندرگاہ کے ذریعہ بیرونی ممالک کو جاتی ہیں۔ بلوچستان کا ساحلی

علاقہ بھی خشکی اور بحری تجارت کے لیے زمانہ قدیم سے تجارتی شاہراہ پر واقعہ ہے یونانی مورخ آگاتھرشیدس بیان کرتا ہے کہ تجارتی جہاز ہندوستان کے ساحل سے سبا زمین کو اور مصر کو پہنچتے ہیں ع۱ یہ وہ ساحل ہے جہاں سے ایرانی اور عرب اپنا سامان خلیج فارس کو لاتے اور لے جاتے تھے۔ ایرانیوں کے زمانہ میں خلیج فارس کا سب سے بڑا بندرگاہ اُبلہ تھا اسی طرح میراف کو بھی شہرت تھی۔ ابن الفقیہ ہمدانی نے کتاب البلدان میں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جو ہندوستان سے مغربی ممالک کو اس ساحل سے جایا کرتی تھیں۔ مکران کے شہروں میں سے قنبجور فانیذ حلوہ کے لیے اور لس بیلہ کا شہر قندابیل ہندوستان کے غلوں کی بڑی منڈی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۶ سو برس بعد اسلام کا ظہور ہوا۔ ہجری پہلی صدی سے لے کر ہجری تیسری صدی تک خلیج فارس کی بندرگاہوں کے بعد بلوچستان کی بندرگاہ تیز TEEZ، مشہور تھی جو سندھ کی بندرگاہ دیبل اور گجرات کی بندرگاہ تھانہ، کھنبایت، سوبارہ اور مدراس، ملیبار بنگال اور جزائر الہند شرقی سے وابستہ تھی۔ ابن حوقل دسویں صدی عیسوی تیز اور دیبل کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ تجارتی منڈیاں ہیں ع۲ بلوچستان خشک پھلوں کی تجارت، اناج، مکران سے چمڑا، تمباکو، کھجور اور خشک مچھلی اور کچھی کے گھوڑوں کی تجارت۔ یہی روانگی کی چیزیں ہیں۔ بلوچستان کے دو خشکی کے راستے زمانہ قدیم سے مشہور ہیں ایک وہ راستہ جو سندھ سے شکارپور سے ہو کر قندھار کو جاتا ہے

ع۱: تاریخ ہند الفنسٹن جلد اول ص ۱۸۲، ۱۹۱۶ء؛ مصر کے بطلیموس بادشاہوں نے ہندوستان سے اسکندریہ تک

ع۲: ابن حوقل کے علاوہ سلیمان تاجر اور ابو زید سیرافی اور تیسری صدی کے شروع میں ابن خرداذبہ اور براہ راست ایک راستہ بنا لیا تھا۔ مسعودی نے بلوچستان کی تجارت پر روشنی ڈالی ہے۔

اور دوسرا غزنی کو جاتا ہے۔ اور خراسان کو راستہ بھی یہاں سے جاتا ہے مسعودی جو
۳۰۵ھ میں ہندوستان آیا تھا وہ موجودہ سیستان (زابلستان) کے راستہ کی اہمیت
بیان کرتا ہے کہ افغانستان، ہندوستان بلکہ چین کے قافلے اسی راستہ سے گزرتے ہیں
اس کے بعد وہ خشکی کا راستہ جو قلات سے ہو کر سون میانی کو جاتا ہے۔ انگریزوں کے
آنے سے پہلے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ایک قافلہ شکارپور سے روانہ ہو کر قندھار تک
ایک ماہ میں پہنچتا تھا۔ اسی طرح قلات سے سون میانی تک ایک قافلہ کو چالیس دن
لگتے تھے۔ اسی طرح مکران کے تمام بڑے بڑے شہر پنج گور، کیچ، گوادر، کولواہ، گیہ۔
قصر قند کسی زمانہ میں ایران اور ہندوستان سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے، مرمگس
نے بلوچستان سے متعلق تجارت پر ایک خلاصہ باب دیا ہے۔ آج تیز اور قصر قند
بلوچستان میں نہیں بلکہ ایران کے ماتحت ہیں۔

آمد و رفت کے ذرائع

انگریز سرکار کے آنے کے بعد اور ریل کے راستے کھلنے اور پکی سڑکیں تعمیر ہونے کے بعد بلوچستان
کی تجارت دیگر ممالک سے قائم ہو چکی ہے اسی طرح مسافروں کو بھی آسانیاں مل چکی
ہیں۔ بلوچستان میں ریل کے راستے دوسری افغان جنگ ۱۸۸۵ء میں بچھے یہ پہلا ریل
کا راستہ ہے جو سندھ۔ پشین ریلوے جو جھٹ پٹ، سیوی، شکاف، مچھ، کوئٹہ
بوستان، قلعہ عبداللہ سے ہو کر چمن تک ختم ہوتا ہے۔ اس کی لمبائی ۲۶۵ میل ہے
بعض جگہوں پر پہاڑی سرنگوں سے یہ لائنیں گزرتی ہیں۔ سب سے بڑا ٹنیل خوجک
ہے۔ یہ وہ ریل کا راستہ ہے جہاں سے قندھار کے خشک و تازہ پھل ہندوستان

کو جاتے ہیں۔

انڈس اسٹیٹ ویلی ریلوے:۔ یہ لائنیں ۱۸۷۹ء میں شروع ہو کر ۱۸۹۲ء میں ختم ہوئی یہ لائین چمن اور بوستان سے بھی ملائی تھی۔ کوئٹہ سے بی تک اسکی لمبائی ۱۵۵ میل تھی کچلاغ، بوستان، خنائی، کچھ، کھوسٹ، ہرنائی، سبی بڑے اسٹیشن ہیں ہرنائی سے لورالائی کو سڑک جاتی ہے اور کچھ زیارت کا سٹیشن ہے۔ اس لائین پر ایک بڑا پل چھپر رفٹ طول میں ۱۵۰ گز ۲۳۴ فٹ بلند ہے۔ اب یہ لائین صرف خنائی تک ہے۔ قلعہ سیف اللہ، ہندو باغ، خنائی ریلوے۔ جو فورٹ سینڈیمن ژوب سے شروع ہو کر ہندو باغ سے ہو کر فورٹ سینڈیمن خنائی تک ہے اور ۱۷۵ میل طول ہے۔ فوجی لحاظ سے یہ لائین بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ہندو باغ کا نام اب مسلم باغ ہے۔

کوئٹہ، احمدوال، نوکنڈی ریلوے۔ یہ لائین پہلے کوئٹہ سے نوشکی تک فقط ۸۲ میل تک تھی۔ مگر گذشتہ عالمگیر جنگ اول ۱۹۱۴ء کے زمانہ میں یہ لائین دزداب (زاہدان) تک فوجی نقل وحرکت کے لیے مکمل کی گئی۔ کوئٹہ سے دزداب تک اس کی لمبائی ۴۵۶ میل ہے۔ عالمگیر جنگ کے کچھ برس بعد ریل گاڑی نوکنڈی تک جانے لگی۔ اس لائین پر نشپہ کی سرنگ آدھے میل تک ہے سپنرنڈ، مستونگ، شیخ واصل نوشکی، احمدوال، دالبندین اور نوکنڈی بڑے سٹیشن ہیں۔ اس لائین کے کھلنے کے بعد ایران اور ہندوستان کی تجارت نے ترقی کی ہے۔

پکی سڑکیں سرکار برطانیہ کے اقتدار کے بعد بلوچستان میں پکی سڑکیں بنانے کا کام شروع ہوا۔ وہ سڑکیں یہ ہیں۔

بولان، کوئٹہ، سبی سڑک:۔ یہ راستہ کوئٹہ سے بی تک ہے اور طول میں ۱۰۳ میل ہے، سریاب، کولپور، ہرک اور مچھ سے گزرتی ہے۔

کوئٹہ۔چمن:۔ اس سڑک کی لمبائی ۷۷ میل ہے۔ کچلاغ، یارو، سرانان اور قلعہ عبداللہ سے ہو کر چمن تک جاتی ہے۔

کوئٹہ۔ فورٹ سنڈیمن (ژوب) ۲۰۷ میل ہے۔ کچلاغ سے بوستان خانئ خانوزئی، ہندو باغ (مسلم باغ) اور قلعہ سیف اللہ سے ہو کر فورٹ سنڈیمن (ژوب) پر ختم ہوتی ہے۔

کوئٹہ لورالائی:۔ ۱۲۲ میل ہے کچھ، زیارت، چوتیر، سمالن اور سنجاوی سے گزرتی ہے۔

کوئٹہ لورالائی:۔ ۱۳۳ میل ہے خانوزئی، سپیرا راغہ اور چٹیائی سے گزرتی ہے

کوئٹہ سے لورالائی:۔ ۱۶۱ میل ہے (مسلم باغ، ہندو باغ) اور قلعہ سیف اللہ سے گزرتی ہے۔

لورالائی۔ فورٹ سنڈیمن (ژوب) ۱۱۴ میل ہے زرعہ، مرغہ، کبزئی، لکابند اور بابر سے گزرتی ہے۔

لورالائی، فورٹ سنڈیمن (ژوب) ۱۱۲ میل ہے۔ گوال حیدرزئی اور مراتنگی سے گزرتی ہے۔

کوئٹہ۔ قلات:۔ ۸۸ میل ہے۔ مستونگ سے ہو کر بلوچستان کے پایۂ تخت قلات تک جاتی ہے۔

لورالائی، ڈیرہ غازی خان:۔ ۱۷۷ میل ہے مینخر، کنگری، رکنی اور سخی سرور سے گزر کر ڈیرہ غازی خان تک جاتی ہے۔

لورالائی۔ رکنی:۔ ۱۵۲ میل ہے سماسن۔ دکی اور بارکھان سے گزرتی ہے۔

لورالائی۔ ہرنائی:۔ ۵۵ میل ہے۔

یارو، بند خوشدل خان:۔ ۱۵ میل ہے۔ یہ پشین کے بازار سے گزرتی ہے تانگے اور موٹریں بکثرت گزرتی ہیں ۔

مذکورہ سڑکوں میں بہت سی فوجی سڑکیں ہیں مثلاً سبی سے کوئٹہ، ڈیرہ غازی خان سے پشین یا لورالائی سے ہرنائی وغیرہ جن کا خرچہ فوجی محکمہ E.S. ۴۱ پر ہے ان پکی سڑکوں پر سرکار کا بے شمار روپیہ خرچ آیا ہے۔ مثلاً بولان والی مشہور سڑک جس کا کام ۱۸۸۶ء میں شروع ہوکر ۱۸۸۸ء میں ختم ہوا اس پر ۱۹ لاکھ روپیہ خرچ آیا۔ اسی طرح کوئٹہ سے چمن والی سڑک کا کام ۱۸۸۸ء میں شروع ہوکر ۱۸۹۳ء میں ختم ہوا۔ پشین، ڈیرہ غازیخان سڑک کا کام ۱۸۸۶ء میں شروع ہوکر ۱۸۸۸ء میں ختم ہوا اس پر ۷ لاکھ روپیہ خرچ لگا۔ ہرنائی۔ فورٹ سنڈیمن سڑک کا کام ۱۸۸۶ء میں شروع ہوا جب انگریز سرکار نے وادی بوری پر قبضہ کرنا شروع کیا تھا اس پر ۶۰۰، ۱۰ روپیہ خرچ آیا۔ ایک اور مشہور سڑک جو نوشکی سے قلعہ رباط تک ہے اور ریستان والی سڑک ہے اس پر ۲۹،۸۶۴ روپیہ خرچ آیا۔

بلوچستان کی قومیں اور قبائل

بلوچستان میں اس وقت دو قومیں مشہور ہیں اور وہ ہیں بلوچ اور پٹھان مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک چونکہ ہندوستان اور ایران کے درمیان ہے اسلئے جن جن قوموں نے مغرب کی طرف سے ہندوستان پر حملے کئے ان کو بلوچستان کے جنوبی ساحل اور دو مشہور دروں بولان اور مولا یا سخی سرور سے گزرنا پڑا۔ علم تاریخ سے صاف ظاہر ہے کہ ان راستوں سے بابل، اشوری، میڈ، ایرانی، یونانی، ستھین اور بعد میں عربوں کا گزر ہوا کئی ایک نے ان میں سے بلوچستان کو اپنا مسکن بنایا۔ اور کئی کچھ عرصہ کے لیے حکمرانی کرنے لگے۔ اس وقت یہاں بلوچوں کی آبادی بکثرت ہے

مگران میں ایرانی، تورانی، افغانی، میڈی اور جٹ بلکہ راجپوتوں کا عنصر بھی شامل ہے۔ مثلاً میڈ MEDES یہ قوم سیما ٹیقی SEMETIC اور ترکمانی نسل کے خانہ بدوش قوم ہے جو عام طور پر مدی۔ عرب ہیں۔ MADIA-ARIBI ہیں جنہوں نے اشور والوں کو شکست دے کر مشرق کا رخ اختیار کیا اور بلوچستان کے جنوبی علاقوں کو اپنا مسکن بنایا[۱] اور اب بھی موجود ہیں۔ جٹ JAT یہ بھی ایک عظیم الشان قوم ہے مورخین کے اس قوم کے متعلق مختلف بیانات ہیں۔ کن کا بیان ہے کہ یہ ستھین یا ساک SAKA قوم سے ہے بلوچستان کے متعلق جن جن مغربی مورخین نے خامہ فرسائی کی ہے ان میں سے ماسن MASSON صاحب کا بیان ہے کہ یہ عظیم الشان قوم جس کا پیشہ گلہ بانی اور زراعت تھا جو وادی گنگا سے لے کر ماوراء النہر کے دریا آمو OXUS تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ قوم سندھ، کچھی، جھلاوان، مکران میں آج بھی موجود ہے۔ یہ وہ قوم ہے جس کو آریہ لوگوں نے تورا TURA کا نام دیا۔ خلافت فاروقی کے زمانہ میں سندھ کے راجاؤں نے ان کی ایک فوج ایرانیوں کو امداد دینے کے لیے عربوں کے مقابلے کے لیے روانہ کی تھی۔ ایرانیوں کی شکست کے بعد انہوں نے اسلام اختیار کیا اور عراق میں سکونت اختیار کی عرب اُن کو زط کہنے لگے[۲] ابن حوقل بغدادی نے بھی ذکر کیا ہے کہ کچھی کا علاقہ میں یہ گلہ بانی کرتے تھے۔

دارا کے زمانہ میں بلوچستان اور سندھ ایرانی سلطنت میں شامل تھے۔ اسی طرح

۲۔ تاریخ الامت جلد چہارم از مولانا حافظ جیراجپوری ص ۱۶۰ علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق میں بھی ذکر کیا ہے۔

بلوچستان کے گچگی اور لس بیلہ کے لومڑی S I MRI U L راجپوت نسل کے ہیں جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا۔ خاران کے نوشیروانی ایرانی نسل کے ہیں۔ عہ۱ افغانوں کے متعلق بھی مورخین کے خیال و بیان علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اکثر مورخین ان کو بنی اسرائیلی نسل سے شمار کرتے ہیں۔ کن کی نظروں میں کاکڑ قدیم افغان ہیں اور بعض کی نظروں میں غلزئی ترکی نسل کے ہیں پھر بعض بیان کرتے ہیں کہ یہ مصر کے قبطی ہیں جن کو بخت نصر نے کوہستان غور میں جلا وطن کر دیا تھا۔ غرض کچھ بھی ہو مگر اتنا سب کو تسلیم کرنا ہوگا کہ افغان عرب کے یہودی ہیں عہ۲۔ بلوچ ان کو "اوغان" کہتے ہیں۔ بلوچوں میں رئیسانی قبیلا افغان میں شمار ہوتا ہے۔ وہ موجودہ بلوچستان میں کوہ سلیمان سے لے کر کوئٹہ، پشین، قلات سراوان، جھلاوان اور چاغی تک آباد ہیں اور زیادہ تر ابدال، کاکڑ، شیرانی، کانسی، پنی غلزئی، لودی، ترین، میانی اور بابی ہیں کرڈک اور دہپال بھی اپنے کو افغان کہلاتے ہیں عہ۳

عام بلوچوں کی دو شاخیں ہیں ۱۔ بلوچ ۲۔ براہوی یہ ایک ہی قوم ہے۔ اور وہ عربی نسل میں ہیں۔ عرب میں پہلے ان کا وطن حجاز تھا اور بعد میں وہ شام کے شہر حلب میں رہنے لگے۔ انہوں نے مختلف اوقات میں ہجرتیں کیں اور ان کا رُخ زیادہ تر مشرق کی طرف رہا۔ ان میں سے براہوی پہلے بلوچ تھے جو شام، کردستان اور گیلان سے ہوکر بحیرہ خضر کے جنوبی ساحل سے لے کر سیستان کے راستے بلوچستان میں وارد ہوئے اور اس طول اور طویل سفر میں انہوں نے ترکمانوں اور ایرانیوں سے رشتہ کیا۔ اور عیسوی صدی

عہ۱۔ انڈین بارڈر لینڈ۔ از کرنل سر۔ ٹی ہنگفورڈ ہالڈچ ص ۲۰۲ افغانستان میں قزلباش ایرانی ہیں ان میں ہرات والے جمشدی نسل بتاتے ہیں۔

عہ۲۔ تاریخ افغانستان از سید جمال الدین افغانی ص ۲۱۔۲۲ عہ۳:۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جھلاوان کی وادی جاتو کے کرڈک KURK قوم نے عربوں کو حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔

کی شروعات میں انہوں نے قلات کے ارد گرد سکونت اختیار کی۔ براہوی نام اُن پر اُن کے امیر براہیم یا ابراہیم کی وجہ سے پڑا جو بلوچی اشعار میں "براہو" BRAHO دکھایا گیا ہے انہوں نے جتوں کو نکال کر میر عمر میروانڑی کے زیر اثر سکونت اختیار کی غرض میروانڑی پہلے بلوچ ہیں جنہوں نے بلوچستان میں قدم رکھا۔ ان براہویوں کی دو شاخیں ہیں۔ ایک سراوانی جو اب بھی قلات کے شمال میں رہتے ہیں ان کا سردار رئیسانی ہے رئیسانی سہوانی، محمد شہی، بنگلزئی، کرد، لہڑی اور سرپرہ سروانی شمار ہوتے ہیں دوسرے جھلاوانی ان میں زہری، مینگل، میروانڑی، بزنجو، محمد حسنی وغیرہ ہیں۔ ان کا سردار زہری ہے۔ موجودہ بلوچستان کا حکمران میر عمر کی اولاد میں سے ہے۔ اور احمد زئی خاندان کہلاتا ہے۔ باقی ایلتازئی، سملانی، قلندرانی، گرگناڑی، قمبرانی، میروانڑی اور رودینی ان کے ہمعصر ہیں اور ان کا قدیم وطن حلب تھا۔ بلوچ میر حمزہ کی اولاد ہیں جو قریش کا ایک ممتاز امیر تھا بعض لوگ عام طور غلطی سے امیر حمزہ کو عم رسول صلعم تسلیم کرتے ہیں بلوچوں کی بے شمار شاخیں ہیں جن کا ذکر آگے ہوگا ان میں سے بگٹی، مری، بلیدی، ڈومبکی خالص عربی نسل کے ہیں۔ موجودہ مغربی علمائ نے بلوچ اور براہویوں کو علیحدہ علیحدہ قوم دکھایا ہے۔ اس قسم کے بیانات غلط ہیں۔ بلوچوں نے بھی حلب سے ہجرت کی مگر اُن کی آخری ہجرت بنو امیہ دور میں ہوئی جب یزید بن معاویہؓ دمشق کے تخت پر تھا انہوں نے شمالی کردستان کے عیوض ایلم فارس کا راستہ اختیار کیا اُن کا ثبوت ساسانی دور میں بھی مل سکتا ہے مغربی مورخین کی نظر میں براہوی ڈروڈی نسل کے ہیں ممکن ہے۔ اُن کی زبان میں چند ڈروڈی الفاظ ہوں مگر دراصل ہر دو قومیں آریائی سامی نسل سے ہیں۔ ان کے سر کشادے، سیاہ آنکھیں، لمبی عقابی ناک، کشادہ سینہ، لمبا قد اور لمبے بال صاف بتاتے ہیں کہ وہ آریائی سامی عرب ہیں۔ مگر ہجرت کرنے کے بعد جب

انہوں نے اپنے آبائی وطن عرب کو چھوڑا تو یقیناً اُن کا واسطہ اُن قوموں سے پڑا جن کا ہم پہلے ذکر چکے ہیں۔ وہ اُن قوموں سے فقط رشتہ میں شامل ہوئے بلکہ اُن قوموں کی زبان کا بھی ان پر اثر پڑا جس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ مگر عام طور پر براہوی اور بلوچ رشتہ میں ایک دوسرے سے شامل بلکہ یک جسم و جان ہیں۔ ان کی جسمانی ساخت صاف بتا رہی ہے کہ وہ ایک ہی نسل میں سے ہیں مغربی مورخین کے بیانات اپنی عادت کے موافق جدا جدا ہیں مثال کے طور پر مسٹر رزلی RISLEY کے بیان کے مطابق براہوی، بلوچ خواہ افغان، ترکی، ایرانی TURKO - IRARIAN نسل میں سے ہیں۔ بعض سر پرہ براہویوں کو ترکمان اور مینگلوں کو مغل شمار کرتے ہیں براہویوں نے قلات لینے کے بعد جھلاوان تک اقتدار حاصل کیا۔ ابن حوقل بغدادی جو ہجری چوتھی صدی کا سیاح ہے وہ اپنے سفرنامہ میں بیان کرتا ہے کہ براہوی، کھچی اور گنداواہ میں موجود تھے۔ اس طرح بلوچ جب پہلے مکران آئے تب وہاں جدگال، لغوری یا نوہانی، وردلی، میڈ، گیدرو و دیگر قومیں موجود تھی اور وہ قومیں مکران میں اب بھی موجود ہیں۔ مسٹر ایم۔ ایل۔ ڈیمس M. L. DAMES اپنی کتاب "بلوچ ریس" BALUCH RACE میں بلوچوں کو خالص ایرانی شمار کرتا ہے[۲۱]۔ موجودہ بلوچستان ایک غیر طبعی ساخت ہے۔ اس میں ایرانی بلوچستان علیٰحدہ ہے۔ اور شمال میں افغان علاقہ شامل ہے۔ حقیقی بلوچستان اس وسیع رقبہ کا نام ہے جس میں بلوچ قوم آباد ہے جن کی معاشرتی حالت، تمدن، رسم و رواج میں یک گونہ یکانگت اور ربط موجود ہے بلوچوں کی کافی تعداد اس وقت بلوچستان سے باہر پنجاب، سندھ اور گجرات میں بھی

ہے۔ بلوچوں کی جملہ تعداد بلوچستان اور بلوچستان سے باہر پچاس ہزار سے بڑھ کر ہے اور وہ مختلف قبائل میں بٹے ہوئے ہیں، ہر ایک قبیلہ کا سردار علیحدہ علیحدہ ہے۔

غرض بلوچ قوم جس میں براہوی اور بلوچ شامل ہیں ان میں براہوی بلوچستان میں پہلے وارد ہوئے[1]۔ دراصل یہ ایک قوم ہے۔ اور دونوں بلوچ ہیں عرب کے صحرائیوں کی طرح بلوچ بھی ایک صحرائی قوم ہے۔ وہ پہاڑوں اور کھلے میدانوں میں خیموں میں زندگی بسر کرتی ہے اس کی جائیداد مویشی ہے اور جہاں اس کو چشمہ یا برسات کا پانی ملتا ہے وہاں خیمے گاڑ کر زراعت بھی کر لیتی ہے لوٹ مار کرنا قدیم پیشہ مبینہ طور پر اس کا بتایا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ "بلوچ" مشہور ہیں صدیاں گزر گئی جب انہوں نے اپنے وطن کو خیرباد کہا اور آج یہ بلوچستان، سندھ اور پنجاب تک پھیلے ہوئے ہیں مگر اُن کا لباس صاف بتاتا ہے کہ وہ عرب ہیں۔ ان کی زندگی سے سادگی ٹپکتی ہے[2]

زبان

بلوچستان کی کثیر آبادی بلوچی بولتی ہے۔ اس کے علاوہ پشتو، براہوی، جٹکی یا سرائکی اور سندھی بھی بولی جاتی ہے۔ زبان موکاکی ہے بی سے لے کر چمن تک پشتو زبان رائج ہے۔ اس کے علاوہ مغربی پنجاب کی لہنڈا زبان کا بھی یہاں رواج ہے۔ مری، بگٹی، اور کچھی کے مشرق میں خالص بلوچی زبان رائج ہے کچھی اور لس بیلہ کے زراعت پیشہ جٹکی یا جدگالی زبانیں بولتے ہیں۔ سراوان اور جھلاوان

---

[1] ہسٹری آف بلوچستان از ای۔ ڈبلیو ہگس۔ ایف آر جی۔ ایس ص نمبر ۳۰

[2] مری، بگٹی بلوچوں کا لباس اب بھی عربوں کی طرح ہے۔ تمام احوال آگے چل کر بیان کریں گے۔ عربوں کی طرح اس وقت ان کے قبائل موجود ہیں۔

میں براہوئی زبان رائج ہے۔ اُس کے آگے مغربی بلوچستان میں پھر بلوچی کا رواج ہے اسی طرح مکران کی زبان جو خالص بلوچی زبان ہے۔ اس کے مغربی حصے میں ایرانی الفاظ شامل ہیں۔ شمالی بلوچی اور مکران کی بلوچی میں فرق نظر آتا ہے اسی طرح شمالی پشتو اور جنوبی پشتو میں بھی فرق ہے۔ غرض موجودہ بلوچی زبان کو اگر دیکھا جائے تو اُس میں عربی کے علاوہ انڈو۔ آرین INDO-ARAYAN زبان کے بہت الفاظ شامل نظر آتے ہیں۔ مغربی علم اللسان کے ماہروں میں سے ڈاکٹر گریرسن DR. GRIERSON صاحب پہلے مغربی محقق ہیں جو براہوئی زبان کو ڈراویڈی تسلیم کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹرمپ DR. TRUMPP. جیسے گرامردان کا بھی یہی خیال ہے۔ مگر ڈاکٹر کالڈویل DR. CALDWELL صاحب نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے لیے ۱۸۷۸ء میں غیر آریائی زبانوں کی لسٹ تیار کی جس کو بقول ہنٹر صاحب مسٹر آر کسٹ نے MR. R. CUST جغرافیکل جامہ پہنایا تھا اور اُن غیر آریائی زبانوں کو جدا جدا علاقوں میں تقسیم کیا تھا اُس لسٹ میں براہوئی قوم کا نام نظر نہیں آتا[1]۔ شاید بلوچستان ہندوستان کا علاقہ نہیں اس لیے رابرٹ کسٹ کو براہویوں کا نام نظر انداز کرنا پڑا در اصل مغربی محققین اس بات کے قطعی فیصلہ پر اب تک نہیں پہنچے[2]۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت نہ بلوچی زبان میں اور نہ ہی براہوئی زبانوں میں لیٹریچر موجود ہے اب دونوں زبانوں میں لیٹریچر موجود ہے۔ البتہ یہ مغربی علماؤں کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ ہر دو زبانوں کا انہوں نے گرامر تیار کیا ہے۔ بلوچ لوگ براہوئی زبان

ع۱: تاریخ ہندوستان از ڈبلیو ہنٹر صاحب۔

ع۲: امپیریل گزیٹیئر آف انڈیا" بلوچستان" ص ۹۰۔

کو "گردگالی" کہتے ہیں ۱۹۱۲ء میں مسٹر ایچ نکھول MR. H. NICHOL صاحب نے جو انگریزی فوجی دفتر میں ملازم تھا (انگریزی) رومن رسم الخط میں بلوچی زبان کا گرامر تیار کیا تھا۔ اسی طرح براہوئی زبان کے گرامر کا ایک نسخہ مجھے کلکتہ امپیریل لائبریری میں نظر آیا۔ ذیل میں ایک یا دو عدد ٹیبل پیش کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ براہوئی یا بلوچی زبان کا دوسری زبانوں سے کیا تعلق ہے[۲]۔

بلوچی الفاظ	براہوئی الفاظ	انگریزی الفاظ	سندھی الفاظ
پشی	پشی	PUSSY	بلّی
بروانک	بُروانک	BROW	بھروں
استال	استار	STAR	تارو
ہیک	بیَیدہ	EGG	بیضیو یا آنو
مئی	کن	MY	منھنجو
مُچ	مُچ	MUCH	گھٹو
مِسک ؟	مِسک ؟	MUSK	مکھٹ

نمبر ۲:۔ پاٹینجر صاحب جو پہلا مغربی سیاح تھا جس نے ۱۸۱۰ء میں بلوچستان کی سیاحت کی۔ اس کا بیان ہے کہ براہوئی دروِیڈی زبان ہے اور بلوچی رنڈو جرمن زبان سے نکلی ہوئی ہے۔

بلوچی الفاظ	فارسی الفاظ	اُردو الفاظ	سندھی الفاظ
ابریشم	ابریشم	ریشم	ریشم
آجو	آزاد	آزاد	آزاد
ارزان	ارزان	ارزان یا سستا	سستو
آزمان	آسمان	آسمان	آسمان
آچش	خاخر	آتش یا آگ	باھ
آستغ	آہستہ	آہستہ	آستي
آغاہی	آگاہی	اطلاع	اطلاع
آف	آب	پانی	پاڻي
بچھ	بچہ	بیٹا	پٽ
شیر	شیر	دودھ	کير
گندیم	گندم	گندم یا کنک	ڪڻڪ
اَبّا	اَبّا	باپ	پيءُ
آخر	آخر	آخر	آخر
ادب	ادب	ادب	ادب
عیو	عیب	عیب	عيب
بکھل، بقال	بقال/ نجال	ہندو	بقالي
بھلک	فلک	فلک	آسمان
تمبیلہ	طویلہ	طویلہ	تبيلو
توَیوِ	طبیب	طبیب	طبيب

فنا	فنا	فنا	پھا
بالغ	بالغ	بالغ	بانگ
زیارت	زیارت	زیارت	زیارت
پیالو	پیالہ	کدہ/تاس	کدہ
سردی	جاڑا	زمستان/سیلٹ	زوستان

مذکورہ ٹیبل سے پتہ لگ سکتا ہے کہ بلوچی زبان کو عربی. فارسی یا اُردو یا اپنی پڑوسی زبان سندھی سے کیا تعلق ہے اور اُس پر عربی یا فارسی کا کتنا رنگ چڑھا ہوا ہے. اگر دیکھا جائے تو تھوڑا سا فرق معلوم ہو سکتا ہے. یہ ٹیبل صاف دکھاتا ہے کہ براہوئی اور بلوچی زبان کی ماں اُمتہ السنتہ عربی ہے. یہ تمام ٹیبل سردار مرحوم غلام رسول خان قرائی نے اپنے "تاریخ بلوچستان" میں درج کئے ہیں. مگر انہوں نے ڈرویڈی سے کوئی مقابلہ کر نہیں دکھایا اول تو اُن کی کتاب مختصر ہے دوسرا یہ کہ فن تاریخ کے لحاظ سے اُس کا معیار بالکل بعید ہے. اب ہم سندھی، ڈرویڈی اور براہوئی زبان کا ٹیبل پیش کرتے ہیں تاکہ ان زبانوں کے الفاظ کے تعلقات کا پتہ لگ سکے.

براہوئی الفاظ	ڈرویڈی الفاظ	سندھی الفاظ	اُردو معنی
خن	خن یا عن	اک	آنکھ
ملی	مولی	مغز	مغز
آئی	آیی	ماءُ	ماں

پالت	پان	کھیر	دودھ
تیلت	ٹیل	وچون	بچھو
نِی	نِی	تون	تو
اِرت	اِرَد	بہ	دو
دِیر	نیر	پاڻي	پانی
خَل	گَل	پتر	پتھر
اَستٌ	ار	ھک	ایک
مَار	ماری	چوکر	لڑکا
نَن	نمۂ	اسین	ہم

بلوچی	سندھی	سنسکرت	اُردو
پت	پِئُ	پتری	باپ
مَاتھ	ماءُ	ماتری	ماں
براتھ	پاءُ	بھراتری	بھائی
پاد	پیر	پاد	پاؤں
آف	پاڻي	اپ	پانی
سرد	تدو	شرد	ٹھنڈا
اشتر	اُٹ	اشتر	اونٹھ
روچ	ڈینھں یا روز	روج	دن
موشک	کوئو	موشک	چوہا

کرپاس جن	کپہ زال	کرپاسا جن	روئی عورت

یہ حقیقت بالکل درست ہے کہ اس وقت تک کوئی بھی علمی کتاب بلوچی زبان میں شائع نہیں ہوئی۔ طیہ ماضی بعید کا ذکر ہے۔ گویا تعلیم اور قلمی کے لحاظ سے زبان بالکل مردہ ہے۔ بلوچی زبان سے جس بے اعتنائی کا سلوک کیا گیا ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ وقت عنقریب نزدیک ہوگا کہ اس زبان کا ادبی سرمایہ جو اس وقت بعض ڈوموں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ اگر قلمبند نہ کیا گیا تو وقت قریب ہے اس عظیم الشان قوم کا ادبی سرمایہ معدوم ہو جائے گا۔ اس زبان کی اصلی ماہیت کیا اس کے متعلق ایک خط بمعہ معنی بلوچی زبان میں درج کرتے ہیں۔

بلوچی خط کا نمونہ :

براتھ منی !

یک ماذن مناں سکھیاں بکاریں۔ ہمیز اما سکھیا پھول کھسا۔ میں دست نیا نختہ ماز شکھسا۔ کہ تھئی ڈیہا جوائیں ماذن بازانت۔ یہ ہمے سانگا ما وی براس گوار تھو شتا سا۔ یا جوائیں ماذن ورنادی بی۔ جزوح وی بی تھشو خدی بی پیرما بہاگر۔ میں نیمغا دیمہ سے۔ ہر چھے کہ آہنیا بہابی مناں تکھشت ماتھئی نمیغا رشتانی تھئے چھے کار بار ہویں ڈیہابی مناں پیغام شتے۔ کرما جوانیاں کھناں تھی حیریں۔

اُردو ترجمہ :

برادر من !

مجھے ایک گھوڑی کی اشد ضرورت ہے۔ اس جگہ میں نے بہت تلاش کی مگر

ط یہ ماضی بعید کا ذکر ہے۔

مرے ہاتھ نہیں آئی۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے علاقہ میں عمدہ گھوڑیاں بے شمار ہیں اسی واسطے میں نے اپنے بھائی کو آپ کے پاس روانہ کیا ہے۔ ایک عمدہ گھوڑی جو جوان ہو۔ راہ چل سکے اور گوبر ہو مرے لیے خریدیں اور میرے پاس بھیجدیں۔ جو اس کی قیمت ہو مجھے تحریر کریں۔ میں آپ کے پاس روپیہ بھیجدونگا۔ آپ کا کوئی کام اس علاقہ میں ہو مجھے پیغام بھیجدیں میں آپ کے لیے اچھی طرح سرانجام کردونگا باقی ہر طرح سے خیریت ہے۔

بلوچی زبان کیوں دنیا میں گمنام ہے اس کا محض سبب یہ ہے بلوچی اقوام نے اپنی زبان کی ترقی اور اشاعت کے بارے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اب ہم بلوچی زبان۔ بلوچی علم تاریخ اور بلوچی ادبیات کا بیان پیش کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ ہر ایک زبان کی ترقی کا انحصار علم تاریخ اور ادبیات پر ہے اگر کسی قوم کے پاس اُن کا تاریخی اور ادبی سرمایہ نہیں تو ہم کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نہ فقط وہ قوم مردہ ہے بلکہ وہ زبان بھی مردہ ہے۔ سب سے پہلے ہم بلوچی علم تاریخ کا بیان کرتے ہیں اور اُس کے بعد بلوچی ادبیات کا ذکر پیش کریں گے۔

بلوچی تاریخ

دنیا میں دو زبانیں قدیم ہیں۔ ایک ام الستۂ یا لسان المبین عربی اور دوسری سنسکرت، عربی زبان سے بلوچی زبان کی ابتدا ہوئی۔ اس لیے بلوچی زبان کا شمار اُن زبانوں میں ہو سکتا ہے جنہوں نے عربی زبان کی گود میں پرورش لی۔ بلوچ عرب سے نکلنے کے بعد، فارس، شام، کردستان آرمینیا، ایلم، گیلان اور سیستان بلکہ کرمان تک کو مذکورہ ممالک سے واسطہ رہا۔ نہ معلوم اُن کو کتنی صدیاں وہاں گزر کرنا پڑا۔ پہلے بلوچ براہوئی تھے حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد پہلی صدی میں بلوچستان میں وارد ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب

یہود کی سلطنت کا شام اور فلسطین میں خاتمہ ہو چکا تھا. اُس زمانہ سے لے کر آج تک بلوچی زبان کو فارسی، سریانی، دُرویڈی، سنسکرت، سندھی اور اُردو زبانوں سے تعلق رہا. اس قسم کے انقلاب کا پتہ بیان کئے ہوئے ٹیبلوں سے لگ سکتا ہے. اور اتنے زمانہ کے انقلاب دیکھنے کے بعد اُس کی موجودہ پوزیشن رہ گئی ہے. اُس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِن صحرا نشینوں کی زبان جو پہلے عربی تھی اب عرب چھوڑنے کے بعد مذکورہ بیان کردہ زبانوں کا مجمع ہے. اور یہ لازمی نتیجہ تھا. اور یہی حال دوسری زبانوں کا بھی ہے. سنسکرت نے جب ہندوستان اور ایران پر قبضہ جمایا اُس سے پہلے دکن ہندوستان اور مغربی ہندوستان پر ڈُرویڈی زبان کا غلبہ تھا. اُس ثبوت کے لئے سندھ میں "موھن جودڑو" اُس کی قدامت کو ۳ ہزار برس قبل مسیح علیہ السلام ثابت کرتا ہے. پھر جب سنسکرت نے کامل عروج حاصل کیا تاہم ڈرویڈی زبانیں زندہ رہیں اور اب بھی موجود ہیں. اُس کے بعد سنسکرت زبان کی مختلف بیٹیاں پیدا ہوئیں اسلئے ممکن ہے کہ بلوچی زبان پر آج سنسکرت اور ڈرویڈی زبانوں کا غلبہ ہے مگر اس کا یہ مطلب ہو نہیں سکتا کہ بلوچ ڈرویڈی قوم تھے. یہ اُن کی زبان کا قصور تھا کہ مغربی علم اللسان کے ماہرین اور محققین کو اس عظیم الشان فراموش شدہ قوم میں دائمی تفرقہ و جدائی ڈالنے کے لیے یہ دام بچھانا پڑا. خود بلوچوں میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ ان مغربی حضرات کا طلسم توڑ سکیں اس لئے جب تحقیقات کا نیا دور شروع ہوا وہاں براہوئی اور بلوچ جو ہم قوم اور ہم وطن بھائی تھے جو پہلے یک جسم وجان تھے. وہ مغربی جادو کی تلوار سے کٹ کر دو ٹکڑے ہونے لگے. کیا حریفانہ چال ہے اور پھر غضب یہ کہ اس بدنصیب قوم کے پاس جو بھی تاریخی سرمایہ ہے وہ اُن کو یہی بتا رہا ہے کہ اے! آل ابراہیم و حمزہ تم ایک نہیں بلکہ تم جدا جدا ہو!

اسلام کے ظہور کے وقت ایرانی سلطنت ایک زبردست شہنشاہت تھی اور ایرانی زبان کا چرچا بلکہ تہذیب کا کرشمہ حیرہ سے لے کر یمن تک جاری تھا پھر اسلام کا دور آیا قرآن حکیم کی تعلیم ہر ایک مسلمان کے لیے لازمی تھی۔ جوں جوں اسلامی فتوحات کا سیلاب بڑھتا گیا عربی زبان نے بھی ترقی کی اور عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں عربی دفتری زبان ہو گئی۔ بنو امیہ اور بنو عباس میں جو بھی خلفاءؑ ہو گزرے اُن کے عہد میں عربی زبان نے ترقی کی یا یہ سمجھو کہ مشرق میں فاروق اعظمؓ کے زمانہ سے لیکر سلطان محمود غزنویؒ کے زمانہ تک عربی کا اثر مشرق پر قائم رہا۔ اُس کے بعد فارسی زبان نے دوبارہ آب و تاب سے جنم لیا۔ ایرانی چالاک تھے۔ خلافت عباسیہ کے زوال کے ساتھ اُن کی زبردست خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں۔ فارسی زبان جس کا بیج حکیم سنائی اور فردوسی نے اپنے ہاتھوں سے بویا تھا اسے حافظ' سعدی اور مولانا رومیؒ کے زمانے میں وہ رنگ جمایا کہ ایشیا کوچک کے شہر قونیہ سے لے کر مغرب میں لکھنؤ کے درباروں تک فارسی ہی فارسی زبان و تہذیب کا چرچا تھا غرض عرب و چین کے درمیان جتنی بھی اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں ان کی دفتر زبان فارسی تھی۔ اُس کے علاوہ وقت کے تاجداروں اور شعرائے کرام کی زبان بھی فارسی تھی، اور وہ فارسی میں طبع آزمائی کرتے تھے، مثلاً ہندوستان والوں کی زبان اصلی فارسی نہ تھی تاہم یہاں جو بھی اہل قلم اور نامور شعراءؒ ہو گزرے ان کو فارسی زبان سے بے حد محبت تھی۔ استاد شبلی نعمانیؒ اور استاد محمد حسین صاحب آزادؒ جیسے بزرگوں نے شعر العجم اور نگارستان فارسی بلکہ سخندان فارس جیسی کتابیں تصنیف کر کے فارسی کو جدید لباس پہنایا۔ غالب اور اقبالؒ کا تو ذکر ہی کیا۔ اس حالت میں یہ مشکل تھا کہ بلوچی زبان بے نقاب ہو کر جلوہ گر رہ سکے۔ شبلیؒ آزادؒ نذیر احمدؒ حالی اور سر سید احمدؒ نے فارسی کے ساتھ ساتھ مادری

اُردو زبان کی بھی خدمت کی مگر بدنصیبی سے ۱۹ ویں صدی نے بلوچستان کو سنگ ریز سرزمین پر ایسا کوئی بھی مادر وطن فرزند پیدا نہیں کیا جو اپنی مادری زبان بلوچی کی پرورش اور خدمت کر سکے. اس عدم موجودگی کا ماتم یہ ہوا کہ ہمارے اہل قلم بزرگ اور جادو نگار ادیب. بلوچوں کو تاریکی میں گرا ہوا دیکھ کر زیادہ تر ایران کی طرف رجوع ہوئے حالانکہ بلوچستان ان کا قریبی پڑوسی تھا اور تاریخی اور ادبی نقطہ نظر سے زیادہ حق دار تھا. فارسی زبان کا تارہ پہلے ہی بلندی پر چمک رہا تھا. بلوچی زبان کی کیا بساط تھی ہمعصر کا دعویٰ کر سکے. ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ بلوچستان اتنا زرخیز نہ تھا کہ شیراز اور اصفہان جیسی کیفیت اہل قلم حضرات کے دماغوں میں پیدا کر سکے یا یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ بدنصیب ملک اتنا مردم خیز بھی نہ تھا اور اس لئے جادو نگار حضرات کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ گیا[۱]. سب سے بڑھ کر یہ خامی تھی کہ بلوچی زبان کا عوام کی زبان پر چرچا تھا. ان کے اسلاف کے کارنامے اور ادبی گوہر وہاں کے ڈوموں کے سینوں میں محفوظ تھے مگر نشر و اشاعت کا سلسلہ معدوم تھا اس لیے دنیا اس قوم کی زبان سے بالکل بے خبر تھی. بلوچی شعرأ کرام میں سے ۱۹ ویں صدی کے وسط تک جتنے بھی بلوچی ممتاز شاعر ہو گزرے ہیں اُن کا کلام بلوچی زبان میں ہے جیسے "جام درک" جو میر نصیر خان اعظم کا درباری شاعر تھا. اس کے بعد مرزا احمد علی صاحب احمد کو بھی مختلف درباروں میں عزت تھی مگر ان کا کلام فارسی میں تھا. ان بلوچی شاعروں کا سلسلہ فقط قلات یا سندھ کے تاجداروں کی درباروں تک محدود نہ رہا بلکہ فارسی نے ان کو دور دور تک پہنچایا. چنانچہ گل محمد نکرانی جس کا تخلص "ناطق" تھا نے لکھنؤ

[۱]: میں نے یہ تمام حالات عالمگیر لاہور جون و اگست کے رسالوں میں ۱۹۴۶ء میں شائع کرائے.

کے آخری تاجدار سلطان واجد علی اختر کے دربار تک رسائی حاصل کی. مگر بلوچی قوم میں ڈمبکیوں کا دفتر شعر جس میں بیش بہا بلوچی تاریخی واقعات اور ادبی گوہر پوشیدہ تھے اُن سے نہ فقط بلوچ بے خبر تھے بلکہ دنیا بھی بے خبر تھی ۔

۱۹ ویں صدی کی شروعات میں فقط علم تاریخ کے متعلق اتنا ہوا کہ ۱۸۱۰ء میں ہینری پانٹجر MR.H.POTTINGER صاحب سیاحت کرنے قلات پہنچے ۱۸۱۶ء میں پہلی مرتبہ دنیا بلوچستان سے واقف ہوئی جب پاٹینجر صاحب کا سیاحت نامہ شائع ہوا[1] اس سیاحت نامہ کا علم تاریخ سے کوئی تعلق نہ تھا تاہم یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ وہ زمانہ تھا جب نیپولین بوناپارٹ کے قدموں کو مشرق میں روکنے کے لیے پہلی مرتبہ انگریز ہندوستان کے سرحدی دو ممالک افغانستان اور بلوچستان کی طرف رجوع ہوئے پاٹینجر صاحب کے بعد ۱۸۴۱ء میں پہلی افغان جنگ کا طبل بجنے لگا. انگریزوں کو بلوچستان کی سیاست میں حصہ لینا پڑا. ۱۸۹۳ء میں جب محمود خان ثانی قلات کا فرمانروا مقرر ہوا اُس وقت ہندوستان کی دیگر دیسی ریاستوں کی طرح بلوچستان بھی ایک خانات ریاست بن چکا تھا اس لئے ۱۸۱۰ء سے لے کر ۱۹۰۰ء تک جو بھی برطانوی فوجی عملدار بلوچستان میں سیاسی اغراض یا فوجی معاملات میں وارد ہوئے انہوں نے دستور کے مطابق کوئی نہ کوئی کتاب تصنیف کی. یہ کتابیں بھی دراصل سیاحت نامہ کی طرح تھیں. مگر انہیں بعض جگہ بلوچی تاریخ کی دھندلی تصویر نظر آنے لگی [2] ان تمام سیاحت ناموں میں کتاب "دی انڈین بارڈر لینڈ"

---

[1] ہنری پوٹینجر کا سفرنامہ بلوچستان و سندھ ۱۹۱۶

[2] بلوچستان میں گشت از جنرل سی ایم میکریگر کے سی بی ۱۸۸۲

[3] ۔ ملاحظہ ہو پاپولر پوئٹری آف دی بلوچ از ایم ایل ڈیمز ۱۹۰۷

از کرنل سر، ٹی۔ ہنگفورد ہالڈچ جو فوجی عہدے کے علاوہ رائل جغرافیکل سوسائٹی لندن کا میجر تھا اُس کی کتاب میں بلوچستان کا باب ہے۔ وہ طربیہ افسانوں کا انبار ہے مذکورہ تمام کتابوں سے معتبر "کتاب بلوچستان" از مسٹر ای ڈبلیو ھگس ہے یہ صاحب بھی رائل جغرافیکل سوسائٹی کے ممبر تھے اُن کی کتاب قابل تعریف ہے مگر فن تاریخ میں انہوں نے مسٹر پانٹیجر اور مسٹر ماسن سے روشنی لی ہے۔ ۱۸۸۵ء میں جب پہلی مرتبہ میجر سنڈیمن صاحب جس نے بعد میں سر کا خطاب حاصل کیا جن کو بلوچی تاریخ میں خاص نمایاں حصہ ہے قلات میں پولٹیکل وفد کا لیڈر تھا پہنچا ان کے ساتھ منشی ہتورام صاحب پولٹیکل محکمہ میں محرر تھے۔ اسی صاحب کو بلوچی تاریخ جمع کرنے کا شوق غائب رہا سنڈیمن صاحب تمام بلوچستان کا واقف تھا وہ جہاں بھی گئے سرداروں سے جو کچھ روایتیں سنیں انکو ہتورام کی معرفت قلمبند کروایا۔ غرض سر سنڈیمن صاحب کی کوشش سے جب بلوچی تاریخ کی تجسس کا کام شروع ہوا تو رائے بہادر ہتورام کے سامنے آخوند محمد صدیق اور ڈیمز کے دفتر شعر کے سوائے اور کچھ بھی سرمایہ نہ تھا۔ گویا فن تاریخ میں بلوچیوں کا مصنف سب سے پہلے رائے بہادر ہتورام کی کتاب "بلوچی نامہ" ہے یہ کتاب جو دراصل بلوچی روایتوں کا انبار اور سر سنڈیمن کی رپورٹوں کا انبار ہے پہلی مرتبہ ۱۸۸۱ء میں لاہور سے اُردو زبان میں شائع ہوئی اور اس کا انگریزی ترجمہ مسٹر جی۔ ایم۔ سی ڈوئی M. C. DOUIE نے کیا اور ۱۸۸۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔

علامہ

نوٹ:۔ ہنری پانٹیجر صاحب کا ایک اور ہمعصر انگریز علمدار مسٹر برنس BURNES تھا جس نے سیاحت کی تھی وہ ۱۸۳۱ء میں سندھ سے گزرا تھا۔

۱۹۰۷ئہ تک اور کسی بھی اہل قلم نے بلوچی تاریخ پر خیال نہ کیا اس لیے یہ کتاب دوبارہ اُردو زبان میں نولکشور پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ رائے بہادر کی کتاب کی شہرت کے لیے اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اس وقت اگر کوئی امپیریل لائبریری یا لنڈن میوزیم تک بلوچی تاریخ کی تلاش کرے گا تو اُس کو رائے بہادر ہتیورام کے بلوچی نامہ کے سواء اور کوئی معتبر کتاب نظر آنہ سکے گی۔ اور یہ اُن کی قلمی محنت کا کرشمہ تھا کہ وہ سی۔آئی۔ای کے معزز خطاب سے سرفراز کئے گئے۔ بقول علامہ ابن اثیر جس طرح فردوسی کا شاہنامہ ایرانیوں کے لئے قرآن ہے اسی طرح رائے بہادر ہتیورام کا بلوچی نامہ بلوچوں کے لیے شاہنامہ ہے۔ بلوچ اس کتاب کو اس لیے معتبر تسلیم کرتے ہیں کہ اس کتاب میں اول تو جو حوالے دیئے گئے ہیں۔ وہ آخوند محمد صدیق صاحب کی تاریخ سے حوالے دیئے گئے ہیں دوئم اس میں بلوچی اقوام کے شجرے دیئے گئے ہیں اس لئے کتاب زیادہ مقبول ہے۔ اب ذرا آخوند محمد صدیق صاحب کا بھی احوال سنیئے جو فن تاریخ میں رائے بہادر کے امام ہیں آخوند صاحب کی کتاب بھی روایتوں کا انبار ہے۔ دستار فضیلت کے اندازہ کے لیے یہ کہنا کافی ہوگا کہ بلوچی تاریخ کے آسمان پر یہ دونوں صاحب آفتاب و ماہتاب ہو کر چمکنے لگے۔ ۲۰ ویں صدی کے آغاز کے بعد بلوچی علمیت کے افق پر پہلے کی طرح تاریکی چھائی ہوئی تھی حالانکہ دیگر ممالک میں اور زبانیں ترقی کر رہی تھیں۔ آزاد شبلی حالی نے فن سیرۃ اور تاریخ کو نیا جامہ پہنایا۔ بلوچستان کے اندر ایسا کوئی اہل قلم پیدا ہو نہ سکا جو آخوند محمد صدیق یا رائے بہادر ہتیورام کے طلسم کو چاک کر سکے یا نئے انداز میں تحقیقات کے فرائض انجام دے سکے۔ اگر بدقسمتی سے کسی نے قلم بھی اٹھایا تو اُس کے سامنے فقط آخوند صاحب اور رائے بہادر کا سرمایہ تھا۔ چونکہ دونوں مصنفیں قدیم تھے اس لیے سب اُن کو نظر احترام سے دیکھنے لگے بیسویں

صدی کے آغاز کے بعد کامل چوتھائی صدی تک تاریخ کا ہنگامہ سرد رہا۔ بعد
ڈیرہ جات کے نوجوان بلوچوں میں سے سردار غلام رسول خان قرآئی سب جج امبالہ
نے ایک چھوٹی کتاب "تاریخ بلوچستان" الیکٹرک پریس امرتسر سے شائع کرائی اس کا
شائع ہونا ایسا تھا کہ نہ ہونے کے برابر کیونکہ بدنصیبی سے سردار مرحوم کے اس فن میں رائے
بہادر ہتیو رام امام ہیں[1] کچھ برس پھر تاریکی اور غفلت میں گزرے۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا
کہ ہندوستان میں " انجمن ترقی اُردو" دار المصنفین اعظم گڑھ و دیگر مقامات پر نشر و
اشاعت کا کام شروع ہوا۔ یہاں کے چھاپخانوں نے عرب و عجم، یونان و روم کی
تاریخوں کے دفاتر اُلٹ کر دکھائے۔ مگران کے چھاپ خانوں میں بلوچستان کے
متعلق ایک بھی کتاب شائع نہ ہوئی۔ آخر ۱۹۳۲ء کا زمانہ آیا جب ہز ہائینس نواب
بہادر سر میر محمد اعظم جان بہادر بگلر بیگی تخت قلات پر مسند نشین ہوئے۔ اُن کی
تاجپوشی کی یادگار لکھنے کے لیے یہ کام مولوی دین محمد صاحب ایڈیٹر میونسپل گزٹ
لاہور کے سپرد کر دیا گیا۔ مولوی صاحب دربارات شاہی کی تاریخ مرتب کرنے کے
بڑے ماہر تھے۔ اکثر والیان ریاست و نواب ان کے واقف ہیں۔ جب وہ اپنی
کتاب "یادگار تاجپوشی قلات" تصنیف کرنے لگے تو اکثر ریاستی حکام میں سے خان
بہادر گل محمد خان وزیر اعظم، کپتان بلنڈ صاحب، خان صاحب، میاں نصیر الدین احمد
مرزا شیر محمد خان نائب وزیر اور خان صاحب مولوی عبدالرشید صاحب ریونیو
اسسٹنٹ کمشنر نے مولوی صاحب کے لیے بلوچی تاریخ کے متعلق حالات کی فراہمی
میں مدد دینے کے لیے مقرر ہوئے۔ یہ صاحبان سوائے ہتیو رام کی تاریخ اور

[1] یادگار تاجپوشی قلات از مولوی دین محمد مورخ دربارات شاہی ص ۱۱۴

بلوچستان گزیٹیر کے اور کچھ بھی فراہم کرنے کے نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب تیار ہوگئی مگر مولوی صاحب نے صاف صاف لکھدیا کہ بلوچوں کی قدیم تاریخ بالکل گم ہے. یہی حال بلوچستان کی باقی ریاستوں کی تاریخ کا رہا. سب سے پہلے ریاست خاران کے تاریخی حالات مولانا سید حبیب صاحب مدیر روزنامہ سیاست لاہور نے اپنی پرتکلف تحریر خاران کی سیاحت کا زمانہ "تذکرہ خاران" شائع کرایا یہ کتاب الیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور سے شائع ہوئی. یہ کتاب ایک سیاحت نامہ ہے اس کے ساتھ حضرت سرور لکھنوی کی تصنیف "فسانہ عجائب" کی طرح اُس میں اکثر سفر کے عجائب و غریب بکثرت ہیں. غرض جو کچھ بھی ہوا ٹھیک ہوا.

مذکورہ تمام کتابیں قحط الرجال کے زمانہ میں باعث فخر ہیں ہم آخوند محمد صدیق رائے بہادر ہتو رام، لالہ جمعیت رائے سردار غلام رسول خان قرآئی، مولوی دین محمد صاحب اور سید حبیب صاحب کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے فراموش شدہ قوم کو زندہ رکھنے کی کوشش کی. اب ذرا بلوچی ادبیات کا ذکر پڑھ کر دیکھیں ؎۱

بلوچی ادبیات

جس طرح بلوچوں کے علمِ تاریخ کا پہلو تاریک اسی طرح بلوچی ادبیات کا بھی پہلو تاریک ہے ۱۸۴۰ء سے بلوچی ادبیات

؎۱: ۱۹۳۰ء کے بعد نواب یوسف علی خان مگسی نے بلوچستان کی بیداری کا علم بلند کیا تھا تب بلوچستان کے باہر جن جن اخباروں کو بلوچوں سے ہمدردی تھی انہوں نے بلوچستان کے متعلق خاص نمبر شائع کرنے شروع کئے ان اخباروں میں سے الحنیف جیکب آباد نے ایک خاص بلوچستان نمبر ۱۹۳۲ء میں شائع کیا اس میں پہلی مرتبہ شاہی خاندان سے شہزادہ سلطان ابراہیم نے چند ایک مضمون بلوچستان کی تاریخ سے متعلق شائع کرائے وہ تمام مضمون ۱۹ ویں صدی کے واقعات کے متعلق تھے.

کا پہلی مرتبہ آغاز ہوا اور یہ وہ زمانہ ہے جب مغربی علمائے بلوچی ادبیات کی طرف رجوع ہوئے چنانچہ ایک انگریز فوجی عملدار مسٹر لیچ MR. LEECH صاحب نے "جنرل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال" میں چند بلوچی اشعار شائع کرائے۔ اس کے بعد کامل چوتھائی صدی تک یہ ہنگامہ سرد رہا۔ اور کسی نے بھی توجہ نہیں کی کہ بلوچی کس بلا کا نام ہے ۱۸۷۷ء میں ایک مشہور انگریز سیاح سر رابرٹ برٹن SIR. R. BURTON صاحب نے جب وہ دوبارہ سندھ کی سیاحت کرنے آیا اپنے سیاحت نامہ "سندھ ریوزیٹڈ" SIND REVISTED میں بلوچوں پر احسان کر کے ان کے فقط تین اشعار اپنی کتاب میں درج کئے۔ یہ ان کی کوئی نئی تحقیقات نہ تھی بلکہ انہوں نے لیچ صاحب کے اشعار میں سے فقط تین اشعار کو لفظ بلفظ بمہ ترجمے کے درج کیا۔ لیچ صاحب کے بعد دوسرا انگریز عملدار مسٹر لانگورتھ ڈیمس MR. M. L. DAMES صاحب انڈین سول سروس کا عملدار تھا۔ بلوچی ادبیات کو بمہ انگریزی ترجمہ کے شائع کرانے کا سہرہ ان کے سر ہے یہ صاحب زیادہ عرصہ ڈیرہ جات میں مقیم رہے۔ خوش قسمتی سے یہ صاحب جنرل ایشیاٹک سوسائٹی کے ممبر تھے۔ ان کے علاوہ اُن کا بلوچوں کے ساتھ رسوخ تھا۔ اس نے سیوی تک دورہ کر کے ایک بلوچی ادبیات پر ضخیم کتاب انگریزی رومن الخط میں تصنیف کرنے کا کام شروع کر دیا۔ یہ بلوچی شعر ۱۸۷۵ء کے زمانے میں انہوں نے جمع کرنا شروع کر دیا اور ان کی معرفت ۱۸۸۰ء میں بلوچی اشعار جنرل آف دی سوسائٹی آف بنگال میں شائع کرانے شروع کئے۔ ۱۹۰۰ء تک اس صاحب نے بلوچی اشعار

پر ایک ضخیم کتاب ۱۹۰۵ء میں لنڈن کی "فوک لور سوسائٹی" کے معرفت گلاسگو یونیورسٹی پریس سے شائع کرائی۔ یہ کتاب بالکل ضخیم ہے۔ مگر نقص اس میں اگر ہے تو فقط یہ کہ کتاب میں جتنے بھی اشعار ہیں وہ مشرقی بلوچی زبان میں ہیں اور بلوچی شاعروں میں سے فقط غلام محمد، بالاچانی، باگا لاشاری، ابراہیم شنبانی، پنجو خان بنگلزئی اور جیوا خان کرد کے اشعار ہیں۔ چونکہ بلوچی اشعار کا سرمایہ بلوچی ڈوموں تک محدود ہے۔ اس لئے بلوچستان میں یہی شاعر کہلاتے ہیں باوجودیکہ مسٹر ایل ڈیمس کی کتاب کوئی مکمل بلوچی شاعری کی کتاب نہیں تاہم اگر اُس کو ترجمہ کیا جائے تو بلوچی شعر کا ایک خاصہ گلدستہ بن سکتا ہے بلکہ ایک نقاد اُس کو "شعر البلوچستان" کا جامہ پہنا سکتا ہے مسٹر ایل۔ ڈیمس نے جب بلوچی اشعار بنگال سوسائٹی کے معرفت شائع کروانا شروع کیا تب اور انگریز بھی اِس طرف رجوع ہوئے۔ ایل ڈیمس صاحب نے ۱۸۹۱ء میں بلوچی ٹیکسٹ بک BALOCHI TEXT BOOK میں علاوہ ترجمہ کے چند بلوچی اشعار شائع کرائے۔ جس مسٹر ایل ڈیمس یہاں سے روانہ ہوگئے تو اُن کا کام ایک عیسائی مشنری سوسائٹی کے ممبر پادری ٹی ایم میئر REV. T. M. MAYER صاحب نے دوبارہ شروع کیا چونکہ "اسکندرہ آر فینچ پریس" اور فورٹ منرو میں ان کے پاس ایک اور چھاپہ خانہ تھا۔ اس لیے پادری صاحب کو بلوچی کے اشعار شائع کرانے میں زیادہ آسانی ہوئی۔ مگر جو کتاب عیسائی مشنری سوسائٹی کی طرف سے شائع ہو اس کا اخلاقی پہلو کیا ہوگا، وہ مطلب ارباب ذوق معلوم کر سکتے ہیں۔ بلوچی اشعار اگرچہ رائے بہادر ہیتو رام نے اپنی کتاب تاریخ بلوچستان میں درج کئے ہیں اس لئے مسٹر جی۔ ایم۔ سی۔ ڈوٹی صاحب نے جب ان کی تاریخ کو انگریزی جامہ پہنایا تب چند اور شعر اُس میں اضافہ کر کے درج کئے اِن اشعار کی وجہ سے ایک تاریخی کتاب "فسانہ عجائب" بن گیا، غرض بلوچی ادبیات سے متعلق جو کچھ

اس وقت تک شائع ہوا ہے وہ ہم تفصیل سے درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین اس فراموش شدہ قوم کے علمی حالات سے اچھی طرح واقف رہیں غرض آخری بلوچی شعر سر سنڈیمن کے فتوحات کے متعلق ہیں جب اُس نے ۱۸۶۷ء میں مری اور بگٹی بلوچوں پر حملہ کیا تھا مسٹر آر۔ جی۔ بروس R. G. BRUCE جو سر سنڈیمن کے ساتھ بطور ایک کپتان کے تھا اس نے رزمیہ اشعار کو جمع کر کے اپنی کتاب "فارورڈ پالیسی"

میں ۱۹۰۰ء میں لنڈن سے شائع کرائے۔ یہ ہے تمام سرمایہ

بلوچی ادبیات کا جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

مختصر تاریخ بلوچستان

مذکورہ علمی خامیاں میری نظر میں تھیں مگر مجبور تھا کیونکہ میں ریلوے محکمہ میں گارڈ تھا مجھے فرصت کم تھی اور نہ میرے پاس نشر و اشاعت کے لیے کوئی سرمایہ ہی موجود تھا۔ مگر علم تاریخ میں مجھے کافی عرصہ طبع آزمائی کرتے گزر تھا۔ میں ملازم تھا مگر میرے علمی اور ادبی مضامین سندھ کے روزناموں اور علمی رسالوں میں نہایت شد و مد کے ساتھ شائع ہوتے تھے۔ ان اخبارات کے ایڈیٹر میری قدر دانی کرنے کے لیے ہر وقت تیار تھے ۱۹۳۹ء میں میں باعزت و بمعہ انعام اپنی ملازمت سے پانچ برس پہلے رٹیائرڈ ہوا۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ پہلے بلوچی تاریخ کی شیرازہ بندی کی جائے۔ تاکہ ہتیو رام کا دیرینہ طلسم ٹوٹ جائے اور ایک یثربی رنگ کی نئی عمارت تعمیر کی جائے۔ جب بلوچی تاریخ کا کام مکمل ہوگیا تو بلوچی ادبیات کی حنابندی کرنا میرے لیے بالکل آسان کام تھا مجھے خود خیال تھا کہ میں اپنی قوم کی قلمی خدمت کروں۔ خوش نصیبی سے میرے قدردان دوست ڈاکٹر غلام رسول خان بلیدی سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل کراچی نے مجھے مختصر تاریخ بلوچستان لکھنے کے لیے فرمائش کی۔ میرا دماغ پہلے پرواز کر

رہا تھا۔ اب دو ڑیں کھلنے کی دیر تھی اور پھر کیا ہوا ؎

زچشم عشق تواں دید روئے شاہد ما
کہ نور چہرۂ خوباں زقاف تاقاف است

مجھے ایک ہم خیال مگر قدردان دوست مل گیا۔ میں نے مختصر تاریخ بلوچستان لکھنے کا کام شروع کر دیا۔ چونکہ قدو گیسو میں قیس وکوہ کن آزمائش تھی اس لیے سب سے پہلے میں نے سندھ کی اخباروں اور رسالوں میں سے اخبار نوجوان جیکب آباد ایڈیٹر محمد اسلم خان اچکزئی، اخبار بولان کراچی کے ایڈیٹر محمد حسین صاحب عنقا، روزنامہ الوحید کراچی ایڈیٹر مولوی دین محمد وفائی علمی رسالوں میں سندھ ماہوار حیکب آباد ایڈیٹر بولچند راجپال اور پنجاب کے مشہور ماہوار رسالہ عالمگیر لاہور ایڈیٹر حافظ محمد عالم صاحب کو اپنے ارادوں سے واقف کیا اور انہوں نے مجھے بلوچی تاریخ و ادب سے متعلق لکھنے کی اجازت دی ۱۹۴۱ء کے سالنامہ عالمگیر میں میرا بلوچی ادبیات کے متعلق پہلا مضمون شائع ہوا۔ بعد اگست ۱۹۴۱ء میں میرا دوسرا مضمون شائع ہوا ابھی حافظ صاحب نے ذرہ کو آفتاب بنا دیا کیونکہ مولوی صاحب نے جہاں حضرت مولانا ظفر علی خان، مولانا غلام دستگیر صاحب نامی، الحاج مولانا عبدالقیوم صاحب ندوی کا ملاحظات کے کالم میں شکریہ ادا کیا اس خاکسار کو بھی مینا بدوش کھڑا کر کے شکریہ ادا کیا۔ اسی طرح تمام اخباروں نے اس کام میں میرا خیر مقدم کیا میں نے قلات نیشنل پارٹی کے نوجوان رکن میر محمد فاضل صاحب سابق وزیر تعلیم ریاست قلات کو اپنی مختصر تاریخ بلوچستان کا مسودہ دکھایا انہوں نے پسند کیا ۱۹۴۱ء میں پہلی مرتبہ یہ کتاب سندھی زبان میں شائع ہوئی اور ۱۹۴۲ء میں ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن سندھ شمس العلماء ڈاکٹر عمر محمد داؤد پوتہ پی۔ ایچ۔ ڈی نے میری کتاب کو پرائمری سیکنڈری سکول اور

ٹیچرس لائبریری کے لیے سرکاری طور پر منظور فرمایا یہ پہلی مرتبہ تھا جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں بلوچستان کی تاریخ لکھنے میں کامیاب رہوں گا. چنانچہ مختصر تاریخ بلوچستان کو ایک میرے دوست ایڈیٹر محمد نسیم صاحب تلوی نے اُردو جامہ پہنانا شروع کر دیا. اور اس کے بعد یہ مفصل تاریخ بلوچستان کا نسخہ آپ کے سامنے ہے اس کام میں عالی جاہ میر محمد بخش صاحب ٹالپر مانکتانی نے میرے لیے بیس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔

بلوچستان کے نام

آریانہ. مکران کے بندرگاہوں کا نام' مکران ما نجوران علاقوں کے نام' سراوان' جھلاوان کیچ وغیرہ۔

بلوچستان کے لفظی معنی بلوچوں کا وطن. مگر تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام بلوچستان کا پرانا نام نہیں اور دور جدید کا ایجاد کیا ہوا ہے ورنہ بلوچستان کے ہر حصے کا نام پہلے جدا جدا تھا مگر بلوچوں نے جب یہاں سکونت اختیار کی اور اپنی بستیاں قائم کیں بعد ازاں یہ ملک غیر اقوام کی نظروں میں بلوچستان کہلانے لگا. قبل اسلام اوستا کی زبان میں اس ملک کا نام "دارالشین انہا" تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ نام اس پرپشین ءٔ کی وادی کی وجہ سے پڑا ہو گا. مشہور یونانی مورخ اور جغرافی دان ہیروڈوٹس نے بلوچستان کا نام "پکٹائیکے" PAKTAYKE دکھایا ہے. وہ شاید اسی وجہ سے کہ یہاں کے باشندوں کی زبان پشتو ہو گی. یونانی جغرافی دانوں سے پھر اسٹرابو نے اس خطے کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) آکر چوسیا یعنی شمالی حصہ سراوان (۲) گیدروشیا یعنی جنوبی حصہ جھلاوان اور مکران (۳) ڈرنگیانا یعنی مغربی حصہ جو وادی ہلمند سے شروع ہو کر موجودہ خراسان تک ہے جو عام طور پر سیستان

---

(۱) یہ پشین مند کے قریب ایرانی بلوچستان میں واقع ہے۔

زابلستان کہلاتا ہے. اسلام کے ظہور کے بعد خلافت فاروقی میں جب مسلمانوں نے ایران فتح کیا اُس وقت بھی بلوچستان کا نام نظر نہیں آتا ۷۱۱ء میں ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں غازی محمد بن قاسمؒ نے سندھ کو ملتان تک فتح کیا اس کے بعد سندھ اور بلوچستان میں عربی ریاستیں قائم ہوئیں اُس وقت بلوچ پہلے سے بلوچستان میں موجود تھے مگر بلوچستان کا نام کہیں بھی نظر نہیں آتا. عیسوی دسویں صدی تک ہمیں ابن حوقل بغدادی کے بیانات ملتے ہیں. اور یہ پہلا عرب جغرافی دان تھا جس نے سندھ اور گجرات کا نقشہ تیار کیا اور یہ اُس نے ۳۴۲ھ مطابق ۹۲۳ء میں تیار کیا. اِس نقشے میں بلوچستان کا کہیں بھی نام نظر نہیں آتا بلکہ بلوچستان کے دو حصے نظر آتے ہیں شمالی حصہ بدھ کے نام سے دکھایا گیا ہے اور جنوبی مکران دکھایا گیا ہے[1]. چچ نامہ میں واقع کچھی کا علاقہ نودہا یا بدھا دکھایا گیا ہے[2] آگے چل کر ۹۷۶ء میں جب دوبارہ ابن حوقل اس ملک کا دورہ کرتا ہے تو وہ جھلاوان کو توران اور نال کو قیقانا دکھاتا ہے. بلوچستان کی عربی ریاستوں کو سلطان ناصرالدین سبکتگین نے آکر خاتمہ کیا. مذکورہ بیانات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ نام ۱۵ یا ۱۶ صدی کا ایجاد ہے. ورنہ اُس سے پہلے بلوچستان کا نام غیر موجود ہے. بلوچوں نے یہاں آکر جو اپنے مذاق کے مطابق اس ملک پر نام رکھے. وہ اب بھی جاری ہیں مثلاً سراوان یعنی بلند مقام اور جھلاوان یعنی نیچے والی زمین باقی کچھی جس کا دوسرا

ع۱: ابن حوقل بغدادی کا نقشہ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" میں دکھایا ہے.

ع۲: امپیریل گزیٹیر آف انڈیا "بلوچستان" ص ۱۲

نام گنداوہ ہے اُس کو گنج آبہ کہنے لگے۔ مری پہاڑوں سے لے کر ڈیرہ جات کا علاقہ بارخان کہلاتا تھا۔ بلوچستان میں بعض شہروں کے نام وہاں کے قوموں کی یادگار ہیں۔ مثلاً آرما بیل جو لس بیلہ میں ہے۔ اُس کے معنی ہے آرمنوں کا شہر لس بیلہ یعنی لا بیلا کا شہر قندہار کے متعلق بیان ہے کہ اس شہر کی بنیاد ساک قوم نے رکھی اسی طرح سیوی کا پہلا نام سیوستان اور قلات کا نام قلات سیوا تھا[1]۔

مذاہب بلوچی، براہوئی نیز افغانوں کا مذہب اسلام ہے اور وہ زیادہ تر اہل سنت جماعت میں سے ہیں۔ البتہ ایرانی تصوف کے اثر سے کئی قبیلے شیعہ ہیں۔ مکران کے ذکری ZIKRIS امام مہدی کو مانتے ہیں ان کی مشہور زیارت گاہ کوہ مراد پر واقع ہے۔ جہاں وہ ماہ ذی الحج کو زیارت کرنے جاتے ہیں۔ مکران میں ایک فرقہ قرامطہ (کلمتی) کا ہے جس کی بنیاد احمد بن محمد بن الحنیفتہ نے ڈالی تھی[2]۔ یہ قرمطی عمان سے مشرق کی طرف بڑھے اور عربوں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر انہوں نے ملتان میں زبردست ریاست قائم کر لی تھی جس کا خاتمہ سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں سے ہوا۔ کچھی میں بعض لوگ طیبیہ فرقے کے ہیں۔ پھر لس بیلہ میں آغا خانی خوجے بھی رہتے ہیں۔ وہ سر آغا خان کو اسماعیل خاندان کا امام اور اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں ۱۹۰۰ء میں آغا خانی جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی (۱) اسماعیلی

[1]: سیوا قلات کا ہندو حکمران خاندان کا نام تھا۔

نوٹ:۔ بقول سینٹ جان صاحب بلوچستان نام اس ملک پر نادر شاہ نے رکھا جب اُس نے افغانوں کو یہاں سے نکالا۔

[2]: مذاہب الاسلام از حکیم نجم الغنی باب اسماعیلی خوجے ص ۳۲۴ ۳۲۵

(۲) اثنا عشری۔ ڈاکٹر آرنولڈ صاحب کا بیان ہے کہ آج سے چار سو برس پہلے ایک شخص پیر صدرالدین ہندوستان میں وارد ہوا اس کا مذہب اسماعیلی تھا۔ اُس نے "دسا اوتار" یعنی دس اوتار نام پر ایک کتاب تصنیف کی اس کتاب کو خوجے آسمانی کتاب سمجھنے لگے۱؎ لس بیلہ کے شیخ اپنے کو حضرت عقیلؓ کی اولاد سے سمجھتے ہیں۔ برطانوی اقتدار کے بعد چرچ آف انگلینڈ اور رومن کیتھولک عیسائی مشنریوں نے اپنی سوسائٹیاں برپا کیں۔ ان دونوں سوسائٹیوں کے صدر مقامات لاہور و بمبئی ہیں ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے بلوچستان کی آبادی کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) مسلمان ۸۰۰،۰۰۰ (۲) ہندو ۵۰،۰۰۰ (۳) سکھ ۸،۰۵۰ (۴) عیسائی ۸،۰۰ (۵) متفرق ۳،۰۰ ہے۲؎۔

ضلع اور ریاستیں

برٹش بلوچستان میں ذیل کے اضلاع ہیں (۱) کوئٹہ، پشین اس میں کوئٹہ پشین، چمن اور شوراروڈ تحصیلیں ہیں۔

۲ لورالائی۔ اس میں بوری، دُکی، بارکھان، موسیٰ خیل تحصیلیں ہیں، سنجاوی سب تحصیل ہے۔

۲ ژوب۔ اس میں فورٹ سنڈیمن، قلعہ سیف اللہ اور ہنگم باغ تحصیل ہیں۔

سیوی۔ اس میں سیوی، ہرنائی، نصیرآباد اور کوہلو سب تحصیل ہے۔

چاغی، اس میں نوشکی، چاغی اور مغربی سنجرانی تحصیلیں ہیں۔

بولان۔ کوئٹہ میں کافی تعداد میں باغات ہیں جہاں پھلوں اور ترکاریوں کی بکثرت پیداوار ہیں، سریاب میں بلوچوں کی آبادی ہے، کوئٹہ، چمن، پشین اور قلعہ عبداللہ

۱؎ مذاہب الاسلام از حکیم نجم الغنی باب اسماعیلی خوجے ص ۳۳۴، ۳۳۵

۲؎ جغرافیہ بلوچستان آبادی ص ۲۴

تجارتی منڈیاں ہیں ۱۹۳۵ء کے زلزلے کے بعد ۱۹۳۶ء میں کوئٹہ پھر آباد ہوا یہ نئے مکان لکڑی اور ٹین کے ہیں یہ شہر افغانستان اور ایران کے نزدیک ہے اس لیے پھلوں اور قالینوں کا بیوپار چلتا ہے اور پولیٹیکل ایجنٹ کا صدر مقام ہے۔

پشین قندھار کے نزدیک ہے یہاں سے افغانستان کا پھل دیگر ممالک کو جاتا ہے لورالائی ضلع کے میدان آباد ہیں اس لئے یہاں کے لوگ زراعت پیشہ ہیں ژوب ایک ویران علاقہ ہے ہندو/مسلم باغ اور قلعہ سیف اللہ میں کاریزوں سے آبادی ہوتی ہے یہاں پٹھان رہتے ہیں اور زبان بھی پشتو ہے۔ فورٹ سنڈیمن کی آبادی ۵ ہزار ہے مینا بازار جو فورٹ سنڈیمن سے ۴۵ میل فاصلہ پر ہے اُس کی آبادی تیس ہزار ہے قلعہ سیف اللہ اور ہندو/مسلم باغ میں کوئلے اور لوہے کی کانیں ہیں۔ سبی کا شہر ۱۸۸۰ء میں نئے سرے سے آباد ہوا۔ موسم سرما میں پولیٹیکل ایجنٹ اس شہر میں رہتے ہیں۔ ہر سال ماہ فروری میں میلہ اسپاں لگتا ہے۔ بلوچستان کا شاہی جرگہ بھی یہیں لگتا ہے اور تمام بلوچ سردار اس میں شامل ہوتے ہیں۔ سبی گرمی کی وجہ سے مشہور ہے۔ ہرنائی سے لورالائی اور فورٹ سنڈیمن کو راستہ جاتا ہے۔ نصیر آباد کا علاقہ ۱۹۰۳ء میں انگریز سرکار نے خان سے ایک لاکھ ۱۵ ہزار روپیہ سالانہ اجارہ پر لیا جھٹ پٹ اس کا صدر مقام ہے قبائلی علاقہ میں ڈیرہ بگٹی نواب بگٹی کا صدر مقام ہے۔ کاہان نواب مری کا صدر مقام ہے یہاں سے سلاجیت اور شہد باہر کو جاتا ہے

چاغی ضلع میں تانبا، شیشہ، گندھک، لوہا اور نمک نکلتا ہے۔ بھنگ بھی عام پیدا ہے۔ صدر مقام نوکنڈی ہے جو سطح میں تین ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ دالبندین سیستان کی تجارت کا مقام ہے۔ اور یہاں بادام کی تجارت ہوتی ہے۔ مغربی نگرانی سے قافلے مشہد اور سیستان کو جاتے ہیں۔ چاغی تحصیل سے چمڑہ، گھی اور ریشم روانگی کی چیزیں

ہیں۔ بولان تاریخی درہ ہے جو کولپور سے شروع ہو کر رندلی تک ۵۴ میل ہے۔ پہلے یہاں سے گزرنے والے قافلوں سے خان قلات محصول لیتا تھا۔ ۱۸۸۳ء میں خان صاحب نے یہ حق برٹش سرکار کے حوالے کر دیا۔ مچھ کے پہاڑوں سے جو علاقہ آگے کو شروع ہوتا ہے اس کو بلوچ خراسان کہتے ہیں۔ یہاں کے پہاڑوں سے کوئلہ نکلتا ہے۔

ریاست قلات

یہ ریاست طول و عرض میں ۲۷۶، ۳۲۷ میل ہے اور پانچ حصوں میں ہے (۱) سراوان (۲) جھلاوان (۳) کچھی (۴) مکران (۵) خاران۔

سراوان۔ یہ ریاست کا شمالی حصہ ہے اور طول و عرض میں ۲۳۰، ۵ میل ہے۔ قلات سطح میں بلند ہے اور سرد ہے۔ باقی علاقہ کی آب و ہوا خشک اور معتدل ہے۔ یہاں کی زمین سنگریزہ ہے۔ اس لئے آبادی تھوڑی ہوتی ہے۔ یہاں کی گندم اعلیٰ ہوتی ہے یہاں کے لوگ زیادہ تر زراعت کا پیشہ اور گلہ بانی کرتے ہیں۔ پایۂ تخت قلات ۶ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ پہلے اس شہر کو چوطرف دیوار اب وہ ویران ہے۔ خان صاحب یہی رہتے ہیں۔ یہ شہر پہلے قلات سیوا کہلاتا تھا مگر جب بلوچوں نے اس شہر کو فتح کیا تو اس پر "قلات بلوچ" نام رکھا۔ سراوان میں قلات، مستونگ، کہنک، پڑنگ آباد، میڑی، منگچر نیچارا، سیالکوہ، جوہان اور ردبار گاؤں اور شہر ہیں۔ مستونگ قلات کے بعد دوسرا بڑا شہر ہے اور اس میں باغات ہیں اور یہاں کی فضا صحت بخش ہے۔ گندم، خربوزے اور سردوں کے لیے مشہور ہے۔ ۱۹۳۵ء میں جو زلزلہ ہوا اس میں شہر کو نقصان پہنچا یہاں کے پہاڑوں کی چوٹیاں ۹ ہزار سے لیکر ۱۲ ہزار فٹ تک ہیں خاص کر چھل تن پہاڑ کی روایتیں مشہور ہیں[1]۔ اس علاقہ میں درہ بولان کے شروع میں ایک بڑا میدان ہے

---

[1] چھل تن پہاڑ کو براہوئی چالیس ابدالوں کا مقام سمجھتے ہیں یہ انکی زیارت گاہ ہے مسٹر ماسن MR. MASSON نے اس پہاڑ کی کہانی اپنی کتاب جلد ۲ ص ۳۸ میں تفصیل سے بیان کی ہے۔

جو "دشت بیدولت" کہلاتا ہے اور وہ کرد قوم کی ملکیت ہے۔ اسپلنجی جو اس درہ کی کلید ہے وہ بنگلزئی قوم کا گاؤں ہے۔ مترو شکار کے لیے اچھی جگہ ہے یہاں پر بہت سے تالاب ہیں جو برسات کے پانی سے بھر جاتے ہیں اور اس کے ارد گرد پہاڑ ہیں۔ اسلکو، شہوانی قوم کا گاؤں ہے اس میں کافی باغات ہیں' رئیسانی، لہڑی، بنگلزئی، کرد، سہوانی محمد شئی اور سرپرہ یہ سب قومیں سروانی ہیں' سروان کے معنی بلند زمین جس کو انگریزی میں HIGH LAND کہتے ہیں۔

کچھی ؎۱ ریاست قلات کا یہ مشرقی بڑا حصہ ہے۔ اور طول و عرض میں ۵،۳۱۹ مربع میل ہے۔ یہ تمام علاقہ شمال سے لے کر جنوب تک ایک کشادہ میدان ہے اور سطح میں ۵۰۰ فٹ بلند ہے۔ اب یہ علاقہ ویران ہے اور ویران حصہ کا نام "دشت بیداز" ہے ناڑی، بولان، اور مولہ یہاں کی ندیاں ہیں اس کے علاوہ لاہڑی اور چھتر بھی ندیاں ہیں۔ مولہ ندی ہربوئی پہاڑوں سے نکل کر مختلف شاخوں میں تقسیم ہو کر سندھ کو جاتی ہے۔ برسات کی کمی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا خشک و گرم ہے۔ یہاں کی زمین نہایت طاقتور ہے اور زراعت کے لیے موزوں ہے مگر افسوس! کہ پانی کم ہے اونٹ گھوڑے اور بیل یہاں اچھی نسل کے ہوتے ہیں۔ گندھک، نمک، چونا اور شورہ یہاں کی معدنیات ہیں۔ اکثر جھلاوان کا مال یہاں سے سندھ کو جاتا ہے۔ یہاں کی آبادی زیادہ تر بلوچوں اور جدگالوں پر مشتمل ہے۔ سراوان کے براہوئی موسم سرما میں یہاں آکر رہتے ہیں۔ بھاگ، ڈھاڈر، گنداواہ، متھڑی اور لہڑی یہاں کے شہر ہیں۔ بھاگ کے شہر کے

؎۱ بقول ابن حوقل ہجری چوتھی صدی میں کچھی کا بیان کرتے لکھتا ہے کہ یہاں قدرتی چشموں اور نہروں کی وجہ سے یہ علاقہ نہایت شاداب تھا۔ سندھ کے ہندو راجاؤں کے زمانہ میں اس کا نام بودہ تھا۔

گردد لیا ہے مگر اب زبوں ہو رہی ہے۔ اس کے ارد گرد کھنڈرات بھی ہیں، ڈھاڈر انار دن کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہاں نیل کی بھی کاشت ہوتی ہے اور تجارت کا مرکزی شہر ہے۔ لہڑی قدیم شہر ہے جہاں ریشم اور چمڑے کا عمدہ کام ہوتا ہے۔ ڈومبکی قوم کا سردار یہیں رہتا ہے۔ جدگال قوم کی تقریباً بہ شاخیں ہیں۔ یہاں مولا اور بولان درے آکر ختم ہوتے ہیں۔

جھلاوان۔ یہ علاقہ ۲۰،۷۹۵ مربع میلوں میں ہے۔ مولا، کلاچی، ہنگھوں ندیاں اس علاقہ کو سیراب کرتی ہیں۔ ہنگول سب سے بڑی ندی ہے جو وادی سیراب سے نکل کر سمندر میں گرتی ہے۔ ہب ندی بڑی حد تک بلوچستان اور سندھ کی سرحد پر ہے۔ آب وہوا خشک و معتدل ہے براہویوں کی تعداد زیادہ ہے۔ یہ علاقہ انتظام کی صورت میں دو حصوں میں تقسیم ہے (۱) وہ علاقہ جو قلات کے خان کے ماتحت ہے (۲) وہ حصہ جو سرداروں میں بٹا ہوا ہے۔ جھلاوان کے معنی نیچے والی زمین LOW LAND کے ہیں زہری، مینگل، محمد حسنی اور بیزنجو جھلاوانی قومیں ہیں یہاں کے باشندے موسم سرما میں سندھ میں آکر مزدوری اور کاشت کاری کرتے ہیں۔ نیچارا، سوراب اور خضدار بڑے شہر ہیں۔ خاص کر خضدار ایک تاریخی شہر ہے۔ یہاں قلعہ بھی ہے۔ اور تجارتی قافلے بھی یہیں آکر ٹھہرتے ہیں۔ نال بھی تجارتی شہر ہے۔ اُس کے ارد گرد کھنڈرات ہیں۔ مسلمانوں نے امیر معاویہؓ کے زمانے میں اس کو فتح کیا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ذکر امیر معاویہؓ)

مکران۔ قلات ریاست کا جنوبی اور مغربی حصہ ۲۳،۲۶۹ مربع میل ہے اُس کے دو حصے ہیں (۱) کیچ مکران (۲) ایرانی مکران۔ مکران کا ساحل ۲۸۰ میلوں میں سمندر پر پھیلا ہوا ہے۔ برسات کم پڑنے کی وجہ سے ویران ہے۔ سوائے کھجور کے نخلستانوں کے اور کوئی سبزہ نہیں۔ دشت، کیلی کور، نہنگ اور رخشان ندیاں ہیں۔ یہاں کے سمندری

ساحل کی آب وہوا معتدل وصحت بخش ہے. اندرونی حصہ گرم ہے گندم، چاول، کھجور اور جوار فصلیں ہیں. گھی، مچھلی، پشم، چمڑا اور کھجور برآمد کی چیزیں ہیں. یہاں کے لوگ بلوچ ہیں اور یہ بلوچوں کا بلوچستان میں قدیمی مسکن تھا پسنی بڑا شہر ہے اور بندرگاہ ہے. یہاں کے ساحلی لوگ ماہی گیری کا پیشہ کرتے ہیں اور یہ ان کا قدیم پیشہ ہے. تربت میں ایک قلعہ ہے. کلمت یہ بندرگاہ ہے. کیچ میں پنوں کا قلعہ بھی موجود ہے. مکران کا ساحل قدیم زمانہ سے بری اور بحری لحاظ سے تجارت کے لیے مشہور تھا. تیز کسی زمانہ میں یہاں کی مشہور بندرگاہ تھا. ابن حوقل اور تمام بلوچی شعرا یہاں کی وادی پنجگور، کیچ کی شادابی کی تعریف کرتے ہیں بلیدہ تو یہاں کی قدیم وادی اور بلوچوں کا وطن ہے۔

خاران . یہ علاقہ چاغی اور مکران کے درمیان ہے اور ۱۸٫۵۶۵ مربع میلوں میں ہے یہاں کی جملہ آبادی فقط ۳۰٫۰۰۰ ہے. نوشیروانی اور رخشانی یہاں کی دو مشہور قومیں ہیں. بڈو، ماشکیل، میان، رودک رخشان اور بی بی لوہاری ندیاں ہیں ماشخیل سب سے بڑی ندی ہے. یہاں برسات کم پڑتی ہے. آب وہوا خشک مگر صحت بخش ہے. دن گرم اور رات کو سردی پڑتی ہے. یہاں ایک بڑا صحرا ہے جہاں طوفان میں ریت اڑتی ہے اور یہ فصلوں کو نقصان پہنچاتی ہے. اس لیے زرعی پیداوار یہاں کم ہوتی ہے. گندم، جوار کھجور اور تربوز پیدا ہوتے ہیں. اونٹ، بکریاں، گدھے اور بیل چوپائے جانور ہیں یہاں کے اونٹ تمام بلوچستان میں مشہور ہیں. چوپائے جانور، شہد، ہنگ، کھجور برآمد کی چیزیں ہیں. یہاں کی زبان بلوچی ہے اور بڑا شہر خاران ہے. عربوں کے زمانے میں یہاں عمدہ خیابان تھے. نوشیروانی ایرانیوں کی ایک شاخ ہے اور دوسری ایرانیوں کی شاخ افغانستان میں ہے ان میں سے ہرات کے جنوب میں قزلباش اپنے کو جمشیدی کہلاتے ہیں

لس بیلہ. بلوچستان کے جنوب میں پہاڑی علاقہ ۷٫۱۳۲ مربع میلوں میں ہے. یہ

پوراں ندیاں ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا زیادہ تر مکران جیسی ہے۔ برسات کم پڑتی ہے مشرقی
حصے میں کاریزوں کے ذریعہ آبادی ہوتی ہے۔ جوار، گندم، اور روئی پیداوار ہیں۔
کھجور، جامن، انار اور زیتون پھل ہیں۔ اونٹ، بکریاں، بھیڑ اور گھوڑے مویشی ہیں
اس علاقہ کی آبادی ۵۰،۰۰۰ ہے یہاں کے باشندے سندھی بولتے ہیں۔ البتہ ساحل کے
رہنے والے بلوچی زبان بولتے ہیں۔ یہاں کے لوگ زراعت پیشہ ہیں یا ریوڑ چرانے والے
اور ماہی گیر ہیں۔ مچھلی، مویشی، چمڑا، گھی اور ریشم برآمد کی چیزیں ہیں۔ بیلہ یہاں کا بڑا شہر
ہے جو کراچی سے ۱۱۲ میل پر ہے۔ پہلے یہ شہر آرمن بیلہ کہلاتا تھا اور تاریخی شہر ہے یہاں
ہنگلاج ایک زیارت گاہ ہے۔ مسلمان اس کو بی بی نانی اور ہندو پاروتی، کالی اور ماتا کہتے
ہیں۔ سون میانی بندرگاہ ہے۔ لس بیلہ کے ساتھ جھلاوان اور سندھ کی تجارت ہوتی
ہے انگریزوں کے آنے سے پہلے بلوچستان کا مال اکثر سون میانی کے راستے دیگر ممالک
کو جاتا تھا۔ یہاں کا والی جام کہلاتا ہے۔

ایرانی بلوچستان

یہ ایک بڑا علاقہ ہے جس کا ایک حصہ جو ۸۰،۰۰۰ مربع میل
ہے خان قلات کے ماتحت ہے اور ۶۰،۰۰۰ مربع میل
ایرانی حکومت کے ماتحت ہے۔ جس میں زیادہ حصہ مغربی مکران کا ہے ۱۸۵۸ء میں
غدر کے بعد ہندوستان اور انگلینڈ کے درمیان خشکی کے راستے ٹیلی گراف لائن
بنانے کا ایسٹ انڈیا کمپنی کو خیال ہوا۔ پہلے گوادر سے اصفہان تک اس لائن کا ۱۸۶۳ء
میں کام ختم ہوا ۱۸۶۵ء میں سر فریڈرک گولڈسمتھ SIR F. GLODSMID غالباً پہلا
یوروپین تھا جس نے مغربی بلوچستان کی سیاحت کی اس زمانہ سے پچاس برس پہلے ایران
والے خان قلات کے اضلاع یکے بعد دیگرے ہضم کرنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۷۰ء
میں انگریزوں نے سرحدی فیصلے کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا جس نے ۱۸۷۲ء میں سرحد

کا فیصلہ کیا۔ ایرانی بلوچستان دو پہاڑی میدانوں میں تقسیم ہے ایک کا نام بلوچ اور دوسرے کا نام سرحد ہے۔ اور وہ چار ضلعوں میں ہے۔ (۱) سرحد (۲) دِزک (۳) سرباز (۴) گیہ (قصر قند) یہاں کا والی نرم شیر میں رہتا ہے جو دراصل علاقہ کرمان کا نائب گورنر ہے اس کا صدر مقام بھمپور ہے۔ اس علاقہ میں زیادہ خانہ بدوش قبائل رہتے ہیں اور بعض سردار اندرونی امن وامان رکھنے کے لیے آزاد بھی ہیں۔ گوتر اور چاہ بہار یہاں کی بندرگاہ ہیں۔ بھمپور، پشین، ایچن، قصر قند اور باہو، قلات شہر ہیں یہاں کے خانہ بدوش بلوچی قبائل ہر وقت ایرانی حکومت سے برسرپیکار رہتے ہیں

بلوچستان کے قبائل اور ان کا مسکن

بلوچستان میں اس وقت چار علاقے ہیں جو خالص بلوچستان کے حصے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) قلات مکران (۲) جھلاوان (۳) سروان (۴) کچھی، گنداوہ، موجودہ زمانہ میں وہاں کون سی بلوچی قومیں آباد ہیں ان کا ٹیبل دینا یہاں ضروری ہے۔ اور یہ ٹیبل دراصل مسٹر ماسن، جیکب اور راس کا تیار کیا ہوا ہے۔ یہ تمام انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے دیسی فوجوں کے افسر تھے۔ انہوں نے بلوچستان میں جو کچھ دیکھا اور سنا اس کو قلمبند کر دیا ان کی رپورٹیں اور سیاحت نامے اس وقت بلوچی تاریخ کی مضبوط کڑیاں ہیں۔ اُن کو اگر ترتیب سے جمع کیا جائے تو بلوچی تاریخ بن سکتی ہے۔ انہوں نے زیادہ بیانات سرداروں کے مشورے سے قلمبند کئے ہیں جو درست ہیں۔ اور بعض بیان قیاس ہیں اب ہم یہاں ٹیبل درج کرتے ہیں۔

ا قلات مکران۔ (۱) گیچکی (۲) گوجر (۳) ہلادا (۴) ابومرازی (۵) ہوت (۶) کلمتی (۷) کودائی (۸) محمد حسنی (۹) میرواڑی (۱۰) نوشیروانی (۱۱) رواہی (۱۲) ساکا (۱۳) سنگور۔

نگھی کیچ اور پنجگور میں رہتے ہیں اور یہ ۱۷ ویں صدی میں مکران میں آکر بسے۔ گوجڑ جرملن اور بٹ میں رہتے ہیں۔ ہلادا جاؤ میں رہتے ہیں اومراڑی کولواہ میں اور ہوت وسط مکران میں رہتے ہیں۔ مگر ان کی تعداد اور قوم زیادہ ہے۔ کلمتی۔ کلمت اور پسنی میں رہتے ہیں۔ کودائی دست اور کولواہ میں رہتے ہیں۔ محمد حسنی مشکے میں رہتے ہیں میرواڑی مشکے، جاؤ اور کولواہ میں رہتے ہیں نوشیروانی پنجگور اور کولواہ میں رہتے ہیں مکران کا صدر مقام خاران ہے۔ رودا ہی کولواہ میں رہتے ہیں۔ ساکا متعلق ان کا بیان ہے کہ یہ سیتھیں یا ساک قوم میں سے ہیں۔ گرگیشر اور مشکے میں رہتے ہیں۔ سنگور ملن اور بٹ میں رہتے ہیں۔

۲۔ جھلاوان۔ (۱) بیزنجو یہ لس کے شمالی پہاڑوں میں اور مینگل قوم کے مغرب میں رہتے ہیں ان کی دو شاخیں ہیں سمالاڑی تمبارڑی (۲) جتک زہری پہاڑوں کے مشرق میں بستے ہیں اور خانہ بدوش ہیں (۳) قلندرانی خضدار کے پہاڑوں کے دامن میں رہتے ہیں (۴) لوٹیانی یہ زہری میں رہتے ہیں (۵) مینگل لس کے شمال میں رہتے ہیں ان کی دو شاخیں ہیں شاہی زئی دوئم پہلوان زئی (۶) ساسولی یہ خضدار کے پہاڑوں کے نزدیک رہتے ہیں (۷) زہری یہ عزت والی قوم ہے جھلاوان کی سرداری کی دستار ان کے سر بھی ہے۔

۳۔ سراوان۔ (۱) بنگلزئی یہ مستونگ میں رہتے ہیں (۲) گرگنزئی غازان کا مسکن ہے۔ (۳) کرد دستِ بیدولت انکی جائیداد ہے اور مرو میں بھی رہتے ہیں یہ کردستان سے آئے ہیں ان کی بہت سی شاخیں ہیں۔ لانگو، منگچھر

میں رہتے ہیں. کہتے ہیں یہ پہلے رند قوم کے غلام تھے اُن کو میر چاکر نے آزاد کیا تھا (۴) لہڑی مستونگ میں رہتے ہیں (۵) محمد شئی یہ بھی مستونگ میں رہتے ہیں (۶) رئیسانی مستونگ اور شال میں رہتے ہیں سرداری انکی ہے. (۷) رخشانی نوشکے میں رہتے ہیں (۸) رودینی خاران اور بدن میں رہتے ہیں (۹) سمالاڑی کہنک کے مغربی پہاڑوں میں رہتے ہیں (۱۰) شیخ حسینی (۱۱) شیروانی مستونگ میں رہتے ہیں (۱۲) سرپرہ گرگنیا میں رہتے ہیں ان کا بیان پلینی PLINY نے دیا ہے (۱۳) سوزری دشتِ گراں ان کا وطن ہے (۱۴) زگر مینگل یہ نوشکے میں رہتے ہیں (۱۵) کلوئی یہ لوپ میں رہتے ہیں (۱۶) کیچک (۱۷) پہیغ (۱۸) منداراڑی (۱۹) پھشریہ تمام کرتہ میں رہتے ہیں

۴۔ کچھی گنداوہ. (۱) بگٹی یہ رند ہیں جو شمالی پہاڑوں میں اور لہڑی میں رہتے ہیں (۲) ڈومبکی یہ بھی رند ہیں اور لہڑی ان کا صدر مقام ہے (۳) اومراڑی یہ تنبو میں رہتے ہیں اور رند ہیں (۴) جکھرانی لہڑی میں رہتے ہیں اور رند فرقے میں سے ہیں (۵) جلوئی یہ سنی میں رہتے ہیں اور رند ہیں (۶) جمالی جو رو جہان میں رہتے ہیں اور رند ہیں (۷) لاشاری یہ گاجان میں رہتے ہیں رند سے الگ شاخ ہیں (۸) مگسی ان کا وطن جھل ہے انکی چار شاخیں ہیں (۹) مری یہ بولان سے لے کر مری پہاڑوں تک پھیلے ہوئے ہیں اور رند ہیں (۱۰) اتخ زئی سوران میں رہتے ہیں ع۱

ع۱: یہ تمام حالات مسٹر اے ڈبلیو ہگس صاحب این آر جی ایس کی کتاب "بلوچستان" سے نقل کئے گئے ہیں دیکھو کتاب مذکورہ ص ۲۲، ۳۲، شیروانیوں کا بیان ہے کہ وہ بحیرہ خضر سے آئے ہیں. نوٹ: شیروان ٹرنس کاکیشیا میں ایک مشہور شہر ہے. یہاں کے قلعہ کا نام شیروان ہے. خاقانی مشہور شاعر یہیں کے رہنے والا تھا

آثار قدیمہ

بلوچستان میں آثار قدیمہ کے لیے بے شمار کھنڈرات اور ٹیلے جابجا موجود ہیں۔ مگر علم آلاثار کے ماہروں نے اس وقت تک کوئی تحقیقاتی قدم نہیں اٹھایا ورنہ یہاں اور ممالک کی طرح بے شمار یادگاریں موجود ہیں جس جگہ پر آج کوئٹہ کی چھاؤنی ہے وہاں جب چھاؤنی کی بنیاد رکھی گئی تب وہاں سے ہرکیولس کا بت دستیاب ہوا تھا جھلاوان میں نال کے نزدیک بہت سے کھنڈرات موجود ہیں۔ وہاں سے چند مٹی کے برتن دستیاب ہوئے۔ بلیلی کا ٹیلہ جو ۸۰ فٹ بلندی پر ہے اس کی میجر شیپرڈ MAJOR SHEPRED نے ۲۰ فٹ تک کھدائی کی اس میں سے چند سالم مٹی کے برتن ملے جن پر عمدہ نقاشی کا کام کیا ہوا تھا میجر شیپرڈ کو جلد انگلستان جانا پڑا اس لیے کھدائی کا کام رہ گیا۔ ۱۸۹۱ء میں کپتان لاک MR. LOCK صاحب نے قلعہ عبداللہ کے ایک ٹیلہ کی کھدائی کرائی وہاں سے جو مٹی کے برتن دستیاب ہوئے وہ یونان کی طرح کے تھے اسی سال کرنل سر آلیور صاحب COL SIR OLIVER نے کپتان سینٹ جان CAP. ST. JOHN کو اسپین غنڈی کے ٹیلے کی کھدائی کا حکم دیا گیا اس ٹیلے کے نیچے تک خشتوں کے کمرہ نکلے۔ انیٹوں کی لمبائی دس انچ سے لے کر ۱۸ انچ تھی۔ کئی پیتل اور لوہے کے برتن نکلے کئی تھالیوں پر بکرے اور انسانوں کی تصویر کندہ تھیں۔ یہ تمام یادگاریں برٹش میوزیم لنڈن کو روانہ کر دی گئیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ بلوچستان کی تاریخ اور ادبیات کا سست رفتاری پر کام زیادہ تر سول اور پولٹیکل انگریز عملداروں کے رہا۔ وہ اپنی فوجی خدمات کے ساتھ بلوچستان کو بھی نہ بھولے اور جتنا ان سے ہو سکا انہوں نے سرمایہ پیش کیا اس لیے ہم انکی خدمات کو فراموش کر نہیں سکتے مگر یہ کام آثار قدیمہ کے لیے تھا اور ضرورت تھی کہ جس طرح سر جان مارشل نے سندھ میں "موہن جودڑو" معلوم کر کے تاریخ میں اضافہ کیا اسی

طرح بلوچستان کے لیے بھی ایک ایسے ہی تجربہ کار عملدار کی ضرورت تھی اور کیا معلوم کس طرح صحرائی اور سنگ ریزہ خطہ بھی آج ہڑپہ، ٹیکسلا کی طرح فراموش شدہ مگر تازہ دہرایا ہوا افسانہ بنکر رہتا اسی بلوچستان کا مغربی حصہ جو مورخوں کی نظر میں بلوچستان سے علیحدہ تھا ایک تمدن کا مرکز تھا یہ سرزمین ہے جس کو آج سیستان کہتے ہیں۔ وہ زمانہ قدیم میں کبھی زابلستان تھا اس کی داستان کو فردوسی شاہنامہ میں دہراتا ہے۔ پھر زمانے کے انقلاب دیکھو کہ آج ویرانہ ہے مگر کسی زمانہ میں سرسبز اور شاداب تھا۔ نہ معلوم یہاں کی سرزمین میں کیا کچھ پوشیدہ ہے۔

اسپین غنڈی کے ٹیلے کے نزدیک ۶ فٹ کا اور ایک چار فٹ کا ٹیلہ ہے پہلے یہ عام طور پر "راجا دسہور کا محل" مشہور تھا نہ معلوم یہ کس بلا کا نشان ہے اور اس کی تاریخی حقیقت کیا ہے۔ تحصیل پشین میں بارشور کے نزدیک ایک پتھروں کا بند ہے جس کو عام طور پر "خزانہ بند" کہتے تھے ۱۹۰۳ء میں یہاں ایک ہندو بالا عملدار رائے صاحب لالہ جمعیت رائے کو یہاں سے ایک تصویر ہاتھ لگی جس پر ایک فیل مع پالکی اور فیل بان کے کندہ تھا رئیسا غنڈی میں ایک ٹیلہ جو ۱۲۰ فٹ لمبا اور ۹۰ فٹ عرض میں تھا اس کی کھدائی کا کام علم الآثار کے ایک ماہر ڈاکٹر سٹین صاحب نے کروایا۔ یہاں سے پتھر کے کمرے نکلے جن میں انسانوں کی ہڈیاں نکلیں مگر ان سب چیزوں سے قدیم نال اور جھلاوان کے برتن ہیں جن کے متعلق ماہروں کا بیان ہے کہ ۸ ویں صدی قبل مسیح علیہ السلام کے ہیں۔ وہ تمام فنیقیا اور قبرص کے برتنوں کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ مہب، سوراب اور غاران میں کئی ایسی قبریں ہیں جن پر کوئی خط میں جا رہی ہیں جھلاوان کے مشہور بندر کو "گبر بند" کہتے ہیں جو ایران کے آتش پرست شہنشاہ کے زمانے کے ہیں۔ مگر سرتی ہنگفورڈ ہالڈیچ صاحب کی نظر میں یہ عربوں کی تعمیر ہے

HIMYARTIC ARABS

اگر نہیں تو ایران والوں اُن سے یہ سیکھا ہوگا[1] کیونکہ یمن کے "سد مارب" کا نمونہ ہے کیا یہ ڈرویڈی زمانہ کے نہیں؟ لس بیلہ کی شمال میں گوندرانی پہاڑوں کی غاروں میں بعض بدھ کے زمانہ کے تھلنے ہیں بلوچستان کسی زمانے میں ایرانی سلطنت کا حصہ تھا ایرانیوں کی حکومت قدیم اور زبردست ہو گذری ہے مغرب میں مصر اور مقدونیا کی گھاٹیوں سے لے کر وادی سندھ تک تمام ممالک اسی شہنشاہت کے حصے تھے اُس کے بعد اسکندر مقدونی کا زمانہ آیا اور شمالی بلوچستان کا حصہ بلخ کی یونانی حکومت میں ہوگیا۔ یہ شمالی حصہ آرچوسیا کہلاتا تھا جس کو آج سراوان کہتے ہیں میسن MASSON صاحب کا ذکر ہے کہ یونانیوں کے عہد میں اس علاقہ نے خوب ترقی کی تھی کیونکہ باغات کی وجہ سے یہ نہایت ہی شاداب تھا۔ اس زمانے کے دو پرانے شہروں کے آثار قلات کے نزدیک موجود ہیں جیسے سورا SORRA اور بیک کی BEK-KUKI، تیسرا قدیم شہر لس بیلہ کے نزدیک "شہر روگھان" کہلاتا ہے۔ عام روایتوں میں اور مغربی مورخین کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں یہ شہر مشرق میں بڑا شہر تھا بدیع الزمان یہاں کی شہزادی تھی جس کی مصر کے شہزادہ سیف الملوک سے محبت تھی۔ مذکورہ افسانہ اب بھی جاری ہے۔ میں یہ بیان میسن صاحب کی رپورٹ کو نقل کر رہا ہوں۔ لس بیلہ میں دوسری یادگار ہنگلاج HINGLAZ ہے جس کو مسلمان بی بی نانی اور ہندو ستی درگا کہتے ہیں یہ ایک قدیم مندر ہے۔ تحقیقات والوں کا ذکر ہے کہ یہ مندر ایرانی نجترا BACTRO-RANIAN زمانہ کی یادگار ہے۔ اسی

---

[1] پراونشل بلوچستان گزیٹیر ایک خلاصہ باب آثار قدیمہ متعلق ہے جو زیادہ تر دیوان جمیعت رائے کی محنت ہے اُسکے علاوہ مسٹر ای ورڈن برگ E.VERDEN BURG ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ محکمہ پشماش نے بھی بیان دیا ہے

زمانہ میں یونانی نانیا NANAIA نامی ایک دیوی کی پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ ایک بڑی زیارت گاہ ہے لوگ دور دور سے یہاں آیا کرتے ہیں۔ اس قسم کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوچستان کی سرزمین زمانہ قدیم سے عشقیہ افسانوں کے لیے موزوں تھی لس بیلہ میں ایک مقام کا نام وندر ہے جہاں سسئی اور ہوت پنوں کی تربتیں ہیں کرامات آفرین افسانہ ضرب المثل ہے اور یہ وہ افسانہ ہے جس میں ایک نوجوان حسین بلوچ تاجر پنوں پر سندھ کی دوشیزہ سسئی عاشق ہوتی ہے۔ اور بلوچ کی جدائی میں پہاڑی علاقہ کے سفر میں تھک کر چور ہو کر زمین میں چھپ جاتی ہے۔ یہ افسانہ سندھ پنجاب اور بلوچستان میں اس وقت سے مشہور ہے۔ سندھ کے مشہور شاعر سید عبدالطیف بھٹائی نے اپنے شہرۂ آفاق رسالہ میں ایک خلاصہ باب دیا ہے جس میں حسن و عشق کی معرکہ آرائیاں وضاحت سے بیان کی ہیں[1]۔ شاعروں کی زبان کے علاوہ مورخین نے بھی اس افسانہ پہ خامہ فرسائی کی ہے رائے بہادر ہتورام نے ایک لمبا چوڑا باب اپنی تاریخ "بلوچی نامہ" میں دیا ہے۔ پھر لطف یہ کہ تحفۃ الکرام کے صاحب نے جو بیان دیا ہے وہ تو سب سے عجیب اور غریب ہے[2]۔ مکران سے لک جاؤ تک جو راستہ بنا ہوا ہے وہ فرہاد کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہے اور رفاہ عام کے لیے یہ ایک ایرانی عاشق کی یادگار ہے فرہاد اور شیریں کے عشق و محبت کی داستان بھی مشہور ہے چنانچہ ایران کے شعراء میں سے مثنوی "خسرو شیریں" نے نظامی گنجوی کا رتبہ سلاطین

---

[1] سسئی اور پنوں کے افسانہ کے لیے دیکھو "شاہ جو رسالو" جلد دوئم از پروفیسر ایچ ایم گر بخشانی پی ایچ ڈی ۱۹۶۳ء

[2] تحفۃ الکرام جلد سوئم مطبع کریمی بمبئی ذکر سسئی پنوں

کے دربار میں بڑھا دیا تھا[۱]۔ جھلاوان میں چند ایسی غاریں کپتان کوک CAP. COOK صاحب نے دریافت کیں جن میں معصوم بچوں کی ہڈیاں مدفون ہیں۔ ان صاحب کا بیان ہے کہ یہ غاریں اس زمانہ کی ہیں جب یہاں راجپوتوں کا راج تھا اُن کا بیان ہے کہ یہ راجپوت بعد میں براہویوں میں گھل مل گئے ہوں گے۔ لس بیلہ کا نیارو بیلہ' بالاکوٹ اور نانگے کوٹ میں زیادہ کھنڈرات موجود ہیں اور خاص کر بانکہ کوٹ راجا داہر سندھ کے حکمران نے یہاں اپنی رانی کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ اس ثبوت کے لیے یہاں ایک قوم داہر آج بھی موجود ہے بلوچستان قدیم زمانہ سے ہندوستان اور مغرب کے درمیان اُس شاہی راستہ پر واقع ہے جہاں بولان اور مولہ درہ موجود ہے۔ اس لیے جتنے بھی بیرونی ممالک کے قافلے ہندوستان کو آیا کرتے تھے وہ یہاں سے ہی گزرتے تھے۔ مثال کے طور پر لورالائی میں دھرکوٹ کے نزدیک بنی اُمیہ خلیفہ مروان ثانی کے زمانہ کے چند سکے دستیاب ہوئے۔ اسی طرح جھلاوان میں غزنوی خاندان کے سکے نکلے جن کا زمانہ ۱۰۵۹ئہ سے لے کر ۱۱۵۲ئہ تک ہے۔ اسی طرح بلوچ کے مغرب میں کوہ تفتان میں چند سکے دستیاب ہوئے جو انڈو۔ سیتھین زمانہ کے ہیں وادی ژوب میں پانچ نوکوں والے سکے دستیاب ہوئے جو برٹش میوزیم کو روانہ کئے گئے لورالائی میں اس وقت بہت ویران شدہ راستے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کسی زمانہ میں ہندوستان کے مال کے قافلے اسی راستے سے گزرتے تھے[۲] کوئٹہ کے نزدیک ایک

---

[۱]:۔ مثنوی خسرو شیریں کے لیے دیکھو شعر العجم جلد اول از شبلی نعمانی ص ۲۶۵، ۲۶۹ شیریں خسرو پرویز کی ملکہ اور فرہاد کی معشوقہ تھی۔

مشہور کاریز "گبری" ہے بلوچوں کی روایت مطابق یہ کیخسرو کی بنائی ہوئی ہے. مستونگ
سامپور، منگچر اور گنداوہ میں بدھ کے زمانے کے بہت سے ٹیلے موجود ہیں قلات میں
کالی دیوی کا مندر بھی پرانی یادگار ہے. اور یہ یادگاریں صاف بتلاتی ہیں کہ کسی زمانہ میں بلوچستان
میں ہندؤں کی حکومت اور تہذیب کا دور دورہ تھا. پرانی سیوی میں میر چاکر خان رند کے
زمانہ کے قلعہ کے آثار اب بھی موجود ہیں. مکران کے ساحل پر ایسے پرانے قلعے ہیں جن
میں سے پورتوگیزوں کے زمانے کے سکے دستیاب ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
یہ پہلی مغربی قوم تھی جس نے ہندوستان کے مغربی ساحل اور بلوچستان کی بندرگاہوں
تک لوٹ مار کی تھی.[۱] مکران کے ساحل پر پسنی اور اورماڑہ کے درمیان ایک چھوٹا سا جزیرہ
ستادیپ نامی ہے جو لوگ ہنگلاج کی زیارت کرنے کو جاتے ہیں. اس جزیرہ کی قدامت
کو ٹالمی PTOLEMY نے بھی بتایا ہے کہ وہ اس کو اُستھائی کے نام سے بتایا ہے اسکندر
مقدونی کا امیر البحر نیرکوس NEARCHUS اس کا مینا KAMINA نام دیتا ہے. غرض
جو بھی یونانی سیاح ہو گزرے انہوں نے بلوچستان کے قدیم شہروں کے نام اپنی جغرافیائی
اور سیاحت ناموں میں دیئے ہیں مثلاً ایرین ARRIAN نے لس بیلہ اور مکران کے
ساحل کے شہروں کے جو بھی نام دیئے ہیں جیسا کہ ملنہ MALNA' ارابہ ARABA، کلمہ
KALMA، اور استر یو' ڈریمبو سا DEREMBOSA، اور کوپاہ KOPHAS وغیرہ یہ تمام
شہر اس وقت موجود ہیں اور یہی ان کے نام چلتے آتے ہیں. قلات میں نچارا NICHARA

---

[۱] پرتوگیزوں کا صدر مقام بمبئی کے نزدیک تھا انہوں نے ارغونوں کے زمانہ میں ۱۵۵۵ء
میں ٹھٹہ کو لوٹ کر برباد کیا اس پرتوگیز بحری لیٹرے کا نام پیڈرو بارٹیو ڈولیم PEDRO BARETTO ROLIMA
تھا "جرنل سندھ ہسٹاریکل سوسائٹی" جلد ۳ ص ۲۸، کراچی ۱۹۳۸ء

کا شہر بھی قدیم ہندوؤں کی آبادی تھی اور اس کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ اسی طرح مستونگ کے نزدیک مئین صاحب کو چند یونانی سکے دستیاب ہوئے تھے۔ قلات اور کرتہ کے پہاڑوں کے درمیان پتھر کی دیواریں بنی ہوئی ہیں جن کو "گزربست" کہتے ہیں۔ کراچی سے سون میانی تک بعض پہاڑوں میں مئین صاحب نے چند عبارتیں پتھر پر کندہ دیکھیں وہ بدھ کے زمانے کی علامتیں ہیں

کپتان کوک نے جھلاوان کے شہر نیدران کے نزدیک پہاڑوں پر عبارتیں کندہ دیکھیں جن کے حروف چار چار اور پانچ پانچ انچوں تک تھے شاید وہ یونانیوں کے زمانہ کی عبارتیں ہیں اُن کا اصلی فوٹو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

سرباز آتش پرستوں کے بہت آتش جانے ویران نظر آرہے ہیں مثلاً مغان، افشار، سردشت، پائے روڈیس کوہ وغیرہ اِن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ایران کے حملہ کے زمانہ میں جو آتش پرست ایران سے ہندوستان ہجرت کر آئے انہوں نے پہلے اسجگہ سکونت اختیار کی تھی بھمبور کے علاقہ میں ایک بڑا غیر آباد جنگل ہے جسکو "مندر کمپاز" کہتے ہیں یہ کسی زمانہ میں رند بلوچوں کا مسکن تھا۔ ان کے گھوڑوں کے اصطبل ابھی وہاں موجود ہیں بھمبور کا قلعہ بھی آثار قدیمہ میں شمار ہوتا ہے۔

باب اوّل

سنہ ۵۰۰۰ ق.م سے لے کر سنہ ۶۱۰ء تک

بلوچ کون ہیں؟

ڈاروِن DARWIN اور میکالے کے فلسفہ کے پابند یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان پہلے بندر تھا اور پھر جوں جوں زمانہ گزر گیا اس نے ترقی کرتے موجودہ انسانیت کا جامعہ اختیار کیا. اور یہ یورپ والوں کی تحقیقات کا نتیجہ ہے بخلاف اس کے اسلامی مورخین جیسے امام المورخین علامہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ دنیا میں جتنی بھی قومیں ہیں وہ ابوالبشر ثانی نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں چنانچہ طوفان نوح کے بعد ان کے تین لڑکوں سام، حام اور یافت سے دنیا کی قومیں پیدا ہوئیں اور مختلف ممالک میں پھیل گئیں امام طبری کا بھی یہی احتمال ہے[1] مشرقین کا بیان ہے کہ بلوچ قوم کی تین مشہور شاخیں ہیں (۱) براہوئی (۲) رند (۳) ناروئی. پروفیسر رانس

حوالہ ۱. ابن خلدون جلد اول ترجمہ از مولوی حکیم احمد حسین ص ۸.

PRO. RAWLINSON صاحب جس نے بابل، ایشیا کوچک اور مصر کے آثار کے متعلق
کتابیں تصنیف کیں ہیں وہ رقم طراز ہے کہ بلوچ بابل کے بادشاہ بیلوس BELUS کی نسل سے
ہیں اور موجودہ کچھی پر یہ نام نمرود کے باپ کش KUSH کی وجہ سے پڑا۔[1] پائیجر صاحب کا
بیان ہے کہ براہوئی اس تاتاری قوم سے جو وسط ایشیا سے نکل کر سیستان کی راہ بلوچستان
میں وارد ہوئے اور یہاں انہوں نے سرداریاں قائم کیں۔[2] پھر بروس BRUCE صاحب کا
بیان ہے کہ بلوچ عرب کے قریش قبیلے سے ہیں۔ ان کے دادا کا نام امیر حمزہ تھا وہ بلوچستان
میں حلب سے آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بروس صاحب نے یہ بیان ڈومبکیوں کے
دفتر شعر سے لیا ہے۔ میٹن صاحب آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ بروہی لفظ با اور
روہی کا مرکب ہے ا۔ BA - ROH جس کے معنی ہیں بادیہ نشین۔ پھر لکھتا ہے کہ یہ بلوچستان
کی قدیم قوم ہے اور ڈرویڈی نسل میں سے ہیں۔ اسی طرح لومڑی یا نومڑی جن کے ساتھ
بلفت یا برفت شامل ہیں وہ راجپوت ہیں دہوار یا دیہ واروں کے متعلق انکا خیال
ہے کہ یہ افغانستان اور ترکستان کے تاجکوں کی طرح ہیں۔ دید لفظ صاف ظاہر ہے کہ یہ
دیہ دار لوگ جو اس وقت مستونگ کے قریب ہیں خانہ بدوش نہیں بلکہ زراعت پیشہ
ہیں۔ پھر رزلی MR. RISELY صاحب کی نظر میں بلوچ ترکی، ایرانی ہیں۔ ایم ایل ڈیمس
صاحب تو ان کو ایرانی تسلیم کرتے ہیں۔[3] ڈاکٹر گریرسن DR. GRIERSON، براہوئی زبان

ع۱: بلوچستان از ای۔ ڈبلیو۔ ہگس صاحب ص ۲۰۔

ع۲: ایضاً ص ۲۸، مسٹر ای۔ ڈبلیو ہگس صاحب لائق مصنف ہیں اور رائل ایشیاٹک جغرافیکل سوسائٹی کے ممبر ہیں بلوچستان کے علاوہ آپ نے ۱۸۷۶ء میں گزیٹیئر آف دی پروونس سندھ تیار کیا

ع۳: دی بلوچ ریس از ایم ڈیمس ۱۹۰۳ء۔

کو ڈروڈی تسلیم کرتے ہیں، اب مذکورہ بیان سے معلوم ہوگا کہ جتنے بھی مغربی علمائ ایرانی
کے بیان بلوچوں کے متعلق علیحدہ علیحدہ ہیں کوئی ان کو تاتاری کوئی ترک اور کوئی ان کو ایرانی
اور کوئی ان کو بت پرست ڈروڈی قوم لکھتا ہے پھر لطف یہ کہ انگریز علمائ کے علاوہ مغربی
علمائ بھی ایک فیصلے پر نہیں پہنچے۔ خانیکاف KHANIKOFF جو روسی معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکھتا
ہے بلوچ نیز براہوئی ترکمان نسل سے ہیں۔ وادی ڈدن سے لے کر بحر اٹک بحیرہ خضر
شمالی کرغستان سے لے کر جیحوں تک جس طرح رالنسن صاحب نے آثار عتیقہ پر روشنی
ڈالی ہے اسی طرح ماسپیرو MASPERO صاحب نے مصری آثار کا کافی انکشاف کیا
اسی طرح آلبرٹ مالیٹ ALBERT MALET نے جو کتاب "دی اینشنٹ ورلڈ"
THE ANEIECIT WORLD بنائی ہے یہ کتاب اصل فرینچ زبان میں تھی پہلے کیمبرج
کے لیکچرار فلس وودہام تھ نے اس کا ترجمہ کیا اور لنڈن میں ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی
اس میں خانیکاف کا بیان زیادہ وضاحت سے معلوم ہوسکتا ہے چنانچہ البرٹ مالیٹ
بیان کرتا ہے کہ ایرانی اور مدرمیڈ، یہ ایک قوم ہے جس کا وطن صغدیانا تھا میڈ کے
متعلق اتنا کہنا کافی ہوگا کہ ان کا وطن بحیرہ خضر کے جنوب اور مغرب میں تھا بخلاف اس
کے خانیکاف کرغستان سے لے کر صغدونیا بتاتا ہے۔ بلوچی اور براہوئی زبان میں دُن
کے معنی اناج ہیں ڈن DON روس کے ایک دریا کا نام ہے جو روشاف ROSTOV کے
قریب بحیرہ ازاف میں گرتا ہے براہوئی زبان میں برز معنی اونچا یا بلند قفقاز پہاڑ جو
بحیرہ خضر کے ازاف تک ہے اس کی بلند چوٹی کا نام ایلبرز ELBURZ ہے یا ایلبرس
ELBRS تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوچ سامیقی SEMITIC آریائی قوم ہے
جو وادی ڈدن اور وولگا سے لے کر اندلس تک پھیل گئے محققین میں سے برٹن BURTON
اور لاسن LASSEN کا بیان ہے کہ بلوچوں میں بڑی تعداد ایرانیوں کی ہے۔ اور ڈاکٹر

بیلو DR. BELLEW کے بیان کے مطابق وہ سب کے سب راجپوت ہیں. شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا۔ ان کے علاوہ سندھ کا پروفیسر ڈاکٹر گربخشانی ایم. اے صاحب اپنی مشہور کتاب "شاہ جی رسالہ" میں براہوئی لفظ کے معنی غیر یا طاقتور دکھاتا ہے اُس کے بیان کے مطابق وہ ایرانی گروہ ہیں. اس کے ثبوت کے لیے وہ دکھاتا ہے کہ بلوچ اور لاسی قومیں اس لیے براہویوں کو "کردگالی" کہتے ہیں¹. اتنا تو سب کو معلوم ہے کہ اُن میں ایک جماعت کرد KURD کہلاتی ہے. اور سرپرہ بابلی ہیں اور شیروانی کہتے ہیں کہ وہ بحیرہ خضر کے شہر شیروان سے آئے ہیں. یہی بیان ہیں کہ قدیم یا جدید مورخین اس وقت تک فیصلہ نہیں کر سکے کہ یہ قوم بلوچ کون ہے. اور کہاں سے آئی حالانکہ خود بلوچوں کا کہنا ہے کہ وہ عرب کے ملک شام کے شہر حلب سے آئے ہیں.

مشرقی مورخین کی رائیں

مغربی مورخین کی طرح مشرقی مورخین کی بھی جداجدا راہیں ہیں. مگر ان سب کے بیانات محض پرانے قصوں اور روایتوں پر منحصر ہیں. اس گروہ میں ہم کو آخوند محمد صدیق صاحب' رائے بہادر ہتیو رام' سردار غلام رسول خان قرآئی. بی اے. ایل ایل بی اور مولوی دین محمد صاحب ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور نظر آتے ہیں. اُن میں سے مولوی دین محمد صاحب آخری مورخ ہیں اور جب انہوں نے کتاب "دربار تاجپوشی قلات" بحکم پولٹیکل ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل لکھنی شروع کی تو یہ ۱۹۳۳ء کا زمانہ تھا. اور تمام سرکاری عملداران کے لئے سرمایہ تاریخ جمع کرنے لگے. ان تمام آسانیوں کے ہوتے ہوئے بھی بلوچستان کی تاریخ کے متعلق مولوی صاحب کو مجبوراً یہ الفاظ اپنی کتاب میں درج کرنے

۱:۔ شاہ جو رسالو از پروفیسر گربخشانی جلد ۳ ص ۴۶۴

پڑے. اس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ بلوچی تاریخ کا پہلو کتنا تاریک ہے.

"چونکہ قدیمی تاریخ بلوچستان پہلوے تاریکی میں ہے۔ اس لیے کسی مصنف و مؤرخ کی خامہ فرسائی قابل وثوق نہیں سمجھی جاسکتی" [1]

خیال ہے جیسے یہ بیسویں صدی کا زمانہ ہے جب چہار طرف ترقی کا دور ہے اور ریاست کے اہل کار مولوی صاحب کے رفیق ہیں مگر قدیم حالات کے متعلق مولوی صاحب کو مجبوراً شکایت کرنی پڑتی ہے۔ پھر ان قسم کے حالات ہوتے کس طرح خواجہ محمد صدیق اور رائے بہادر ہتیو رام کہہ سکتے ہیں کہ ان کے حالات صحیح ہیں؟ اب رائے بہادر ہتیو رام کا بیان سنیئے کہ جو اس نے جلد دوم اپنی کتاب میں براہوئی قوم کے متعلق دیا ہے

"چونکہ اقوام براہوئی کی زبان چال چلن اور طریق زندگی میں بلوچوں کے مقابلے میں بڑا تفاوت ہے. اس لئے اغلب یہی ہے کہ یہ دونوں خاندان قدیم سے علیحدہ تھے. ہاں لفظ بلوچ دونوں خاندانوں پر یکساں حاوی ہو سکتا ہے. کیونکہ بموجب لغت حلبی لفظ بلوچ کسی خاص ذات یا خاندان یا قوم سے منسوب نہیں بلکہ بلحاظ پیشہ اور چال چلن کے یہ نام دیا گیا ہے. یعنی جو لوگ صحرانشین اور اہل مویشی ہمیشہ خانہ بدوش رہتے ہوں۔ ان کو بلوچ کہا جاتا ہے. پس یہ صفت اقوام بلوچ اور بروہی میں یکساں پائی جاتی ہے اور بلوچستان میں زیادہ تر تو یہ دو فرقے مشہور ہیں (۱) بروہی (۲) بلوچ (رند ولاشار) مگر بجانب سیستان میں چند اور فرقے بھی آباد ہیں چنانچہ (۱) ناروئی (۲) کرد یہ بھی بلوچ کہلاتے ہیں. بلکہ ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی بہت

نمبر ۱: کتاب دربار تاجپوشی قلات از مولوی دین محمد صاحب ص ۱۱۴ ۱۹۳۳ء

قومیں ایسی ہوں جن پر لفظ بلوچ حاوی ہو سکے. کیونکہ شاہنامہ میں جو ذکر بلوچوں کی بابت درج ہے. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعہد نوشیروان بھی کثیر تعداد اور ایک طاقتور قوم کی وجہ تسمیہ لفظ بردہی اغلباً ابراہیم کی اولاد ہونے سے منسوب ہو سکتا ہے یا سکونت علاقہ بردہ ضلع حلب سے وہ براہی مشہور ہوئے. معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم بھی اُس وقت حلب سے نکلی جس وقت بزمانہ شہادت امامیں دوسری اقوام بلوچی وہاں سے نکلی تھیں"۔ ؎۱

سردار غلام رسول خان قرآئی فرماتے ہیں ۔

" ۱۵۱۱ء میں بروہیوں نے جن کو ڈرویڈی (ہندو بت پرست) نسل سے بتایا جاتا ہے اور بعض ان کو ایرانی نسل سے بھی بتلاتے ہیں. ترکوں کے بعد حملہ کر دیا اور بلوچوں کو جو کمزور ہو چکے تھے قلات کے زرخیز علاقے سے دھکیل دیا" ؎۲

غرض یہ معزز بلوچ ڈگری یافتہ شخص ہے مگر مغربی مورخین کے بیان کے مطابق بلوچ اور براہیوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھا ہے. اور پھر رائے بہادر ہیتو رام صاحب نے معلوم کون سی حلبی لغت کا مطالعہ کیا تھا کہ ان کی نظر میں لے دے کے لفظ بلوچ ان قوموں پر حاوی ہو سکتا ہے جن کا پیشہ خانہ بدوش ہو پھر چاہے وہ چینی ہوں یا تاتاری یا ترک !! پھر لطف یہ ہے کہ ضلع حلب کے مقام بردہ پر اس صاحب نے جغرافیکل نقطہ نظر سے کوئی روشنی نہیں ڈالی. پھر یہ ان کا بیان ہے کہ بلوچ قوم

؎۱: تاریخ بلوچستان باب دوئم از رائے بہادر ہیتو رام ص ۵، ۱۷، ۶ ۷۶۔

؎۲: تاریخ بلوچیاں از غلام رسول خان قرآئی بی. اے ایل ایل بی ص ۲، ۷ جو بروہی قوم کی قدامت کو عیسوی ۱۲ صدی کی شروعات بتاتے ہیں.

نوشیروان کے زمانے میں طاقتور تھی مگر اُس نے امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ہجرت کی یہ احوال اُس قوم بلوچ کے تاریخ سے متعلق ہیں جس کتاب کو کامل ساٹھ برس سے کر بلوچ قوم اپنے سینوں سے لگاتی ہے۔ اسی طرح ایک تعلیم یافتہ نوجوان بلوچ بلوچوں کی فوقیت کو ظاہر کرتے براہوئی جیسی ممتاز مسلمان قوم کو ہندو بت پرست دکھلاتا ہے۔ حقیقت اس طرح ہے کہ یہ دونوں حضرات مورخ نہ تھے۔ ہیتورام صاحب کا دارو مدار ڈومبکیوں کے دفتر اشعار پر ہے۔ گویا ڈومبکیوں کی نظر میں رند و لاشار کے علاوہ باقی تمام خدا کی مخلوق انسان ہی نہیں ہیں۔ اب ذرا ایک انگریز بالا عملدار کا بیان سنیں۔

"بلوچ قوم میں ہم قلات سے لے کر سمندر کے کنارہ تک ایک ڈراویڈی قوم دیکھتے ہیں جو بلوچوں سے قدیم ہے جن کے آثار تاریخ کے زمانے سے پہلے کے ہیں۔ وہ عراق کے میدانوں سے نکل کر وسط اور دکن ہندوستان تک پھیل گئے۔ ان کے ساتھ بعد کے زمانہ میں مغل قوم بھی شامل ہو گئی جسکے ثبوت کے لیے بلوچوں میں مینگل قوم آج بھی موجود ہے ..... بلوچی اقوام میں بلیدی سب قوموں سے قدیم ہے جن کے نام سے بلوچستان پہ بلوچستان نام پڑا۔ یہ اگر درست ہے۔ تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بلوچ ہیرو ڈوٹس سے بھی پہلے بلوچستان میں آباد تھے"۔ [1]

پہلے تو تمام مورخین کا بیان تھا کہ براہوئی قدیم ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ بلوچ بھی ہیرو ڈوٹس کے زمانہ سے پہلے بلوچستان میں موجود تھے اور یہ تمام بیانات اُن کی قدامت کے لیے کافی سراغ دیتے ہیں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کرتے وقت مجھے یاد ہے کہ

نمبر ۱۔ انڈین بارڈر لینڈ از کرنل سر۔ ٹی ہنگفورڈ ہالڈچ باب ۸۔ ص ۱۸۳، ۱۸۴

ہز ہائینس سر میر خداداد خان نے مسٹر ہگس بٹلر HUGHES BUTLER کو صاف الفاظ میں بتا دیا تھا کہ قمبرانی، میروانی، گرگناڑی اور قلندرانی فرقے پہلے براہوئی قبائل ہیں جو حلب سے آئے تھے۔[1] اس کے ساتھ یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ امامینؓ کی شہادت کے بعد عرب سے بلوچستان کو ہجرت کر آئے اور پھر رائے بہادر ہتو رام صاحب کا بھی یہی اقوال ہے۔ وہ صاحب بلوچوں کی قدامت کو نوشیروان کے زمانے میں دکھا کر لکھتا ہے کہ انہوں نے امامینؓ کی شہادت کے زمانے میں عرب سے ہجرت کی۔ حالانکہ امامینؓ کی شہادت کا زمانہ یزید بن معاویہؓ کے زمانہ تھا جو بالکل نزدیک کا زمانہ ہے۔[2]

یونان کا سب سے پہلا مورخ ہے اور "ابوالتاریخ" کہلاتا ہے۔ ۴۸۴ء ق م پیدا ہوا۔ اس نے ایک بہت بڑا سلسلہ تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور اسی غرض سے ایشیا کوچک اس کے ساحلی جزائر اور مصر کا اپنے زمانہ شباب میں سفر کیا۔ پھر فلسطین، فونیشیا، بابل اور سوسہ کا سفر کیا۔ ہیلس پانٹ سے ہوتا ہوا بحیرہ سود کو عبور کر کے اس کے ساحلی شہروں کو بھی دیکھا۔ آخر ۴۲۸ء ق م میں وفات پائی۔

مگر ہیروڈوٹس کا زمانہ بہت پرانا زمانہ ہے۔ یہ ایک مشہور یونانی مورخ اور سیاح ہو گزرا ہے جو ۴۸۴ء قبل مسیح علیہ السلام پیدا ہوا۔ اس نے یونان اور ایران کی جنگوں کی تصنیف کی۔[3] سندھ کے ایک بلوچ مولوی نور محمد صاحب نظامانی نے تاریخ سندھ

---

(۱)۔ فرنٹیئر اینڈ اوورسیز ایکسپیڈیشن فرام انڈیا جلد ۳ ص ۴۲ باب براہوئی اس کے علاوہ ڈڈ سبکیوں کا دفتر شعر بھی صاف بتلاتا ہے کہ مذکورہ براہوئی قبائل قدیم براہوئی ہیں۔

(۲)۔ یزید بن معاویہ ۶۵ھ مطابق ۶۸۰ء میں دمشق کے تخت پر بیٹھا

(۳)۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۱ حالات ہیروڈوٹس۔

قدیم کے دو جلد تیار کئے ہیں وہ صاحب جلد اول میں بلوچ کے لیے بلوص لفظ استعمال کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ نام میں نے مراصد الاطلاع سے لیا ہے. وہ لکھتا ہے کہ بلوچ قوم کا پیشہ لوٹ مار تھا.[1] جہاں تک میرا خیال ہے یہ لفظ بلوص فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی واقع ڈاکو ہے. اور ساتھ ہی یہ امر صحیح ہے کہ بلوچوں کے بڑی مدت سے ایرانیوں کے ساتھ تعلقات تھے اور وہ ہر وقت ایرانیوں سے لڑتے تھے. خاص کر اسلام کے ساتھ دیگر وہ ایرانیوں سے آخری زمانے تک لڑتے رہے. ان وجوہات کی بنا پر اگر نازک مزاج ایرانیوں نے اس شجاع قوم پر ڈاکو نام رکھا تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ یہ ایرانیوں میں دستور تھا کہ وہ ہندوستان کے آریہ قوم کی طرح اپنے دشمنوں کو ذلیل نام سے بلاتے تھے. مثال کے طور پر جب حضرت سعد بن وقاص ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد کو خط لکھا تھا کہ یا جزیہ دو یا جنگ کرو تو اس واقعہ کو فردوسی جس پیرایہ میں بیان کرتا ہے اس سے ایرانیوں کی نازک مزاجی اور غیر قوموں سے نفرت کرنے کا ثبوت آسانی سے مل سکتا ہے. وہ فرماتا ہے. ؎

زشیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بجائے رسید ست کار

کہ تخت کیان را کنند آرزو — تفو بر تو اے چرخ گردان تفو[2]

اگر عربوں جیسی فاتح قوم کے لیے ایک نامور ایرانی شاعر مذکورہ قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو بلوچوں کو "بلوص" کہنے پر ہم ایرانیوں کو کوئی الزام دے نہیں سکتے.
پھر تحفۃ الکرام جو سندھ کی ایک قدیم تاریخ ہے. وہاں بلوچوں کی نسل اس طرح

نمبر ۱: تاریخ سندھ از مولوی محمد نظامانی جلد اول ص ۷.

نمبر ۲: شعر العجم جلد ۲ از شبلی نعمانی ص ۲۲۲

بیان کی ہوئی ہے۔

محمد بن ہارون بن محمد بن ابان بن عبدالرحیم بن حمزہؓ بن عبدالمطلب صاحب تحفۃ الکرام آگے چل کر لکھتے ہیں کہ محمد بن ہارون کی سات عورتیں تھیں جن میں سے اس کے پچاس بیٹے تھے اور ان کے نام یہ ہیں (۱) امرید (۲) جمال (۳) رادہ (۴) بھلول (۵) شہاب (۶) نظام (۷) جلال (۸) مرید۔ حمیری عورت سے ۶ بیٹے اس طرح ہیں (۱) رودین (۲) موسیٰ (۳) تونی (۴) نوح (۵) مندہ (۶) رضی الدین، مسمات مریم سے فقط ایک بیٹا تھا (۱) جلال اور مسمات عائشہ کے بطن سے سات بیٹے تھے (۱) آدم (۲) کمال (۳) احمد (۴) حماد (۵) حامد (۶) سعید (۷) مسعود، مسمات مدی کے بطن سے ۹ لڑکے تھے (۱) شیر (۲) کوہ (۳) بلند (۴) کڑک (۵) نورالدین (۶) حسن (۷) حسین (۸) سلیمان (۹) ابراہیم، مسمات فاطمہ کے بطن سے ۱۲ بیٹے تھے (۱) عالم (۲) علی (۳) تیرکش (۴) بہادر (۵) تیغ زن (۶) مبارک (۷) ترک (۸) طلحہ (۹) عربی (۱۰) شیراز (۱۱) تاج الدین (۱۲) تخت. آگے چل کر لکھتا ہے کہ میر جلال کی اولاد سندھ اور کچھی میں مختلف قبیلوں کی صورت میں پھیل گئی۔[1]

حقیقت میں یہ بیان بھی درست نہیں کیونکہ محمد بن ہارون غازی محمد بن قاسمؒ کے حملے کے وقت حجاج بن یوسف ثقفی کی طرف سے مکران کا حاکم تھا اور سندھ کی مہم میں وہ غازی اعظم کے ساتھ شریک ہوا تھا۔ محمد بن قاسمؒ نے ۹۶ھ ۷۱۱ء میں شیراز سے سندھ پر حملہ کیا تھا۔ اس بیان کے مطابق صاحب تحفۃ الکرام بلوچوں کی قدامت کو عیسوی آٹھویں صدی کے شروع سے دکھاتا ہے۔ فرشتہ کا بیان اچھی طرح سے تحفۃ الکرام کی قلعی کھولتا ہے اور وہ اپنی جلد دوئم میں لکھتا ہے۔

نمبر ۱۔ تحفۃ الکرام جلد سوئم "شجرہ حبت د بلوچ" ص ۲۸ کریمی بمبئی۔

"جب حجاج بن یوسف ثقفی، ولید بن عبدالملک کی طرف سے عراقین اور توران کا حاکم ہوا اُس نے ہندوستان کی فتوحات کے لیے سب سے پہلے ۸۶ھ کی شروعات میں ایک جرار فوج دیکر محمد بن ہارون کو ولایت مکران کی طرف روانہ کیا۔ اس نے مکران کو سر کیا یہاں کے سارے باشندے جو بلوچ تھے اسلام میں داخل ہوگئے" ۱؎ مذکورہ بیان سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جب محمد بن ہارون مکران کو فتح کرنے آیا تھا اُس وقت بلوچ وہاں پہلے سے موجود تھے۔ پھر کس طرح تحفۃ الکرام پر اعتبار ہوسکتا ہے کہ بلوچ محمد بن ہارون کی اولاد ہیں؟ بلوچوں کے نسب کے متعلق غلام رسول خان قرآئی یہ بیان کرتے ہیں۔

"بلوچ عربستان میں موجود تھے اور وہ حضرت امیر حمزہؓ کی اولاد ہیں جو حضرت رسالت مآب صلعم کے چچا تھے۔ امیر حمزہؓ نے پریوں کی قوم سے ایک پری سے شادی کی جس کے بطن سے ایک لڑکا بدیع الزمان تولد ہوا اس بدیع الزمان کا برلچہ نامی ایک بیٹا تھا جسے موجودہ ڈومبکی بلوچ اپنا نسب شمار کرتے ہیں۔ برلچہ کا ایک لڑکا مظہر تھا مظہر کے دو لڑکے تھے جن کے نام حبیب و مختار تھے۔ ان میں سے حبیب بن مظہر امام حسینؓ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوا"۔ ۲؎

غلام رسول خان پہلے براہوئیوں کو ہندو بت پرست کہتا ہے پھر بلوچوں کی فوقیت دکھانے کے لیے ان کو حمزہؓ عم رسول اللہ صلعم کی اولاد لکھتا ہے۔ باقی رہا پری کا سوال

نمبر ۱:۔ فرشتہ جلد دوئم "ذکر حکام سندھ و ٹھٹھہ" ص ۷۹۶ نولکشور ۔

نمبر ۲:۔ تاریخ بلوچیاں از سردار غلام رسول خان قرآئی بی اے، ایل ایل بی ص ۲۱، حضرت ہیتو رام صاحب کے شاگرد ہیں۔

سو یہ بھی تحفۃ الکرام میں درج ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو پریاں بھی عنایت کرتا ہے جس طرح اُس نے امیر حمزہ رضؓ کو پری مرحمت کی باقی پری کا بیان اور کہیں بھی نظر نہیں آتا[1] اسی طرح رائے بہادر ہتورام براہویوں کو بلوچوں سے علیحدہ ثابت کر دکھانے کے بعد بلوچوں کے نسب کے شجرہ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں۔

"رند لوگ اپنے جد اعلیٰ علش رومی کو امیر حمزہ رضؓ از خاندان قریش جس خاندان میں حضرت محمد صلعم صاحب پیدا ہوئے تھے۔ بیان کرتے ہیں اور وجہ تسمیہ لفظ بلوچ کی مردم سکنائے بلوچستان یہ کہتے ہیں کہ بعد غدر امامین رضؓ جس وقت میر احمد مدینہ سے کوچ کر کے کوہستان و دامان حلب میں آیا اور سکونت خود بمقام بردہ اختیار کی اس لئے بہروچ اُن کی قوم مشہور ہوگئی پھر رفتہ رفتہ بہروچ سے بلوچ مشہور رہا۔"[2]

اگر رائے بہادر کا بیان درست ہے کہ بلوچ امیر حمزہ رضؓ کی اولاد میں سے ہیں جیسا کہ اس کو رند کے سردار کے شجرہ سے پتہ لگا مگر سوال یہ ہے کہ بلوچوں کا ذکر جمشید، شاپور ثانی اور نوشیروان کے زمانہ میں بھی دکھلایا ہوا ہے کہ وہ عیلام اور گیلان میں موجود تھے تو پھر رند کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ حمزہ رضؓ کے اولاد میں ہیں؟ غرض رائے بہادر ڈومبکیوں کا شعر کتاب میں درج کر کے معاملہ کو سلجھانے کے بغیر یہیں ختم کرتا ہے اس صاحب نے امیر حمزہ رضؓ کی حالات پہ روشنی ڈالی ہے اور نہ بردہ مقام حلب پہ کچھ روشنی ڈالی ہے۔ فرض تو یہ تھا کہ ایک مورخ کی حیثیت میں وہ ان تمام مشکل

نمبر ۱۔ امیر حمزہ اور پری کی شادی کے لیے دیکھو تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۲۸، مطبع کریمی بمبئی
نمبر ۲۔ تاریخ بلوچستان از رائے بہادر ہتورام شجرہ نسب ص ۶، نولکشور لاہور ۱۹۰۷ء

بیانات کو حل کر دکھاتا۔ مگر اُن کے بیانات سے خود بخود معلوم ہوتا ہے کہ وہ فن جغرافیہ اور تاریخ دونوں سے بیخبر تھے۔ غرض بلوچی تاریخ میں جو لغو بیانات ہیں ان کو مٹانے کے لیے اِس وقت نہ بلوچی حکام اور نہ عوام نے کسی خدا کے بندے نے قلم اٹھایا ہے اور یہی سبب ہے کہ بلوچی تاریخ محض جھوٹی روایتوں اور افسانوں کا انبار ہے بس اندر سبھا امانت کا بوسیدہ نسخہ ہے

ڈومبکیوں کا دفتر شعر

نوٹ:۔ بلوچستان میں علم الانساب کا ذخیرہ ڈومبکیوں کے پاس ہے وہ فقط بلوچوں کی کی پچھلی ہجرت سے متعلق ہے۔ یعنی بلوچوں کے متعلق اسلام کے بعد جدید زمانہ کی روایتیں ہیں۔ اُن کے اشعار سے بھی جدید دور معلوم ہوتا ہے۔

بلوچوں کا نسب ڈومبکیوں کے دفتر شعر میں جو بیان دکھایا ہوا ہے۔ وہ سراسر غلط ہے۔ مگر بلوچی مواد دستیاب نہ ہونے کی صورت میں تمام مورخین نے آنکھیں بند کر کے اس پر اعتبار کیا ہے۔ اسی شعر کے اصلی اشعار بمہ ترجمے کے ہم یہاں درج کرتے ہیں.

شکر الحمد گنذران بادشاہ ملک تھیں
یگ وتھ کھوشتی مرملکاں جھان خاک گل اِیں

اللہ تعالیٰ کا شکر جو آپ ملک کا بادشاہ ہے
وہ واحد اور قائم رہیگا اور جہان مٹی میں فنا ہوگا

مامریدین یا علی اے دین ایمان پشتیں
حمزہ اولاد بلوچی صوب درگاہ گردین

ہم بلوچ حضرت علی کے مرید ہیں ہمارا دین ایمان تا بجا ہے
بلوچ امیر حمزہ کی اولاد ہیں انکو درگاہ الٰہی سے فتح نصیب ہے

از حلب پہاز کھایوں گوں یزیدءَ اجھیڑدین
کل بلا بھنپور نیا ماشہر سیستان منزلین ءِ

جب یزید نے امامین سے جنگ کی ہم نے حلب سے کوچ کیا
چلے کربلا بعد بھمپور سیستان کے شہر میں منزل کی

مد ۱ ۔ یہ شعر بلوچی تاریخ میں بطور سند کے دیا گیا ہے اس کے علاوہ مسٹر ایل ایم ڈیمس صاحب نے پاپولر بلوچی

باقی اگلے صفحہ پر

لکھنؤ کے بٹھاروں کی سی باتوں پر ہم یاور کرنے سے بالکل عاجز ہیں اول سب سے زبردست اعتراض تو یہ ہے کہ امیر حمزہؓ عم رسول اللہ صلعم کو اولاد نہ تھی. اگر یہ درست ہے تو ڈوبکیوں کا تمام دعویٰ باطل ثبوت ہوتا ہے اس لئے حمزہؓ کی حالات ازواج واولاد پر یہاں روشنی ڈالنی ضروری امر ہے تاکہ اس قسم کے لغو بیانات ہمیشہ کے لیے مٹ جائیں. ہیتورام صاحب کی تاریخ کی یہاں ایک زبردست کڑی ہمیشہ کے لیے توڑ دی جاتی ہے یہ علم تاریخ کا نیا رنگ دیکھئے.

کیا امیر حمزہؓ کی اولاد تھی؟

اس سوال سے تمام ہنگامہ سرد معلوم ہوتا ہے. حضرت امیر حمزہؓ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی. وہ جوزی ۶۲۵ء میں جنگ احد میں شہید ہوئے تھے. اور عبد المطلب کے ۵ بیٹوں میں سے یہ تیسرا بیٹا تھا[1]. امیر حمزہؓ نے جن جن خواتین سے شادی کی تھی فن سیرت کے ماہرین نے ان کے نام دیئے ہیں. اُن تین خواتین کے نام اس طرح ہیں (۱) بنت الملہ (۲) خولہ بنت قیس (۳) سلمی بنت عمیس. ان سب خواتین کو اولاد ہوئی ان کے لڑکوں کے نام اس طرح ہیں (۱) ابو یعلی (۲) عامر (۳) عمارہ وہ بے اولاد فوت ہو گئے البتہ ابو یعلی کو اولاد ہوئی مگر وہ سب کے سب ایام طفلگی میں وفات کر گئے سلمہ بنت عمیس کے بطن سے ایک لڑکی امامہ نامی زندہ تھی جس کی پرورش و تربیت کا کام آنحضرت صلعم

بقیہ: چونٹیری میں درج کیا ہے. بلرچ ڈوبکیوں کے اس شعر کو فخریہ اپنے علم الانساب کی زبردست کڑی تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ بیان غلط ہے۔

[1]: امیر حمزہؓ کے بیان کے لیے دیکھو سیرۃ ابن ہشام، طبقات ابن سعد اور اسد الغابہ اور دیگر معتبر کتابیں۔

نے حضرت جعفرؓ کی بیوی کے سپرد کیا تھا جو لڑکی کی حقیقی چچی بھی تھیں۔ امیر حمزہ کے رشتہ داروں میں سے جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے نکاح کرنے کے لیے بارگاہ نبوتؐ میں درخواست پیش کی تھی مگر حضور پاکؐ نے منظور نہ فرما کر فرمایا کہ حمزہؓ میرا رضاعی بھائی تھا اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ امیر حمزہؓ کی نسل شروع سے منقطع ہو گئی تھی ؏۱

اسی طرح سردار غلام رسول خان قرآئی فرماتے ہیں کہ کربلا کے واقعہ کے بعد بلوچوں کے دادا امیر احمد مدنیہ منورہ سے حلب کو ہجرت کر گئے اور امیر حمزہ کے بیٹے پدیع الزمان کے لڑکے برلچہ سے جس نے ڈومبکی بلوچ اپنا نسب شمار کرتے ہیں اس کے فرزند مظہر کا لڑکا حبیب بن مظہر کربلا کے معرکہ میں امام حسینؓ کے ساتھ شہید ہو گئے کربلا کا واقعہ ۶۸۰ء میں ہو گزرا۔ اسلامی دور میں بلوچوں کا سراغ ان کے دعویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اولاد امیر حمزہؓ ہیں اور اس کے بعد حبیب بن مظہر جو کربلا کے معرکے میں شہید ہوا جیسا کہ علامہ طبری کا بیان ہے۔ اسی طرح براہوئی اپنے کو ابراہیم کی اولاد سے کہتے ہیں۔ ان ناموں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بلوچ قوم قریش کی اولاد سے ہیں اور ان کی رگوں میں اسماعیلی اور ابراہیمی خون موجود ہے۔ اس حساب سے امیر حمزہ اور کربلا کے واقعہ تک فقط ۵۵ برس کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ ایک فرد کی اولاد کو قبیلہ کی صورت اختیار کرنے کے لیے کم از کم ۲۵ برس درکار ہیں پھر کس طرح غلام رسول خان کہہ سکتے ہیں کہ حبیب بن مظہر کربلا میں شہید ہوا؟ اس کے علاوہ کربلا کے معرکے میں بھی رفیق امامؑ کے ساتھ شہید ہوئے ہیں ان کی تعداد فقط ۷۲ تھی اور بعض شیعہ مورخوں نے ان کی تعداد ایک سو تک دکھائی ہے تاہم ان رفیقوں میں مظہر بن

؏۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۸۷۔ ڈومبکی حضرات کیا فرماتے ہیں

حبیب کا نام کہیں بھی نظر نہیں آتا ہے ! حقیقت اس طرح ہے اس قسم کی باتوں کو درست یا غلط ثابت کرنے کے لیے اس وقت تک کسی نے قلم نہیں اُٹھایا اور بڑی غفلت ہے۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

جس طرح ڈومبکی اولاد امیر حمزہؓ کا دعویٰ کرنے میں سراسر غلط ہیں اسی طرح اُنکی نظروں میں بلوچوں کی رند RIND قوم کو پری کی اولاد سمجھ کر اپنے آپ کو فرشتے تصور کرتا اور اُن کی نظروں میں باقی تمام بلوچ قومیں ان کے غلام اور نیچ ہیں حالانکہ مغربی مورخین نے تحقیقات کرنے کے بعد ظاہر کیا کہ لفظ رند کے معنی ہے بہادر[1] دوسری صورت میں رند اُن کو کہتے ہیں جو میر جلال خان کی اولاد میں سے ہو۔ اسی طرح بلوچوں کے دو دادا نظر آتے ہیں ایک میر احمد جو مدینہ منورہ سے حلب کو ہجرت کر گئے تھے دوسرا دادا اعلمش رومی نظر آتا ہے جس کے لفظ رومی سے یہی مراد ہے کہ وہ غالباً ایشیا کوچک کا رہنے والا ہوگا جس سرزمین کو عام طور پر روم کہتے ہیں۔ اگر یہی درست مانا جائے تو پھر بلوچ حلبی کس طرح ہو سکتے ہیں؟

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اسی طرح براہویوں کے دادا کا نام ابراہیم یا براہیم تھا جیسے کہ مولوی دین محمد صاحب فرماتے ہیں۔

---

[1] بلوچستان از ای۔ ڈبلیو۔ ہکس ص ۳۰، اس وقت جن جن مورخین نے بلوچستان پر قلم اٹھایا ہے ان میں سے ہکس صاحب کا احسان فراموش کر نہیں سکتے۔ ان کی کتاب تاریخی صورت میں ہے۔

"بروہی اپنے کو غالباً میر ابراہیم کی اولاد سے منسوب کرتے ہیں یا بروہ کی وجہ بھی یہی ہو سکتی ہے"۔ ؎۱

غرض جو بھی بیان دیکھا جائے اقرار و انکار دونوں باتیں نظر آتی ہیں مولوی صاحب جب قوم براہوئی کے شجرہ کو لکھنے لگتے ہیں تو اُن کا نسب میر قمبر سے شروع کرتے ہیں یعنی جس طرح ڈومبکی شعرا اور رائے بہادر ہتو رام بلوچوں کو امیر حمزہؓ کی اولاد ثابت کر دکھانے میں عاجز ہیں اسی طرح مولوی صاحب جن کے امام بھی ہتو رام ہیں وہ براہوئیوں کا شجرہ میر ابراہیم سے پیش کر دکھانے سے عاجز ہیں۔

کیا براہوئی ڈرویڈی ہیں؟

حقیقت میں براہوئی اور بلوچ ایک قوم ہے۔ اور دونوں کے لیے لفظ بلوچ استعمال ہو سکتا ہے مگر مغربی مورخین نے اپنی عادت کے مطابق ایک عظیم الشان قوم میں فرقہ بندی پیدا کرنے کے لیے ان کو علیٰحدہ علیٰحدہ دکھانے کی کوشش کی ہے تا کہ ایسی بنیادی فرقہ بندی ہونے کی وجہ سے ان میں اتحاد پیدا ہو نہ سکے۔ ڈاکٹر گریرسن صاحب نے جو ثبوت دکھایا ہے کہ پشتو اور بلوچی زبانیں انڈو۔ آرین زبان میں سے ہیں اور براہوئی ڈرویڈی زبان ہے اسی طرح یورپین محققین نے ان زبانوں کے گرامر تیار کر کے اپنے خیالات کو درست ثابت کرنے میں اور بھی کامیاب ہو گئے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اگر براہوئیوں کی زبان میں درویڈی امیزش ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہندو تھے علم اللسان کے ماہروں میں سے جن جن محققین نے سندھ اور بلوچستان کے متعلق قلم اٹھایا ان میں ڈاکٹر گریرسن ڈاکٹر ارنیسٹ ٹرمپ DR. E. TRUMPP

؎۱: کتاب یادگار تاجپوشی قلات شجرۂ نسب احمد زئی ص ۹

رچرڈ برٹن اور کپتان اسٹنک کے نام قابل دید ہیں وہ نہ فقط علم لغت کے ماہر تھے مگر ساتھ ہی ساتھ سیاح بھی تھے اور زیادہ لطف یہ کہ وہ گرامردان بھی تھے مثال کے طور پر ڈاکٹر ٹرمپ صاحب پہلا جرمن محقق تھا جس نے ۱۸۶۶ء میں جرمنی کے شہر لپیا سے پہلی مرتبہ "شاہ جو رسالو" شائع کرایا تاکہ علم لغات کے متعلق سندھیوں میں ذوق پیدا ہو اسی سال کپتان اسٹنک صاحب نے سندھی زبان کی موجودہ صورت خطی ایجاد کرکے سندھیوں پر احسان کیا اسی طرح سر رچرڈ برٹن نے ۱۸۵۱ء اور بعد میں ۱۸۷۷ء میں سندھ کی دو مرتبہ سیاحت کی وادی سندھ کی قوموں کا اپنے سیاحت نامہ میں ذکر کرکے تھوڑا بلوچوں کی طرف بھی توجہ کی اس کے علاوہ بلوچستان کی ۱۸۱۰ء میں پہلی مرتبہ مسٹر ہینری پاٹینجر صاحب نے سیاحت کی ان کی کتاب ۱۸۱۶ء میں شائع ہوئی [1]

ان کتابوں میں یا دیگر کتب جو بلوچستان کے متعلق انگریز عملداروں نے تصنیف کیں ان میں جغرافیہ کا بیان تو بالکل درست ہے کیونکہ یہ عملدار بلوچستان کے چپے چپے زمین سے واقف تھے مگر انہوں نے قدیم زمانہ کے متعلق بلوچوں کے جتنے بھی تاریخی بیان دیئے ہیں وہ محض قیاسی اور سنی سنائی باتیں ہیں پھر لطف یہ ہے کہ جب سے ہندوستان میں سر ولیم جونس SIR .W. JONES صاحب نے "ایشاٹک سوسائٹی

---

[1]: برٹن صاحب کے دو سیاحت ناموں میں سے پہلا سیاحت نامہ ۱۸۵۱ء میں دوسرا ۱۸۷۷ء میں شائع ہوا اور ہینری پاٹینجر کی کتاب کا نام ٹریولس ان بلوچستان اینڈ سندھ ہے اور ۱۸۱۶ء میں شائع ہوئی انکے دفتر کے ایک عملدار نے بعد میں بخارا تک سیاحت کی ان کا نام مسٹر اے برنس صاحب تھا۔

آف بنگال" کی بنیاد رکھ کر ہندوستان کی تاریخی تحقیقات کے لیے وسیع سرمایہ جمع کرنا شروع کیا[1] جیسے کرمنگس ملز کولبرک ودیگر محققین نے ہندوستان کی قدیم تاریخ کے دفتر الٹ کر ہندوستان تاریخ اورادب میں اضافہ کر دکھایا ٹھیک بنگال کی طرح ہی بھی بلوچی ادبیات کا دفتر وہاں کے رسالوں میں شائع ہونے لگے مگر غلط بیانوں کا سدباب ہو نہ سکا بلوچوں کا تاریخی پہلو جس طرح پہلے روایتوں میں تاریکی کے پردہ اخفا میں غائب تھا اسی طرح تاریک رہتا چلا آیا کوئی نئی تحقیقات نہ ہوئیں۔ یہاں تک بلوچستان کی پڑوسی زبان سندھی نے ترقی کی مگر بلوچی زبان نے کوئی نمایاں ترقی نہ کی آج سندھ کے اخباروں کا اور علمی رسالوں کا اندازہ کر کے دیکھو بلوچستان کتنا دور ہے۔ اور پھر لطف یہ بلوچوں کے چند ہفتہ وار مردہ اخبار ہیں جو سندھ سے شائع ہوتے ہیں۔ بلوچستان کے کئی مقامات پر اُن پر بندش ہے یہ بیسویں صدی کے حالات جو ترقی کا زمانہ ہے۔

ڈرویڈوں کی قدامت

ڈرویڈ لفظ تو تاریخ میں کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ البتہ عیسوی ۷ صدی میں چینی سیاح ہیونسانگ دکن ہندوستان کی تامل TAMIL قوموں کو ڈرویڈ کے نام سے یاد کرتا ہے[2]۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کی کتاب رگوید میں ہندوستان کی قدیم قوموں کے لیے "دسیو" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے مغربی مورخین میں سر ولیم ہنٹر ڈرویڈی

---

[1]: تاریخ ہند قدیم از آر۔ سی۔ دت جلد اول۔

[2]: ۱۹۳۲ء میں پنجاب کا ادبی رسالہ عالمگیر لاہور میں سالانہ نمبر میں جناب مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے نے ڈرویڈوں کے متعلق ایک بصیرت افروز بیان شائع کیا اور وہ قابل غور تھا عالمگیر رسالہ کا تذکرہ آئندہ بیان ہوگا۔

اقوام کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے (۱) پرولٹو ڈرویڈ یعنی تاریخ کے زمانہ کے پہلے ڈرویڈ جو چین کے نیگٹ کنگ اور ہوانگو دریاؤں کی وادیوں سے نکل کر برہمپترا کی گھاٹیوں کو عبور کرکے بنگال کا ساحل لے کر دکن ہندوستان تک پھیل گئے اور یہ زرد فام مغل قوم میں سے تھے۔ (۲) وہ ڈرویڈی جو اُس نے صدیوں بعد شمالی ہندوستان میں داخل ہوئے اور اُن میں سے ایک شاخ نے بلوچستان کو مسکن بنایا تھا۔ اور وہ تورانی نسل میں سے تھے۔ پھر پنجاب کے راستہ سے تمام ہندوستان اور دکن تک پھیل گئے اور یہ بیان درست ہے۔ پھر علم آثار کے ماہروں کا بیان ہے دراوڑ لوگ کلدہ، عراق یا بحیرہ ایجہ یا مصر سے نکل کر بلوچستان کے راستہ سے ہندوستان میں وارد ہوئے پروفیسر پیری اور رابلٹ سمتھ صاحب کا خیال ہے کہ وہ بحیرہ متوسط کی اقوام کی ایک شاخ ہے۔ وہ ڈرویڈوں کی ہجرت کو ۵ ہزار ق۔م تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر چیٹرجی کا بیان ہے کہ ڈرویڈوں کا اصلی دکن ہندوستان ہے جہاں سے نکل کر انہوں نے پنجاب بلکہ بلوچستان میں جاکر سکونت اختیار کی۔ بلکہ تجارت کے لحاظ سے وہ بحیرہ ایجہ اور مصر تک پہنچے۔ ان مذکورہ حالات سے پچھلا بیان درست نظر آرہا ہے موجودہ زمانہ کی تحقیقات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ ڈرویڈوں کا جنم بھون مکان "تامیلاکم" دیس دکن ہندوستان ہے اور اُن کی قدیم کتاب "تول کپیم" سے بھی یہی احوال ملتا ہے۔ ڈاکٹر میکلین کا بھی یہی خیال ہے کہ ڈرویڈی دکن ہندوستان سے نکل کر طول

نمبر ۱: سال مر عالمگیر لاہور ۱۹۳۲ء ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کرنے کے وقت جب براہوئی اور بلوچستان میں بلوچوں کا سوال انگریز عملداروں نے اُٹھایا تو مسٹر خان خداداد خان نے فرمایا براہوئی بلوچ ہیں ان کا وطن حلب تھا۔

وعرض ہند میں پھیل گئے اور ان کی ایک شاخ نے بلوچستان میں سکونت اختیار کی۔

بروہی لفظ کی حقیقت

جس طرح ڈروِیڈی نام بعد کے زمانہ کی ایجاد ہے اسی طرح براہوائی لفظ بھی بعد کا ایجاد کیا ہوا نظر آرہا ہے۔ حقیقت میں یہ نام سندھ کے باشندوں نے اپنے پڑوسی پہاڑی کو دیا یہ لفظ اصل میں "روھی" ہے جس کے معنی پہاڑی اس روہی لفظ کا فارسی یا عربی زبانوں سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ فارسی زبان میں پہاڑ کے لیے کوہ لفظ ہے اور عربی میں پہاڑ کے لیے جبل لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح سندھ کے لوگ اس وقت بھی پہاڑی علاقوں کو روہی ہی کہا کرتے ہیں اور یہ براہوئی جو بلوچوں کی ایک زبردست شاخ ہے وہ عیسوی پہلی صدی میں بلوچستان میں آکر آباد ہوئے اور یہ زمانہ صاف بتاتا ہے کہ وہ ڈرویڈیوں سے بہت پیچھے آئے ہیں علاوہ وہ اسی راستے بلوچستان میں وارد ہوئے جن راستوں سے سیتھیں SCYTHIANS لوگ بلوچستان میں وارد ہوئے اور یہی غلط فہمی ہے کہ بعض اُن کو ڈرویڈی بعض سیتھین اور بعض ان کو تورانین کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ لفظ روہی بھی بلوچی زبان میں کہیں نظر نہیں آتا یہ نام کب کا ایجاد ہے اُس کے متعلق چچ نامہ میں اتنا ذکر ہے کہ رائے خاندان کے راجاؤں کے زمانہ میں جو بڑی سزاؤں والے مجرم ہوتے تھے ان کو بروہی پہاڑوں میں جلاوطن کیا کرتے تھے۔ جس طرح زار روس کے زمانہ میں بڑی سزا والے قیدیوں کو سائبیریا کے برفانی پہاڑی علاقہ میں جلا وطن کیا کرتے تھے۔ اور ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ بلوچ ہیروڈوٹس کے زمانی میں جو تین سو برس قبل مسیح علیہ السلام تھا۔ مکران کی وادی بلیدہ

میں موجود تھے ممکن ہے وہاں کے ڈراویڈی باشندوں سے ملاپ کی وجہ سے بعض ڈراویڈی الفاظ اُن کی زبان میں شامل ہو گئے ہوں اور بعد میں اس بنا پر یورپی علمائے ان کو ڈراویڈی بتایا ہے اُس کے علاوہ اس وقت ہندوستان میں ۱۲ ایسی زبانیں ہیں جو خالص ڈراویڈی شمار کی جاتی ہیں مثلاً (۱) تامل (۲) ملایالام (۳) تیلوگو (۴) کناری (۵) تولو (۶) کدوگو (۷) تودا (۸) کوٹا (۹) گونڈ (۱۰) کانڈہ (۱۱) اورائیوں (۱۲) راجمہل ۱؎

ابن حوقل بغدادی اپنے سفرنامہ میں اس قوم کو براہوئی کے نام سے لکھتا ہے اور کہتا ہے یہ قوم کبھی گنداوہ سے کرسراوان تک پھیلی ہوئی ہے مگر سفت اور جنگجو ہے جیسے کہ اب لوگ پہاڑی لوگوں کو سوخ طبع اور جنگجو سمجھتے ہیں جیسے کہ پٹھانوں کی نسبت ہندوستان کا خیال ہے۔

بلوچ عرب ہیں

بلوچ قوم جس میں براہوئی اور بلوچ شمار ہوتے ہیں۔ یہ نسبی لحاظ سے ایک ہی قوم ہے اور وہ اُمم سامیہ کے آریائی نسل سے ہیں۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ جو صحرائے عرب سے نکل کر جس طرح ان کے بھائی مصر، قیروان، متعلیہ اور عرب میں اسپین تک پھیل گئے۔ اسی طرح انہوں نے شمال و مشرق کا رخ اختیار کیا وہ عرب سے نکل کر سبز اور شاداب زمینوں کی تلاش میں شام، دمشق، کردستان، ایشیا کوچک دیلم، گیلان سے ہو کر بحیرہ خضر کے جنوبی ساحل تک پھیل گئے۔[۲] عرب سے نکل کر وہ جہاں بھی پہنچے وہاں اُن ملکوں کے باشندے کہلائے مثلاً جو حلب میں گئے

۲؎: امم سامیہ کے مفصل حالات کے لیے دیکھو ارض قرآن جلد اول از سید سلیمان صاحب ندوی

وہ بعد میں حلبی کہلائے. جو کردستان گئے وہ کرد کہلائے جو گیلان میں رہ گئے وہ گیلانی کہلائے. یہی حال ان کے دیگر بھائیوں کا تھا اُن سے جنہوں نے مغرب کی راہ اختیار کی دمصری، قیروانی، طونسی، اندلسی اور مراکشی کہلانے لگے حالانکہ وہ تمام عربی نسل سے تھے اس بارے میں مغربی مستشرقین کا بھی یہی خیال ہے. چنانچہ ڈی. خوجی DE. GOEGE کا بیان ہے کہ سامی SEMETIC سیماطیقی قوموں کا اصلی وطن عرب کا درمیانی صحرا تھا. جہاں سے نکل کر فاتحوں کی صورت میں کردستان، آرمینیا اور افریقہ تک پہنچے[1]. آج بھی اگر مری بگٹی بلوچوں کو دیکھا جائے نجد کے عرب معلوم ہوتے ہیں.

آمریکن پروفیسر راجرس W. ROGERS کا بیان ہے کہ یہ سامی قومیں زرخیز علاقوں کی تلاش میں کردستان، آرمینیا، کنعان اور مغربی ممالک تک پھیل گئے. وہ غیر قوموں سے احتراز کرتے تھے اور اُن کی زندگی بدویانہ تھی. کیونکہ یہ عظیم الشان قوم دراصل صحرائی تھی نولدیکی NOLE DEKE جغرافیکل نقطۂ نظر سے اُن کا اصلی وطن عربستان دکھاتا ہے اور لکھتا ہے کہ ۳۰۰۰ برس قبل مسیح علیہ السلام انہوں نے پانی اور شاداب علاقوں کی تلاش میں عرب کو خیرباد کہا. مورخ ابن قتیبہ "کتاب المعارف" میں لکھتا ہے کہ وہ مکہ معظمہ حضر، عمان، بحرین، بربر، حجاز، یمن، الجزائر، شام و کنعان تک پہنچے، حلب خاص کر شام بن نوح علیہ السلام کی اولاد کا مسکن تھا.

بلوچ کون سے امم سامیہ کے طبقے سے ہیں | بلوچ قوم کے تواریخی

---

[1]: ارض قرآن جلد اوّل "ذکر امم سامیہ" ص ۱۱۰، ۱۱۱

نوٹ: لفظ بادر رد ہی کے معنی پہاڑی لوگ آفیشل رکارڈ میں دکھایا گیا ہے.

کارناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس امم سامیہ کے طبقے میں سے ہیں جن کے کارنامے عرب سے باہر نظر آرہے ہیں۔ علامہ ابن حجر "فتح الباری" میں اور امام بخاری "صحیح" میں اور دوسرے عرب مورخین نے ان کو پردیسی عرب یا عرب المستعربہ کے نام سے لکھا ہے کیونکہ وہ بڑے عرصہ تک عرب سے باہر مصر، ایران، بربری اور بحیرہ خضر کے اقوام سے جنگیں کیں اور بڑے عرصہ تک مصر، ایران، اور روم کے تجارتی شاہراہوں پہ قابض رہے۔ جو اُن میں سے عرب میں رہے وہ غیر ممالک سے تجارت کرنے میں مشغول رہے اور اسی تجارت کی وجہ سے قریش کا قبیلہ تمام قبائل عرب میں ممتاز تھا۔[1] انہوں نے عرب کے صحرا سے باہر نکل کر بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں۔ وہ بادیہ نشین تھے اور ان کا پیشہ گلہ بانی تھا مگر جہانبانی کرنے کی اُن میں صلاحیت تھی۔ مثال کے طور پر مصر کا ہیکسس HYCSIS خاندان جو چرواہے تھے اور انہوں نے کامل دو صدیوں تک مصر پر حکمرانی کی[2] جو خالدیہ (کلدہ) CHALDIA میں گئے وہ اکاد AKADIAN کہلائے اور جو فنیقیا گئے اور بعد میں کا تصحیح کو وطن بنایا وہ فنیقی PHOENICIAN کہلائے۔ جنہوں نے ایلم ELAM کو بسایا وہ ایلمی ہوئے جنہوں نے میڈیا MEDIA کو بسایا وہ میڈ کہلائے۔ اسی طرح بلوچوں کا مسکن قدیم وادی بردہ نزدیک حلب تھا اور اس لئے بعد میں اُن بلوچ کہنے لگے مگر انہوں نے ایک بار حلب سے ہجرت نہ کی تھی۔ اُن میں سے جنہوں نے

۱۔ کتاب قدیم جہازرانی ہند از مسٹر رادھا کمود صاحب "جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس"

۲۔ تاریخ طاقدیہ مترجم سید محمود اعظم فہمی ص ۳۰۔ ۱ اسٹشنٹ ایجپٹ از جارج رالنسن صاحب۔

نوٹ ۱۔ زینڈی اے۔ رگوزین صاحب کتاب اسیریا میں لکھتا ہے کہ جو قوم کردستان اور بحیرہ خضر کے ساحل پر بستے تھے۔ ان کا پیشہ لوٹ مار تھا اور خانہ بدوش قوم میں سے تھے۔

بلوچستان میں حکومت قائم کی وہ آخری بلوچ تھے۔ ورنہ انہوں نے وقت بوقت یہاں سے ہجرتیں کیں اور دور دور تک پہنچے۔ مثال کے طور پر بلیدی جو مکران میں تین سو برس قبل مسیح علیہ السلام موجود تھے۔ اُن کی طوائف الملوکی کا دور یہاں عیسوی ، اصدی تک قائم رہا۔ بلیدی یا بردی یہ اصل وسط عرب میں نجد کے باشندے ہیں۔ اُن کا اصلی وطن بریدا BURAIDA ہے جو ریاض کے شمال میں ہے اور علاقہ قاسم QASIM جو مدینہ اور ریاض کے درمیان ہے اس میں چار بڑے گاؤں عنیزا، قصیبا، بریدا اور زلفی ہیں۔ ان بریدیوں یا بلیدیوں نے جب مکران میں آکر سکونت اختیار کی تو یہاں اپنے وطن کی یادگار میں اس وادی کا نام بھی بریدا رکھا جس کو یونانی جاگرافی والوں نے بلیدیا کہا جس طرح آچوسیا، گدروشیا، کرمانیا وغیرہ وغیرہ۔ قبل مسیح علیہ السلام بلیدہ کے بلیدی آفتاب پرست تھے۔ اُن کی آفتاب پرستی دنیا کے قدیم قوموں سے ملتی جلتی ہے کیونکہ آفتاب پرستی کا دور قدیم زمانے سے متمدن قوموں میں رائج تھا۔ مصر میں رمیس ثانی کے زمانہ میں آفتاب دیوتا کہلاتا تھا۔ اسی رمیس کی لڑکی محل شاہی کی وہ عورت تھی جس نے دریا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نکالا تھا۔ غرض یہ آفتاب فنیقیا والوں کے لیے بعل آفتاب دیوتا تھا۔ اور اہل یونان کے ہاں آفتاب دیوتا کہلاتا تھا اور اپالو کے مقدس نام سے مشہور تھا۔ اور بابل کے علوم وفنون میں اسی صورت میں مار دوک یعنی آفتاب دیوتا نظر آتا ہے۔ اسیریا کی نانی بستیوں میں جدید ماہروں نے وہاں کے سپارہ شہر میں آفتاب دیوتا کے آثار معلوم کئے ہیں۔ یہاں ایستار کہلاتا تھا۔ ایک جگہ اس کی تصویر کبوتر کی ہے اور دوسری جگہ ایک ماں اپنے بچے کی چھوٹی انگلی اپنے انگلیوں میں لئے کھڑی ہے اسی طرح ایران میں اصطخر کے کھنڈروں میں یہ لفظ یزدان (نور خالق) لکھا ہوا ہے غرض مصر کے الاقصر، فنیقیا کے سیڈان اور اتینز کے ستون، بابل کا برج، اشور

کے آثار قدیمہ اور اصطخر کے ویرانوں تک اور بلوچستان کی وادی بلیدہ میں آفتاب پرستی رائج تھی اور بلیدہ یہ قدیم یونان کی تاریخ اور جغرافیہ میں آچوسیا کہلاتا تھا اور ہیرو ڈوٹس وہ جاگرافی دان اور مورخ ہے جس نے مصر، یونان، اشور اور بابل کے ساتھ قوم بلیدہ کا بھی ذکر دیا ہے۔ اور اسی طرح براہویوں کے لیے محققین کا بیان ہے کہ یہ قبل آریائی قوم ڈروڈین ہے حالانکہ براہوئی ڈروڈی نہیں مگر اتنا تسلیم کرنا ہوگا کہ مورخین کے مطابق بلیدی اور براہوئی دو قدیم بلوچی اقوام ہیں جن کا سراغ قدیم تاریخی کتابوں میں مل سکتا ہے کیا کرد KURD، کلادی اسیرئن CHLDAEN. ASSYRIAN نہیں؟ اور ڈروڈی بھی ابتداً میں آفتاب پرست تھے. کیا ہنگری کے مگیار MACYAR، بحیرہ خضر کی راہ سے یورپ نہیں پہنچے تھے.

وہ چونکہ جفاکش اور جنگجو تھے اس لئے وہ جہاں بھی رہے وقت کے سلاطین سے لڑتے رہے یا اُن کی فوجوں میں اُن کا درجہ ممتاز رہا. مثلاً براہوئی جو عیسوی پہلی صدی میں بلوچستان میں وارد ہوئے وہ سب کے سب نیم آزاد تھے. اور قلات کے قدیم سیوا ہندو خاندان کی فوج میں اُن کو عزت حاصل تھی اسی طرح جو گیلان یا فارس میں تھے وہ ایران کے حکمرانی کے ماتحت تھے مگر جب اُن کو موقعہ ملتا تھا تو وہ فساد کرنے سے ہرگز دریغ نہ کیا کرتے تھے اُس زمانہ میں دنیا میں بت پرستی، ستارہ پرستی اور آتش پرستی کا رواج تھا. اس لئے بلوچ بھی بعض بت پرست و آتش پرست تھے کئی ان میں نصرانی تھے اور کئی مجوسی بھی تھے مگر یہ خانہ کعبہ کے پاسبان تھے جس طرح فرمایا ہوا ہے۔

بلوچوں پر بلوچ کیسے نام پڑا

بلوچ ترکی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہیں سخت لوگ یا سخت کوش[1] بلوچوں پر بلوچ

---

[1] دیکھیں لغات فیروزی لفظ بلوچ

نام بھی ایک قدیم نام ہے. اس نام کی قدامت کتنی ہے. اُس کے متعلق ہم آگے چل کر
بیان کریں گے. اب تک مورخوں نے جو بھی اس نام کے متعلق بیان دیا ہے. وہ محض
قیاسی ہے. کوئی کہتا ہے حلب میں بردہ نام ایک گاؤں ہے جہاں عربوں کے یہ قبائل
رہتے تھے. پھر دوسرا بیان ہے کہ برلچہ کے نام سے بلوچ مشہور ہوئے چنانچہ برلچ
اُن کے خاندان میں ایک بزرگ ہو گزرا ہے بیانات تواریخی نقطۂ نظر سے غلط ہیں.
پردیسی عربستان سے نکل کر جہاں بھی گئے وہ اپنے پیشہ اور بہادری کی وجہ سے جداجدا
ناموں سے مشہور ہوئے. اور اُن کی قدامت کا بھی پتہ چلتا ہے. مثال کے طور پر مصر
کے ہکسس HYKSIS. جن کا پیشہ گلہ بانی تھا اُن کو اہل مصر ڈاکو یا چور کہتے ہیں. وہ مصر
میں فراعنہ شمار ہوتے ہیں. اُن کی قدامت کے لیے اتنا کہنا کافی ہو گا کہ اُن کے زمانے
میں حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعے
مصر میں تشریف لائے تھے ہ۱ پھر اُن کی سلطنت مصر میں ختم ہوئی طب کی نئی سلطنت
مصر میں قائم ہوئی. طب والوں نے ایک سو برس تک کشت و خون کے بعد اپنے
اسلاف کی سلطنت کو غیروں کے پنجے سے چھڑایا خاص کر طوطمس اول THOUTMIS
مصر سے فوج لے کر ملک شام پر قبضہ کرنے کے بعد دریائے فرات کے کنارے
تک جا پہنچا.

ان بیرونی عربوں کا سراغ ۴۰۰۰ ق م سے لے کر ۳۰۰۰ ق م تک آسانی سے مل سکتا
ہے. علامہ ابن قتیبہ المتوفی ســـھ نے اپنی کتاب "المعارف" میں بیرون عرب کا ذکر
دیا ہے۔ اور بلوچ جو اس طبقہ میں شامل ہیں. ان کا بھی سراغ ان عرب سامیہ میں مل

۱۔ تاریخ ملل قدیمہ مترجم اُردو سید محمود اعظم فہمی مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۹۲۱ء ص

سکتا ہے جس سے مشرق خواہ مغرب کے علماء اور مشاہیر ارکان انکار کر نہیں سکتے۔ اور یہ طبقہ سامیہ اس لئے کہلاتا ہے کہ ان کی زبان قدیم سامی زبان کے قریب تر ہے۔ اُنکی جسمانی ساخت خالص و صحیح سامی ساخت ہے۔ اسی طرح اس زمانہ میں بھی اُن کی اجتماعی و معاشرتی زندگی صحیح ابتدائی سامی یادگار ہے اور تمام اسلامی مورخین اس بات پر متفق ہیں پرانے عرب مورخوں میں علامہ ابن ہشام کلبی جس نے عرب جاہلیت کی تاریخ سے متعلق دو کتابیں لکھیں ان میں یہی بتایا گیا ہے کہ عرب سے نکل کر یہ قومیں کہاں کہاں پھیلیں۔ علامہ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں بھی کافی روشنی ڈالی ہے۔ اور آخر میں علامہ ابن خلدون کی گواہی کافی ہے۔ غرض تمام تشریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سامی قومیں ایک مدت تک اتحاد و اجتماع کے بعد ملک عرب سے نکل کر اطراف کے ممالک میں پھیل گئے اور وہاں انہوں نے قوت و اقتدار پیدا کیا۔ عرب مورخین بھی اس واقعہ سے ناواقف نہ تھے۔ مغرب میں جس طرح وہ شام، مصر اور کارتھیج تک پہنچ کر روما کے قیاصرے لڑنے لگے اسی طرح شمال میں وہ کردستان، آرمینیا اور قفقاز سے لے کر بحیرہ خضر کے ساحل جنوبی تک پھیل گئے ہیں۔ انہوں نے اسیریا، بابل اور میڈیا میں حکومتیں قائم کیں۔ مگر اپنے آبائی وطن کو ہرگز نہ بھولے یعنی وہ جہاں بھی گئے اپنے کو عرب کہلانے لگے۔ غرض

ہ۱۔ رائے بہادر ہتورام نے بلوچوں کی جو ہجرت حلب سے دکھائی ہے وہ ان عربوں کی آخری ہجرت ہے اُس نے بلوچوں کی قدامت کے لیے عہد ساسانی دور کا واقعہ دیا ہے یہ اُس کی غلطی ہے ہم یہاں پر بلوچی قدامت پر غلام اصحاب دیتے ہیں تاکہ آئینہ کے لیے دنیا بلوچوں کی قدیم تاریخ سے واقف ہو اور وہ بیان جو باترتیب ہو۔ کیونکہ ہتو رام مورخ نہ تھا وہ ایک رپورٹر تھا جو اسناد مدنی کیں ان کی تحقیقات کا دائرہ بالکل تنگ ہے۔

مؤلف

چار ہزار برس قبل مسیح علیہ السلام سے لے کر عیسوی پہلی صدی تک اِن عربوں نے جن میں ہماری ممتاز بلوچ قوم بھی شامل ہے نہ معلوم کہاں تک پہنچے ہوں گے اور کتنی ہجرتیں کی ہوں گی فردوسی جو اہل ایران کی تاریخ کا ترجمان ہے ضحاک تازی (عرب) اور اسکی ہزار سالہ عہد حکومت کا بیان شاہنامہ میں کرتا ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جب جمشید کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اور یہ عرب ایران و توران تک پھیل گئے. یہ وہ ضحاک بن علوان تھا جس کو نمرود کہتے ہیں اور حضرت ابراہیم اسی کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور یہی تھا جس نے اُس کے جلانے کا قصہ کیا تھا. یہ ایک پرانا قصہ ہے۔

پھر توراۃ بنی اسرائیل کے قدیم خاندان کا بیان دیتے ہوئے ۲۵۰۰ ق.م کا ذکر کرتے بتاتا ہے کہ نمرود کوش کا بیٹا تھا اور کوش حام کا بیٹا تھا. بابل اور اسیریا کا ہر پتھر در حقیقت میں ان کی تاریخ کا ایک صفحہ ہے علم الآثار کے طلسمی چراغ تھے نئے سرے سے بابل کا تمدن زندہ ہو رہا ہے. ان کے کتبات سے معلوم ہوتا ہے. کہ یہاں کی غیر سامی آبادی نام و زبان کے لحاظ سے غالباً تورانی النسل تھے اور وہ اکادی اور سومیری تھے اور ۳۰۰۰ ق.م کی ابتدائیں قدیم سومیری الفاظ کے بجائے ان میں سامی الفاظ کی آمیزش شروع ہوتی ہے اور ایک مدت تک کتبات و آثار بالکل سامی رہتے ہیں. پھر ایک زمانہ کے بعد سومری کتبات کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس کا خاتمہ ایک اور تورانی النسل کی زبان عیلام پر ہوتا ہے جس کا وطن خلیج فارس کا فارسی ساحل تھا. پھر ایک زمانے کے بعد ۲۵۰۰ ق.م میں یہاں کی زبان بالکل سامی ہو جاتی ہے یہ سامی جو لوگ جو آرمینیا کردستان اور قفقاز، بابل اور خلیج فارس میں رہنے لگے وہ خانہ بدوش تھے اور خیموں میں رہتے تھے. بابل کے سلسلہ میں دو جگہ پر عرب سامی خاندانوں کا ذکر آیا ہے اور وہ ۳۰۰۰ ق.م اور ۲۰۰۰ ق.م کے

زمانے میں مذکورہ بیان کا تعلق بلوچستان اور بلوچ قوم سے فقط اتنا ہے کہ بابل کے متعلق ایک یورپی مستشرق پروفیسر رالنسن PRO. RAWLINSON کا بیان ہے کہ بلوچوں پر پہلی مرتبہ بلوچ نام بابل کے بادشاہ بیلوس BELUS کی وجہ سے پڑا شاید یہ نام ایرانیوں نے ان کو دیا ہوگا کیونکہ بلوس فارسی زبان کا لفظ ہے اور اُس کے معنی ہیں چور اور ڈاکو اور یہی صاحب بیان کرتا ہے کہ بلوچستان کے علاقہ کچھی پر یہ نام نمرود کے باپ کش ہوں کی وجہ سے کشی یا کچھی پڑا ہوگا۔ غرض کہ بلوچ لفظ کی قدامت ۲۵۰۰ ق م پہلی مرتبہ معلوم ہو سکتی ہے۔

غرض جس طرح مصر کے عرب حکمرانوں کو مصر والوں نے ڈاکو اور چور کہا اسی طرح ایرانی اور تورانی لوگ بھی بابل میں اُن کو چور اور ڈاکو کہنے لگے بابل کے شمال کی طرف بڑھنے پھر یہ قبائل نظر آتے ہیں جن میں بلوچ شامل ہیں۔ اور وہ وادی دان DON کا اناج کھاتے ہیں۔ اس ثبوت کے لیے آج بھی بلوچ اناج کو دان کہتے ہیں۔ یہاں سے ایران کے میدانوں کو عبور کر کے وہ قزاقستان اور ترکمانوں سے لڑتے ہیں اور ترکمان اُن کو "بے جا دخل کرنے والے" INTRUDER نام سے یاد کرتے ہیں[۲] ایک ہزار برس قبل مسیح علیہ السلام وہ میڈیا MEDIA کی سلطنت کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اُن میں ایک خانہ بدوش عربی قوم بھی شامل نظر آتی ہے جن کو ماد عربی کہتے ہیں اور یہ خانہ بدوش آذربائیجان، گیلان، قزوین، ماژندران اور جبل البرز ELBURZ تک پھیل جاتی ہے اسی لفظ البرز کے باعث براہوئی آج بھی برز بلند چیز کو کہتے ہیں۔ ان عربی میدوں کا

طرز معاشرت خالص عربوں کی طرح تھا۔ مگر یہیں وہ تیسری مرتبہ چور اور ڈاکو کہلاتے ہیں کیونکہ کرد بھی اُن کی شاخ میں سے تھے۔ اور جب کبھی فساد کرتے تھے تو کردستان سے بحیرہ خضر تک وہ ڈاکے ڈالتے تھے[۲] اور اُن کی ہجرت کا سلسلہ مشرق میں بلوچستان میں گندواہ اور مکران اور سراوان تک پہنچتا ہے۔ مگر یہاں بھی وہ بلوچ نہیں کہلاتے شمال کے طور پر بلیدی بلوچ جو عیسوی تیسری صدی سے پہلے مکران کی وادی بلیدہ میں نظر آتے ہیں جیساکہ ہیروڈوٹس کا ذکر ہے یہ قوم اسی وادی کی وجہ سے بلیدی کہلاتے ہیں نہ کہ بلوچ اس عرصہ میں انہوں نے ایرانیوں، ترکمانوں، قزاقوں اور دیگر آرین قوموں میں شادیاں کیں اس لیے بعض یورپی علماء کی نظر میں عربوں کے بجائے وہ ترکی۔ ایرانی شمار ہونے لگے اور بعضوں کی نظروں میں ستھیو ڈر ریڈی SCYTHO-DRAVIDIAKS شمار ہونے لگے۔

اسکندر مقدونی کے زمانہ میں فلیپاس PHILIPPOS دریائے سندھ کے مغربی علاقوں کا حاکم تھا اور پیتھان PEITHON دریائے سندھ کے ڈیلٹا کا حاکم تھا اسکندر کے مرنے کے بعد پیتھان سندھ کے ڈیلٹا کو چھوڑ کر بلوچستان میں آکر قیام کرتا ہے۔ تمام اسکندر کے مقرر کئے ہوئے صوبے تھے۔ پھر اسکندر کے بعد جب بلخ میں یونانی حکومت قائم ہوتی ہے۔ اُس زمانے میں مکران میں بلیدی طوائف الملوکی اختیار کرتے ہیں۔ ایرین، پلینی و دیگر یونانی سیاحوں اور جغرافی دانوں نے وادی بلیدہ

۲:۔ مسٹر ای۔ ڈبلیو تھامپسن صاحب ایم۔ اے کتاب ' تاریخ ہند میں بلوچستان کی آبادی کو ترکی، ایرانی دکھاتا ہے۔ دیکھو کتاب ص ۱۲ ای ڈبلیو ہگس صاحب پاٹنجر کے حوالے بلوچوں کو ترکی۔ ایرانی THRKO-IRANIAN دکھاتا ہے۔

کے شہروں کے یونانی زبان میں نام دکھائے جو تمام باب آثار قدیمہ میں درج کر آئے ہیں، یہاں بلوچ کا نام نظر نہیں آتا۔

پلینی PLINY ۲۳ء عیسوی میں پیدا ہوا اس کی تاریخ وفات کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ بہت بڑا اور مستند مورخ ہے اس کے خطوط بہت مشہور ہیں۔ جو دس جلدوں میں ہیں ان میں جو کچھ اس نے لکھا ہے بہت معتبر ہے۔

بلیدیوں کے بعد عیسوی پہلی صدی میں براہوئی سیتان وسراوان میں داخل ہوتے ہیں یہ وہ تاریخ کا زمانہ ہے جب مغرب میں بنی اسرائیل کی سلطنت میں ضعف آ گیا تھا جب یہود کی شان و شوکت رخصت ہونے کے بعد ان میں مذہب اور قومیت کا خون باقی نہ رہا تھا یہ وہ زمانہ ہے جب اٹلی کے روما کے فاتح قیصر زور حاصل کر رہے تھے۔ گر وہ بت پرست تھے روما کے قیاصرمیں سے قسطنطین اول جو بڑا ظالم اور سنگ دل تھا اپنے ملک کے استحکام کے لیے عیسائی ہوا تھا[1]۔ اور مشرق میں خراسان، سیتان پر پارتھی PARTHIAN قوم کی سلطنت تھی۔ اور اسی عیسوی پہلی صدی میں گنڈو فیرس GONDOPHARES سیتان کا بادشاہ تھا اور ایران میں اشکانی حکومت کا دور تھا[2]۔

---

(۱) تفسیر حقانی جلد پنجم "تاریخ بیت المقدس" ص ۹۶ سے لے کر ۲۷ تک

نوٹ: بلوچوں پر بلوچ سنسکرت نام ہے اسلئے قبل مسیح علیہ السلام بیرانی شہ زوری کی وجہ سے کردستان، مصر، ایران، قفقاز میں مختلف ناموں سے مشہور تھی اور مکران میں یہ بلوچ کے نام سے مشہور ہوئی کہیں بالوں کی لمبائی کی وجہ سے سیاہ کہلائے کہیں ڈاکو اور کہیں شہ زور، شمالی بلوچوں میں سے براہوئی اس وقت وادی ہلمند افغانستان میں موجود ہیں اور بلوچ ریگستان، اور سیتان افغانی میں موجود ہیں۔

یہ دونوں حکومتیں ہمعصر تھیں. کابل اور پنجاب بھی پارتھیا کے حدود میں تھے. یہ ایک جگہ زو
تھی. جو وہی اُن سے بھی جنگجو اور شوخ طبع تھے. یہاں تک عیسوی دسویں صدی میں
حوقل اُن کو شوخ طبعی کی وجہ سے کافر کہتا ہے. اور پھر لطف یہ کہ جب براہوئی یہاں
میں وارد ہوتے ہیں. اُن کو یہاں ناردئی اور کرد ملتے ہیں جو بلوچ تھے اور آج بھی ہیں
پارتھی بت پرست تھے جیسے کہ ہندوؤں کی روایتوں میں پہلو اراجا PHLAVA کے
کے نام سے ان کا بیان دیا ہوا ہے. مگر بلیدی قدیم تھے. انہوں نے یونانی بت پرستوں
اور بودھ بت پرستوں کا زمانہ دیکھا تھا. جب سنسکرت زبان پوری طرح عروج پر تھی
جس طرح قیصر آگسٹوس کے زمانے میں لاطینی زبان نے عروج حاصل کیا تھا اسی طرح
مشرق میں سنسکرت اور اس کی بہن فارسی کا زور تھا غرض اس دور میں پھر لفظ بلوچ
کی قدامت سنسکرت زبان میں مل سکتی ہے. مثال کے طور پر عرب ڈاکوؤں کی جماعت
کو پہلے ایرانیوں نے بلوس کہا ایرانی بلوچوں کو سیاہ بھی کہتے تھے کیونکہ مصر کے ہکسوس
کی طرح ان کے لمبے سیاہ بال اور بڑی بڑی داڑھیاں تھیں یہ لفظ بعد میں کے زمانہ میں
اسلام کے ظہور کے زمانہ کے بعد عربی تاریخوں میں بلوص نظر آتا ہے. جیسے کہ "مراصد
الاطلاع علیٰ اسماءِ الامکنہ والبقاع" میں دکھایا گیا ہے کہ یہ ایک ڈاکو اور خونخوار قوم
بلوص ہے. غرض فارسی زبان اور عربی میں یہ لفظ مل سکتا ہے. اسی طرح موجودہ زمانہ میں
یہ لفظ بلوچ کہلاتا ہے. اگر اس کے لفظی معنی کو دیکھیں تو وہ سنسکرت کے دو الفاظ
کا مرکب نظر آرہا ہے ایک "بل" اور دوسرا "اوچ" یعنی طاقت والا اور بلوان یا
جس طرح سندھ کے ہندوؤں نے براہویوں پر براہوئی نام ان کی شوخ طبع پہاڑی
طبیعت کو دیکھ کر رکھا حالانکہ وہ آج بلوچ کہلاتے ہیں. اسی طرح میڈ، آرمنی اور کرد
قومیں یا بلیدی جب مکران میں آئے تو یہاں پہلے جاٹ قوم موجود تھی جو جنگجو اور لڑاکی

قوم تھی۔ مدتوں تک میڈ اور بلیدی ان جاٹوں سے لڑتے رہے کیونکہ میڈ اور بلیدی جاٹوں سے زیادہ طاقتور تھے۔ شمال میں ناروئی کرد بھی طاقت ور قوم تھی اور خاص کر سیستان اپنی پہلوانی مشہور تھے۔ فردوسی کے شاہنامہ کے دو ہیرو رستم اور سہراب اسی زمین کی خاک سے تھے۔ بلوچ اپنی روایتوں میں ان کو بلوچ سمجھتے تھے۔ پس موجودہ بلوچستان میں شاید یہ ناروئی، کرد، براہوئی اور بلیدی تھے جن کی قوت اور قد و قامت اور جنگی لیاقت کو دیکھ کر سنسکرت نے ان کو شہ زور کا نام دیا یا یہ سمجھو کہ ایک سامی عرب قوم نے بلوچستان سے نکل کر بلوچستان پہنچنے میں نہ معلوم کیا کیا انقلاب دیکھے ہوں گے۔ کیونکہ ان کا نام ایران میں بلوس اور عرب میں بلوص اور ہند میں بلوچ بن کر آخر ختم ہوتا ہے کیونکہ بلوچستان کی سنگ و صحرائی زمین ان کے بدویانہ طبیعت پر ایسی کچھ مواقف پڑ گئی کہ وہ یہیں سکونت اختیار کر بیٹھے اور یہیں اُن کی دو مضبوط کانفیڈریسین قائم ہیں اور بعد میں بلوچستان سے نکل کر پنجاب، سندھ اور گجرات تک پھیل گئے۔ غرض یہ آخری نام تمام قبیلوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اگر اس قوم کے ایک ایک قبیلے کی تاریخ تیار کی جائے تو بلوچی تاریخ کے جلد انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا سے بڑھ سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک جنگجو قوم تھی اور طبع آزاد دل بھی اس لئے جہاں بھی رہی وہ سادگی سے رہی۔ اگر وقت کے شہنشاہ ان کو دبانے کی کوشش کرتے تھے تو یہ زبردست فساد برپا کرتے تھے۔ بڑی بڑی سلطنتیں اُن کے ساتھ تعاون رکھنے کے لیے مجبور ہو جایا کرتی تھیں مذکورہ بالا بیان کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں بلوچوں نے دو ہجرتیں کیں اُن میں سے بلیدی وادی بلیدہ میں سنہ برس قبل مسیح علیہ السلام کے نظر آتے ہیں جو مکران یعنی جنوبی بلوچستان میں ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بابل، عراق، عیلم، کرمان سے ہو کر اس جنوبی راستہ سے آئے ہوں گے اور براہوئی جو عیسوی پہلی صدی میں سیستان کی راہ سے وارد ہوئے وہ

ماژندران اور بحیرہ خضر کا جنوبی ساحل لے کر آئے ہوں گے کیونکہ یہی دو قدیم راستے تھے۔ یہ دونوں راستے اصطخر سے خراسان تک بھی شامل تھے۔ مشرق کا تجارتی سامان ان راستوں سے ایشیا کوچک اور وہاں سے تھریس سے ہو کر یورپ کو جاتا تھا۔ اصطخر کی طرح بابل اس راستے کا مرکز تھا کیونکہ یہاں سے ایک راستہ شام (صور) ابنان میفس (مصر) اور سکندریہ تک ختم ہوتا ہے۔[۱] یہ بلوچ مجوسی تھے، فراعنہ تھے۔ آتش پرست اور بت پرست تھے اُن میں مذہبی یگانگت نہ تھی مگر قومیت کو اور اپنی اصلیت کو بھول نہ سکے۔ جب کہیں قومیت کا سوال اُٹھا تھا وہ عربوں کی طرفداری کرتے تھے۔ اسلام کے ظہور کے بعد انہوں نے اسلامی پرچم کے سایہ تلے وہ شاندار کارنامے کر دکھائے کہ تاریخ دن کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتی فقط سوال یہ ہے کہ بلوچوں کی قدیم تاریخ پر اس وقت روشنی پڑ نہیں سکی اور یہ قوم گمنامی میں گذارتی رہی تھی۔ اُن کا خود یہ خیال ہے کہ نہ معلوم وہ کون ہیں۔ بیرونی دنیا خاک معلوم کر سکتی ہے۔

بدویانہ زندگی

اس بات سے کوئی انکار نہ کر سکے گا کہ بلوچ عرب ہیں اور عرب کی ایک صحرائی بدویانہ زندگی بسر کرنے والی قوم ہے۔ کوچ لفظ فارسی ہے اور اس کا صحیح معنیٰ ہے ایک قبیلے کی روانگی یعنی ہر وقت خانہ بدوش رہنے والے۔ وہ جس جگہ قیام کرتے تھے تو اُن کے

---

(۱): اس راستے کی اہمیت اور قدامت کے لیے دیکھو تاریخ قدیم تجارت لنڈے صاحب جلد اول تاریخ ہند قدیم از وی اے سمتھ صاحب ص ۱۳۷، کلدہ کی دو بندرگاہوں افیر OPHIR اور اُر UR کے لیے دیکھو انڈیا اینڈ دی ویسٹرن ورلڈ از ایچ۔ جی۔ رالنسن ص ۳۔

خیموں کی صفیں کوچہ کہلاتی تھی ۱
عرب کے قبیلوں کی پہچان کے لیے جو جو خاص نشانیاں ہیں وہ اُن کے کوئیں، قلعے
قریے، ڈیرہ وغیرہ۔
مذکورہ نشانیوں میں سے کوئیں کے لیے عربی لفظ "بیر" ہے۔ اور قلعہ کے لیے
قلات، شہر کے لئے "مدنیہ"، وغیرہ۔ اب ان نشانوں میں لفظ دیر بلوچی ہے جس کے
اصلی معنی ہیں چھاؤنی یا شہر۔ بلوچوں کے پاس دو نشانیاں آج بھی موجود ہیں (۱) قلات
معنی قلعہ جو آج اُن کا تخت گاہ ہے اور واقعہ قلعہ کی اہمیت سے مشہور تھا (۲)
دیر یعنی فوجی چھاؤنی CAMP، بلوچوں نے بلوچستان سے باہر جو بھی آبادیاں قائم کیں یا
بلوچستان کے اندر اُن کو انہوں نے ایک نام ڈیرہ سے پکارا، مثلاً ڈیرہ بگٹی، ڈیرہ
غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ مگر وہ اپنے حرم کو بھی ڈیرہ کہتے ہیں۔ یہ نشانیاں
ہیں جو انہوں نے عرب سے اپنے ساتھ لائیں۔ قلات، قلعہ کے معنی ہے آج بھی سرزمین
شام میں بعض ایسے شہر موجود ہیں۔ جن کے ساتھ قلات لفظ شامل ہے۔ قلات میڈک
KALATE MEDIK قلات حسن KELATE HOSON دیر کچھ DEIR KUCH وغیرہ
بلوچوں کی آخری ہجرت جو انہوں نے اسلام کے بعد شام کے شہر حلب سے کی اُس
ثبوت کے لیے شام میں بردہ BARADA شہراب بھی موجود ہے جیسا کہ بلوچوں

۱: نوٹ:۔ برٹش انیشل ریکارڈ میں خاران کے نوشیروانیوں کے متعلق بیان ہے کردہ
خالص ایرانی ہیں یہ خاران بھی سیستان کا حصہ ہے جھلاوان سے لے کر ایرانی سرحد تک ہے عربوں
کے زمانے میں یہاں عمدہ خیابان تھے ایرانی اب افغانستان میں بھی ہیں قلزلباش انکا جمشیدی فرقہ ہے

کا خیال ہے کہ اُن پر نام بلوچ اس بردہ ندی کی وجہ سے پڑا۔ یہ ندی لبنان کے پہاڑوں سے نکل کر دمشق سے اوپر تھوڑے فاصلے پر دو شاخوں میں بٹتی ہے اُس کی شاخوں میں سے البانا ALBANA شاخ پر دمشق کا شہر واقع ہے۔ اور بحیرۃ العتیبد LAKE ATIEBEH میں جا کر گرتی ہے[1]۔ بلوچی نام کی قدامت کو فارسی، عربی اور سنسکرت کے دفاتر سے ہم نے ڈھونڈھ کر پہلے بیان کیا ہے۔ اس لئے باردہ کی اہمیت جو ایک جدید افسانہ ہے زیادہ دیر نہیں رہ سکتا۔ اس سے زیادہ دلیل جس سے بلوچوں کی عربیت اور بدویانہ زندگی کا ثبوت مل سکتا ہے وہ سرٹی ہنگفورڈ صاحب کا بیان ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"جب ایک مری یا بگٹی صاف چمکنے والے ہتھیار زیب تن کر کے محفل میں اگر شریک ہوتا ہے۔ تب اُس کے تیل میں تر مشکین زلفیں اُس کے کاندھوں پر لٹکتی دیکھنے سے خود بخود معلوم ہو سکتا ہے کہ براعظم ایشیا کی خوب صورت انسانیت کی تصویریں ہیں۔ اُن کے یماطیقی بدویانہ چہروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ نجد کے صحرا کے شریف بلند قامت جوان ہیں"[2]

اس وقت شام میں جبل الدروز کے جتنے خانہ بدوش قبائل ہیں وہ بلوچوں کی طرح ہیں یا یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس وقت شام کے دروزی اور بلوچ دو ایسی قومیں ہیں جو اپنی قدیم تہذیب پر پابند ہیں[3]۔

---

[1]: نقشہ فلسطین از جی برتالمیو ایف۔ آر۔ جی۔ ایس مطبع ڈیمس کالنس گلاسگو۔ لنڈن

[3]: سید علی بلگرامی شمس العلمائ نے تمدن عرب میں شام کے دروزیوں کی تصویریں دکھائی ہیں۔ اسی طرح اے۔ ڈبلیو ہگس صاحب نے کتاب بلوچستان میں بلوچ قوم کے چند تصویریں دی ہیں۔ اگر شباہت (باقی اگلے صفحہ پر)

لفظ میر کی حقیقت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لفظ میر ایک عرب کا خطاب تھا اور آج بلوچ ایک دوسرے کو اسی خطاب سے یاد کرتے ہیں اُن کے جتنے بھی ہو گزرے ہیں اُن کے نام کے آگے لفظ میر نظر آتا ہے۔ اس لفظ کے معنی ہے شہزادہ PRINCE، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا طبقہ ایک ممتاز طبقہ ہے جس میں جہاں بانی کرنے کی صلاحیت تھی اور اب بھی ہے۔

وہ مدتوں تک ہفت اقلیم کے شہنشاہوں سے لڑتے رہے اور بڑے بڑے شہنشاہوں کے درباروں میں اُن کے خطاب میر کو شہنشاہوں کو تسلیم کرنا پڑا کیونکہ وہ طویل عرصے تک اُن کی فوجوں میں بطور مددگار فوج AUXILIARY FORCE کے رہے۔ ان کا جھنڈا علیحدہ تھا اور جس طرح عرب کے مختلف قبائل کے جھنڈوں پر مختلف جانوروں کی تصویریں تھیں۔ جیسے "رایت العقاب" حضرت خالد بن ولیدؓ کا جھنڈا جس پر سیاہ عقاب کی تصویر تھی۔ اسی طرح قبل اسلام بلوچوں کے جھنڈے کا نام "مزار" تھا یعنی چیتا یہ اُن کی شجاعت کی علامت تھی۔ اسی طرح اور بھی بے شمار مثالیں ہیں۔ جو جو بلوچوں کی عربیت کے لیے گواہ ہیں۔ مثلاً حلب یہ ایک نہر کا نام کوئک KOWAK، ہے اسی نام کا شہر مکران میں دشت ندی پر آج موجود ہے اور اس کا نام کوہک KOH EK ہے۔ جس طرح عرب کے ہر قبیلے کو ان کی شجاعت اور مردانگی کے کارنامے اور اشعار سینوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ اسی طرح بلوچوں کے کارنامے ہر ایک قوم کے

(بقیہ) کی جائے تو دونوں یکساں نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ سر ٹی۔ ہیگفورڈ ہالڈرچ صاحب کا بیان ہے کہ بلوچوں میں قدیم بلیدی ہیں جنہوں نے ۲، صدی قبل مسیح علیہ السلام عربستان سے نکل کر وطن کیا یادگار میں مکران میں بلیدہ کی آبادی قائم کی۔ اس صاحب کے بیان کے متعلق بلیدہ عرب کے ایک مقام کی یادگار ہے

ڈرموں کے سینوں میں محفوظ ہیں اور وہ اس وقت تک کتابی صورت میں آنہیں سکے فقط یورپی علمائ کی معرفت اُس کا تھوڑا شائع شدہ حصہ آج موجود ہے۔ اور ان کے قصے ہومر HOMER کی اوڈیسی کے قصوں سے زیادہ رقعت انگیز ہیں

قبل اسلام بلوچوں کی قدامت

بلوچ عرب تھے۔ ان کا رخ اول سے مشرق کی طرف رہا اس لئے اُن کی قدیم دشمنی ایرانیوں سے تھی۔ عرب اور ایران کی قدیم دشمنی کے لیے جمشید ضحاک اور فریدون کی جنگیں مشہور ہیں۔ ان باتوں کو سمجھنے کے لیے بہتر ہے کہ اس ہفت اقلیم کی شہنشاہت کو تقسیم کر کے پھر بلوچی ایرانی عداوت کی قدامت دیکھیں۔ ایرانی شہنشاہت کے چار مشہور دور گزرے ہیں وہ اس طرح ہیں (۱) پیشدادیہ اس خاندان میں کیومرث جمشید، فریدون وغیرہ ہو گزرے ہیں (۲) کیان (۳) آشکانیہ (۴) ساسانی۔ کیان اور اسکانی دوروں کی خبر نہیں کہ بلوچ کہاں تھے۔ اتنا پتہ ہے کہ اسکانیہ دور میں براہوئی بلوچستان میں وارد ہوئے تھے۔

پیشدادیہ دور میں عرب اور ایران کی جنگ کا ذکر آتا ہے کہ ضحاک تازی (عرب) نے جمشید کے بعد ایران کو فتح کیا۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ یہ ضحاک بن علوان اہل یمن کا بادشاہ تھا[1] اہل ایران کی تاریخ کا ترجمان فردوسی شاہنامہ میں ضحاک اور اس کی ہزار سالہ حکومت کا مفصل بیان شاہنامہ میں کرتا ہے۔ حقیقت اسی طرح ہے کہ یہ سامی عرب نہ فقط بابل، مصر میں پھیلے اور حکومت کی مگر دیگر ممالک میں پھیل گئے۔ علامہ ابن قتیبہ "کتاب المعارف" میں اور علامہ ابن خلدون نے

---

[1]: طبری جلد اول ص ۹۸ مصر طبری کا بیان ہے ضحاک نے ایران پر ایک ہزار برس حکومت کی

اس بات کی تصدیق کی ہے۔ بابل اور اسیریا کا ہر پتھر درحقیقت ان کی تاریخ کا ایک صفحہ ہے۔ مثال کے طور پر اہل بابل کے اس عہد کے تمام کتبات کو بہ ترتیب رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۴۰۰۰ ق۔م کی ابتدا میں قدیم سومری الفاظ کی بجائے ان میں سامی الفاظ کی آمیزش شروع ہوتی ہے اس کے بعد ایک مدت تک کتاب و آثار بالکل سامی رہتے ہیں پھر ایک زمانہ کے بعد سومری کتاب کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس کا خاتمہ ایک تورانی النسل زبان عیلام پر ہوتا ہے۔ جس کا وطن خلیج فارس تھا۔ بابل کی قدیم ترین حکومت ہائے کے سلسلے میں ہم نے دو جگہ عرب سامی خاندانوں کا ذکر کیا ہے ایک ۴۰۰۰ ق۔م میں ایک ۲۴۰۰ ق۔م میں اور سومریوں کا بیان ہے کہ یہ خیموں میں رہنے والے قبائل تھے جنہوں نے پتھروں کے ہیکل بنائے۔ مشہور امریکن مورخ R.W.ROGERS راجرس سامی حکومت کے متعلق ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ ۲۴۰۰ ق۔م کا

"سومری تہذیب اب پیری کو پہنچ چکی تھی، موت کے جراثیم اب اس میں پیدا ہو چکے تھے۔ دوسری طرف سامی تمدن، زندگی اور جوش سے لبریز تھا، سامی ریگستانِ عرب کی آزاد ہوا سے باہر آئے تھے، وہ اپنی رگوں میں زندگی رکھتے تھے۔"[1]

راجرس صاحب وہ مورخ ہیں جنہوں نے حمورابی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باہم ایک ہی زمانہ دکھایا ہے۔ اور پھر تبابعہ یمن جنہوں نے شمر یرعش کی تیغ کشور کشا عرب سے ترکستان تک بلند ہو کر دیوار چین تک پہنچتی ہے۔ مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ یمن کے تبع تبت میں رہ گئے۔ انہوں نے سمرقند آباد کیا پھر ایران

---

[1] دیکھو ارض قرآن جلد اول ص ۱۴۲

کے کیانی خاندان کا مشہور بادشاہ کیکاؤس نے یمن کے ہاماوران پر فوج کشی کی لیکن شکست کھائی اور گرفتار ہوگیا۔ آخر رستم نے آکر کیکاؤس کو رہائی دلائی کیکاؤس نے ہاماوران کی شہزادی سودابہ سے شادی کر لی۔ یہ وہ سودابہ ہے جس کے مکر و فریب سے گھبرا کر شہزادہ سیاوش توران چلا گیا اور وہاں مارا گیا اسی کے انتقام کے جوش و غضب نے صدیوں تک ایران و توران کو باہم معرکہ آرا رکھا[1]۔

بلیدی، ناروئی اور کرد پہلے وہاں موجود تھے۔ ساسانی دور کا بانی اردشیر بابکان تھا اس کی اولاد میں سے جب شاپور ثانی تخت نشین ہوا اُس نے عربوں کے شانوں میں سوراخ کروا کر انگور رسوں میں بندھوایا تھا۔ اور شاپور اس ظلم کی یادداشت میں تاریخوں میں "ذوالاکتاف" کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مظلوم عرب بلوچ تھے جس کو اس نے عرب سے نکال کر عمان اور کرمان میں بطور جلاوطن کر کے رکھا تھا[2]۔ اُس کے بعد خسرو اول نوشیروان کے زمانے میں بلوچ ساسانی شہنشاہت کے خلاف فساد کرتے تھے[3]۔ یہ عربوں کی

م۱: پوری تفصیل شاہنامہ میں موجود ہے۔ ثعالبی نے تاریخ غررالغرر مطبوعہ پیرس میں لکھا ہے کہ ہاماوران حمیری تھا اگر یہ درست ہے تو پھر سمجھنا چاہئے بلوچ پیشدادیہ اور کیانی دور میں بھی موجود تھے، جنگ روم اور ایران کے زمانہ میں اہل یمن والوں کو ایرانیوں سے ہمدردی تھی عیسوی چھٹی صدی میں قیصر جسٹینین نے اپنا سفیر یمن کے دربار میں روانہ کیا تھا

م۲: مفصل بیان کے لیے دیکھو زوال ایران از مولوی غلام دستگیر نامی ص ۵۔

م۳: یہ تمام کیفیت فردوسی نے شاہنامہ میں بیان کی ہے بلوچوں کی قدامت کے لیے رائے بہادر ہتو رام کے پاس فقط یہی ایک شعر سند ہے بس ہم موقعہ پر درج کریں گے۔ ایل۔ ایم ڈیمس صاحب نے بلوچی ادبیات کی کتاب میں بلوچوں کی قدامت کو امیر حمزہؓ سے شروع کرتا ہے۔ ہتو رام صاحب کی طرح ڈڈیکولا پر اعتبار کرتا ہے یہی ان کے پاس ایک معتبر سند ہے جس کی غلطی بیان کر چکے ہیں۔

دوسری ہجرت شاہپور ثانی کے زمانے میں ہوئی ۳۵۵ء میں اُن کا سراغ کرمان میں مل سکتا ہے. عہد فاروقی میں عربوں سے مل کر انہوں نے مکران پر حملہ کیا تھا.

بلوچستان اقلیم ایران کا حصّہ تھا

بلوچستان کی اُس زمانہ میں خواہ کوئی بھی سرحدیں ہوں مگر وہ بڑی مدت سے ایران کا حصہ تھا پیشدادیہ کسرائیوں میں سے جمشید، گرشاپ اور ہوشنگ نے بلوچستان کے دو مشہور دروں سے جو مولا اور بولان کہلاتے ہیں ہندوستان پر حملے کئے یہ کسرٰی ماغی MAGI یا مُغ MOG کہلاتے تھے. اُن کے آثار آج بھی بلوچستان میں "گبر بند" کے نام سے موجود ہیں اور یہ آفتاب پرست تھے کیانہ دور میں کھراسپ کے زمانہ میں بخت نصر بابلی نے بیت المقدس کو برباد کیا تھا. اُس کے بعد گشتاسپ کے زمانہ میں بلخ کا مشہور حکیم زردشت پیدا ہوا جس نے ایران میں آتش پرستی کا رواج قائم کیا[1] ان قدیم شہنشاہوں کی تخت گاہ اصطخر PERSEPOIS تھی اور ساسانیوں نے اپنے زمانے میں اپنا اپنا دارالسلطنت مدائن CTESIPHON تعمیر کروایا تھا. پھر جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کیا تب انہوں نے اپنی تخت گاہ رئے RAI کو مقرر کیا. ان آتش پرستوں کے زمانہ میں سندھ لیکر سمرقند اور قفقاز تک جا بجا آتش خانے تھے جنمیں سے نیشاپور اور کرمان کے آتش خانے معروف تھے اور ان آتش کدہوں کا رواج پاٹلیپوترا (پٹنہ) تک تھا[2]. ان سب باتوں

---

[1] علامہ ابن فقیہ ہمدانی کا بیان ہے کہ مکہ معظمہ کے قریش کو بت پرستی کرتے دیکھ کر بلخ کے برامکہ خاندان والوں نے وہاں ایک بتخانہ نوبہار تعمیر کروایا اس بتخانے کا گنبد ایک سو ہاتھ کشادہ تھا. اُس کے اردگرد ۳۶۰ پجاریوں کے حجرے تھے.

سے ظاہر ہے کہ سمرقند اور ایران اور بلوچستان میں آفتاب پرستی، ستارہ پرستی اور آتش پرستی کا رواج تھا مگر آتش پرستوں کی تعداد زیادہ تھی[1] ۵۳۸ ق.م کیخسرو CYRUS نے بابل کی حکومت پر قبضہ کیا۔ سندھ اور بلوچستان اُس کی سلطنت کے حصے تھے ۵۱۹ ق.م میں بلوچستان ہندوستان کے مغربی حصے دارا کی سلطنت کا بیسواں حصہ تھا اور اس حصہ کی سالانہ آمدنی ۲۷۸۰۰ پاونڈ تھی[2] اور ایک قابل یادگار بات اور یاد رکھنے کے یہ ہے کہ ایرانی سلطنت میں جتنے بھی ممالک شامل تھے وہاں کے باشندے جن میں بلوچ بھی شامل تھے وہ ایرانی لشکر میں یونانیوں سے تھرماپلی THERMOPYLAE کی مشہور جنگ میں بھی لڑے تھے[3] ایرانی بیڑے میں ۵ سو جہاز تھے جن میں سے دو سو یونانیوں نے غرق کر دیئے۔

بلوچستان اور میڈ قوم

نویں صدی ق.م کی وسط میں میڈ MED قوم نے آشور والوں سے جنگیں شروع کیں اور انہوں نے ایک طاقتور سلطنت قائم کی۔ وہ تین قبیلوں میں تقسیم تھے (۱) میڈ

---

[1] مقدمہ تفسیر حقانی میں تمام آتشکدوں کے نام اور اُنکی کیفیت کا ذکر موجود ہے۔

[2] ہندوستان کے قدیم سکے از مسٹر کننگھام ص ۱۱۲۔

ایرانیوں نے اپنی سلطنت کے مشرقی حصے کا نام اوستان کی زبان میں ہندو رکھا تھا جس کو یونانی اپنی زبان کے محاورہ میں انڈ IND کہتے اور آج یہ انڈ یونانی یورپی زبانوں میں انڈیا INDIA کہلاتا ہے جس کے معنی ہیں ہند یا ہندوستان۔

شمیہ (آفتاب پرست) (۲) صحرائی بدوی (۳) عرب میڈ ARIBI MADAI اور ان کی تخت گاہ "اکبتانا" موجودہ ہمدان تھی بقول رالنسن صاحب مدی عرب مرکز سے جدا تھے ان کے ساتھ آرمنی بھی شامل تھے۔ اس ثبوت کے لیے آج بلوچستان کے جنوبی علاقہ میں ارمن بیل یا ارما بیل جو بعضوں کے خیال میں موجودہ لس بیلہ ہے موجود ہے لفظ بیل کے معنی شہر یا آبادی۔ ان کے کمران میں داخل ہونے کے وقت بقول ہیرو ڈوٹس مکران کے باشندے جنگجو تھے اور یہ وحشی قوم جاٹوں کی تھی۔ مذکورہ دونوں قومیں عربوں کے زمانے تک یا تو آپس میں لڑتی رہیں اور یا سخت فساد کرتی تھیں۔ یہ مدی قوم آج بھی بلوچستان میں موجود ہے۔ میڈیا کا عروج ۶۰۰ ق م میں ہوا۔

دارا اوّل اور سکندر

۴۸۸ - ۵۲۱ ق م دارا اول کے زمانے میں ایرانی شہنشاہت نے بڑی ترقی کی مشرق میں پنجاب اور سندھ سے لے کر مغرب میں تھریس اور افریقا کے شمالی ساحل تک اس کی حدود تھی۔ دارا کے عروج کی خبر "نقش رستم" سے پڑھ سکتی ہے ۳۳۲ء ق م اس نے مغرب کے مشہور فاتح اسکندر مقدونی سے اربیلا کے ہولناک معرکے میں شکست کھائی اور ہندوستان کا پھاٹک مغربی تاریخ کے لیے کھل گیا ۳۲۶ء ق م سے لے کر ۲۵۰ء ق م جین اور بدھ فرقوں نے ہندوستان میں ترقی کی ان کا اثر سندھ کابل اور بلوچستان تک پھیل گیا بلکہ پنجاب اور کشمیر سے آگے نکل کر چین تک پہنچا اس وقت بلوچستان اور افغانستان میں بدھ مت کے آثار جا بجا پائے جاتے ہیں افغانستان میں بامیان کے غاروں کے بت موجود ہیں۔

اسکندر مقدونی کا حملہ

ایران میں کیانوی شہنشاہت کا خاتمہ کرنے کے بعد ۳۲۷ء ق م۔ اس نے کابل اور سوات

کے راستہ سے پنجاب پر حملہ کیا۔ بعدازں دریائے سندھ کے راستہ سے وہ اپنے وطن کو واپس لوٹا۔ اس نے یونانی فتوحات کی یادگاریں بعض شہر آباد کروائے جواب بھی موجود ہیں (مثلاً جہلم، اسکندریہ (اُچ) ٹپالینی یا پٹالہ جو دریائے سندھ کے ڈیلٹا پر تھا جس کو بعض مورخین موجودہ ٹھٹھ تسلیم کرتے ہیں [۱]

اسکندر کی واپسی

ہندوستان کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنا بحری لشکر اپنے امیر البحر نیرکوس NEARCHOS کے ماتحت مکران کے ساحل سے خلیج فارس کو روانہ کیا۔ ایریان ARIAN کا بیان ہے مکران سے گزرنے کے وقت یونانی لشکر کو بڑی دقت پیش آئی کیونکہ یہ ساحل ویران تھا۔ اسکندر خشکی کی فوج کو اپنے ساتھ لے کر درۂ مولا MULA سے گزر کر سیستان کے راستے ۳۲۳ء ق۔م سوسا SUSA پہنچا [۲] بابل پہنچ کر ۳۲۱ء ق۔م وہیں فوت ہوا اس کے دو جرنیل یوڈاموس EUDAMUS اور پیتھان PEITHON جو پنجاب اور سندھ کے گورنر تھے۔ انہوں نے مذکورہ ممالک کو لوٹ کر بلوچستان میں آکر دم لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مگدہ میں موریا خاندان والوں کی سلطنت تھی جن کے ساتھ جنگ کرنے کی یونانیوں کو طاقت نہ تھی ۳۱۵ء ق۔م پنجاب میں یونانی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ جو بھی یونانی ہندوستان میں رہ گئے انہوں نے موریا راجا چندر گپت کے اقتدار کو تسلیم کیا اس خاندان کی سلطنت مشرق میں پاٹنا سے لے کر مغرب میں ہندوکش پہاڑ تک تھی۔

---

[۱] ہندوستان اور مغرب کے درمیان اختلاط از راولنسن ص ۲۷

[۲] تاریخ ہندوستان از اے ڈبلیو تھامپسن ص ۴۱

[۳] ہندوستان اور مغرب کے درمیان اختلاط از راولنسن ص ۲۸

اسکندر کے زمانہ میں بلوچستان کے حصے

اسکندر مقدونی کے زمانہ میں مشرقی یونانی شہنشاہت کے اس طرح تھے

(۱) ہرکینیا HYRCANIA، بحیرہ خضرہ کا جنوبی اور مشرقی حصہ ہے (۲) میڈیا خراسان سے لے کر شمال میں آرمینیا تک اور جنوب میں خلیج فارس تک (۳) پرسیز PERSIS، فارس (۴) کرمانیا CARMANIA، کرمان (۵) پارتھیا PARTHIA، خالص خراسان (۶) آریا ARIA ہرات سے لے کر کابل تک (۷) بختریا BACTRIA، بلخ جس میں جیحون اور صغد کے علاقے شامل تھے (۸) درنگیانا DRAGIANA، قندہار سے لے کر پیشاور اور پنجاب تک (۹) آچوسیا ARCHOSIA، مشرقی بلوچستان اور سندھ (۱۰) گیدروشیا GEDROSIA، مکران، سراوان اور جھلاوان اسکندر کے مرنے کے بعد یونانیوں کی مذکورہ عظیم الشان سلطنت ٹوٹ کر پرزے پرزے ہوگئی اور اس کے سپہ سالاروں میں تقسیم ہوگئی۔ مشرقی حصہ جس میں عراق، الجزائر، ایران، افغانستان اور بلوچستان شامل تھے وہ سیلیوکس نیکاٹر SELUKUS NIKATOR کے قبضہ میں آگیا ایشیا کوچک، تھریس، مقدونیا اور یونان انٹی گونس کے حصے میں آئے۔ باقی شام، فلسطین اور مصر پر بطلیموس کی حکومت قائم ہوئی۔ اور یہ تمام جرنیل آپس میں لڑتے تھے۔ اسی وجہ سے اُن کی حکومتیں کم طاقت ہونے لگیں۔ مثال کے طور پر سیلیوکس نے انٹی گونس کے خلاف جنگ کی تو اس نے موریا خاندان کے راجا چندر گپت سے امداد مانگی تھی جس کے عوض آرچوسیا اور گیدروشیا کے علاقے اُس نے موریا راجا کے حوالے کر دیئے۔ [1]

---

[1] ۱: انٹر کورس بٹوین انڈیا اینڈ ویسٹ از رالنسن "باب موریا حکومت" ص ۳۸

بلوچستان میں بدھ مت کی تبلیغ

۲۷۲ء ۲۳۲ ق۔م، موریا خاندان کے تیسرے راجا آسوکا نے جس کی سلطنت کے اندر نیپال، افغانستان، کشمیر کا ایک حصہ اور بلوچستان تھے اس نے مصر شام اور مقدونیا کو اپنے بھکشو (داعی) روانے کئے اسی طرح ان ممالک کے سفیر اس کی دربار میں رہتے تھے. چنانچہ سلیوکس کی طرف سے میگستھنیز MEGASTHENES اور مصر کے بطلامر حکمران کی طرف سے فلاڈیلفیوس PHILADELPHUS اُس کے دربار میں سفیر تھے. آسوکا نے اس دھرم کی اشاعت کتبوں کے ذریعے کرائی چنانچہ بدھ دھرم نہ فقط ہندوستان میں پھیل گیا بلکہ وسط ایشیا اور چین تک پھیل گیا۔ ان سب باتوں کے حالات میگستھنیز نے دیئے ہیں جس نے شمالی بلوچستان سے روانہ ہو کر ٹیکسلا، جہلم ہستنا پور، انوپ شہر، قنوج، پریاگ اور پاٹنا تک سفر کیا[۱]۔ موریا خاندان کے راجاؤں کے زمانہ میں ہندوستان کی تجارت نے خیبر، بولان اور مکران کے راستوں سے بڑی ترقی کی چندر گپت نے سیلوکس نکیٹار پر حملہ کیا تھا تب اس کی فوج میں .... ہم سپاہی تھے جن میں بلوچستان کے اور باشندوں کے علاوہ بلوچ بھی شامل تھے۔

بلخ کی یونانی حکومت

بلخ جسکو بعد میں عہد اسلامی میں عربوں نے ام البلاد نام رکھا ۲۰۸ء ق۔م میں ایک آزاد حکومت تھی اور اس کی حدیں کرمان تک تھیں ۲۳۱ء ق۔م آشوکا عظیم کے مرنے کے بعد اس کا لڑ دسرتھا تحت پر بیٹھا مگر وہ کمزور تھا۔ ۱۸۴ء ق۔م اُس کے امیروں میں سے پشیا مترا نے سنگا SANGA خاندان حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس ردوبدل

[۱]: بدھ مت کے بیے دیکھو تاریخ پنجاب از سید عبدالطیف صاحب

کی وجہ سے یونانی باختری GREECO-BACTRIAN حکومت نے زور پکڑا ۱۹۰ءق م
یوتھی ڈیموس EUTHYDEMUS کے بیٹے دیمیں ٹریوس DEMETRIUS نے بلوچستان
سندھ اور سوراشٹر (گجرات اٹک ممالک فتح کئے اس کی تخت گاہ سگالا SAGALA
(سیالکوٹ) تھی ۱۵۶ ق م وہ اپنے بیٹے ہیلیاکلس کے ہاتھوں مارے گئے اس
کے بعد بلخ کی حکومت کمزور ہونے لگی. ایک طرف پارتھیا (خراسان) والوں نے
بلوچستان اور سندھ کے علاقے چھین کر اپنے قبضے میں رکھے دوسری طرف ساک
SAKAS قوم نے آمو دریا کو عبور کر کے حملے کرنے شروع کر دیئے. غرض بلخ کے
یونانی HELLENIC. حکمرانوں کی باہمی جنگوں سے بلخ کی حکومت ٹوٹ کر پرزہ پرزہ
ہوگئی اور بعد میں اس پر جیتنے بھی حکمرانوں نے حکومت کی وہ ہندی-یونانی GREEK-
INDO. کہلانے لگے کیونکہ ان کی ہندوستان کے راجاؤں سے رشتہ داری تھی ساک
قوم نے ہندوکش پہاڑ تک ملک سر کر لیا. انڈو. یونانی حکومت تقریباً چالیس حصوں میں تقسیم
تھی اور اس کے دائرے میں فقط سندھ اور پنجاب کے علاقے تھے اور یہ دو صدیوں
تک قائم رہی ان حکمرانوں سے مینڈر MENANDER یا ملندا مشہور ہوگیا جس نے بدھ
دھرم اختیار کیا تھا. کابل اور قندھار اُن کے قبضے میں تھے. اُس کی حکومت کا زمانہ
۱۵۰ء ق م تھا' اس نے متھرا' جتور اور پاٹنا تک حملے کئے تھے اس کے مرنے کے
بعد یونانی حکومت کا خاتمہ ہوگیا.

ساک قوم

ساک قوم جس کو یوئی. چی YUEH-CHI کہتے ہیں. وہ چین
کے مغرب سے دریا جیحون کو عبور کر کے ۱۶۵ء ق م بلخ

ملاحظہ ہو گورس بیٹوین انڈیا اینڈ ویسٹ اذ رالنس ڈ میٹریوس نے شمالی بلوچستان اور سندھ میں شہر تعمیر کرائے

سے ہوکر شمالی بلوچستان میں ہیلمند ندی کو پار کر کے سیستان تک پہنچے انہوں نے اپنی یاد
گار کے لیے سیستان پر ساکستانا SAKASTHANA نام رکھا ۱۲۶ء ق م وہ مالوہ
گجرات تک پہنچے ۱۰۹ء ۱۸۵ء میں اُن کی حکومت کا خاتمہ ہوا ان میں سے بعض مکران کی
ساحل پر آباد ہوگئے ۔ جاٹ ان میں سے تھے ۔

سائدین یا پارتھی

سائدین یا پارتھی PARTHIAN یہ پارتھیا کے رہنے والے
پارتھیا مغربی ایشیا کے اُس علاقہ کو کہتے ہیں جو بحیرہ خضر
جنوب مشرقی حصہ ہے ۔ اب خراسان کا شمالی علاقہ ہے ۔ البرز کا سلسلہ کوہ اسی علاقہ میں
ہے ۔ یہاں کے باشندے بہادر تھے ۔ اُن کا مشغلہ ہی لڑائی تھا ۔ تیر اندازی میں ان کو
کمال حاصل تھا اُن کا ہتھیار ہی کمان ہوتی تھی ۔ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے ۔ ان
تیروں سے ایسا سخت حملہ کرتے تھے کہ کوئی ان کی تاب نہیں لاسکتا تھا ۔ کمان ہمیشہ
شانہ پر رکھتے تھے ۔ اور پس پشت تیر چلاتے تھے ۔ دس ۔ پانچ تیروں کے بعد اس
طرح بھاگتے تھے کہ گویا شکست کھائے ہوئے ہیں، دشمن خوش ہوکر ان کا تعاقب
کرتا تھا ۔ اور یہ پھر اُن پر تیروں سے حملہ کرتے تھے ۔ دوران جنگ میں کئی کئی مرتبہ
بھاگ اُٹھنے کا بہانہ کرتے تھے اور دشمن کو دھوکا دے دے کر کسی دشوار گزار
مقام میں پھنسا کر سب کو وہیں کھیت رکھتے تھے ۔ یا ترکشوں کے خالی ہوجانے

نمبر ۱: ہسٹری آف انڈیا از اے ۔ ڈبلیو تھامپس ص ۶۵

نوٹ: ۱۲۰ء سے کر ۱۶۰ء تک ۔ یو ۔ چی ۔ قوم کی ایک شاخ کشان KUSHAN
نامی جس کا بادشاہ کنشکا تھا ۔ اس نے پامیر کرا کرم، پنجاب، کشمیر اور مشرقی ترکستان پر حکومت
کی ۔ اس کا خاتمہ ہن HUN، قوم نے آکر کیا تھا ۔

پر تو ایک ایک کر کے مرجاتے تھے [1]

ساک کے بعد سائدین SCYTHIAN یا پارتھیوں کی خراسان میں حکومت قائم ہوئی وانانیس VONONES نامی سائدین نے بلوچستان اور قندھار میں حکومت قائم کی اس خاندان میں سے گنڈوفریس GODOPHARES نے ۱۵۵ء میں عیسائی مذہب اختیار کیا تھا۔ یہ عیسوی پہلی صدی کا زمانہ تھا۔ ایسا بیان کرتے ہیں کہ قندھار کے شہر کی بنیاد اس قوم نے رکھی تھی وہ اکثر بدھ دھرم کے تھے۔ وہ وادی ہلمند اور خراسان تک پھیل گئے اور بعد میں انہوں نے اسلام اختیار کیا [2]

ایرانیوں کا دوبارہ زور پکڑنا

اسکندر مقدونی کے سپہ سالاروں میں سے سلیوکس موصل کی جنگ میں اشکان بن دادا کے ہاتھوں قتل ہوگیا اس واقعہ کے بعد کچھ برسوں تک ایران میں طوائف الملوکی کا زور رہا مگر بعد میں سب کو اُسے حاکم تسلیم کرنا پڑا۔ اُس کے نام پر ایران میں اشکانیہ دور شروع ہوا۔ اُس نے بنی اسرائیلوں کے خلاف حملے کئے اُس کے مرنے کے بعد اس کا چچا جوردس برس تک حکمران رہا اسی کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے اشکانیہ دور میں، اشک، جوز، سابور، فیروز، ہرمز، اردن، یلادش اور اردوان حاکم ہوگزرے

ساسانی دور

کارنامک میں یہ عبارت ہے کہ اسکندر رومی کی وفات پر ایران میں ۲۴۰ مختلف گروہوں کے لوگ حکمران تھے، اردوان اِن

---

[1] انجاد الاندلس جلد اول اُردو ترجمہ منشی محمد خلیل الرحمٰن صاحب باب پنجم۔ ص ب۔ ت ا۔

سب سے سربرآوردہ تھا اور اصفہان، فارس اور قرب جوار کے حصہ پر قابض تھا۔ اردوان کی طرف سے فارس کا گورنر تھا اور اصطخر میں رہتا تھا۔ ساسان جو بہمن دست کی پانچویں پشت میں تھا اور دارا ابن دارا کی اولاد میں تھا اسکندر کے برسر میں بھاگ کر گڈریوں میں جا ملا تھا پاپک کو یہ بات معلوم نہ تھی۔ پاپک نے خواب دیکھا ساسان نسل شاہی سے ہے اس سے وہ بلطف وخوشی پیش آتا ہے۔ اپنی بیٹی کی اس سے شادی کرتا ہے۔ اردشیر اس کے بطن سے پیدا ہوا اس نے آشکانیوں کو شکست دی ایران کی سلطنت پر قبضہ کر لیا مگر بلوچی کردوں نے اس کو شکست فاش دی ساسانی کی ابتدا میں یہاں پہلی مرتبہ ایران کی تاریخ میں بلوچوں کا سراغ ملتا ہے کہ وہ کردستان کے پہاڑوں میں بستے تھے۔[1]

اس خاندان کی حکومت کا بانی اردشیر بابکان تھا۔ جسنے ۲۲۶ء میں ساسانی خاندان کی شہنشاہیت کی ایران میں بنیاد ڈالی۔ بلوچستان اور سندھ پھر دوبارہ ایرانی شہنشاہیت کے ماتحت ہو گئے اور مغرب میں رومن شہنشاہیت نے زور پکڑا۔ اس خاندان کے تاجداروں میں سے خسرو اوّل نوشیروان کی سلطنت کے ۴۲ سال میں یعنی ۱۲ اپریل میں آنحضرت صلعم دنیا میں رونق افروز ہوئے۔ اس زمانے میں تمام براعظم ایشیا میں ایران کا زور تھا۔ مغرب میں رومن شہنشاہیت دو حصوں میں بٹی ہوئی تھیں (۱) روما اکبر (۲) بیزنطوم اوّل الذکر کی تخت گاہ روما ROME تھا اور آخر الذکر کی تخت گاہ شہر قیصر قسطنطنیہ تھا۔

شام، فلسطین اور مصر اس کے ماتحت تھے۔ مشرق میں دریا جیحوں OXUS

---

[1] شعر العجم جلد اول از شبلی نعمانی داستان اردشیر ص ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۰

لے کر سندھ و دریا تک اور عراق تک ساسانی حکومت تھی ۲۰۰ء میں موریا خاندان کے زوال کے بعد ہندوستان میں گپتا GUPTA راجاؤں کا زور تھا۔ زور تھا' سندھ' سوراشٹر' مالوہ اور کوکن اجین کے راجا وکرماجیت کے حکومت کے حصے تھے ۵۰۰ء میں یہ حکومت ہن HUN قوم کے حملوں سے برباد ہوگئی کیونکہ انہوں نے پنجاب اور مالوہ تک ملک فتح کیا تھا۔ اُن کے دو تخت گاہ تھے (۱) ہرات (۲) سیالکوٹ۔ گپتا خاندان کے زوال کے بعد کاٹھیاواڑ میں ولابھی راجاؤں نے زور پکڑا ۱؎ ۶۳۳ء میں راجا ہرش جس کی تخت گاہ قنوج تھا وہ اس زمانہ میں ہندوستان کے تمام راجاؤں میں طاقتور تھا چنانچہ آسام سے لے کر کاٹھیاواڑ تک اس کی حکومت تھی ۶۴۸ء میں قنوج کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور عربوں کے حملے تک ہندوؤں کی جدا جدا حکومتیں تھیں۔ مثلاً چولا' پانڈیا' پھلو اور چالوکیا دکن میں اور رائے خاندان سندھ میں جس کی سرحد کچھی اور قندھار تک تھی کرناٹک میں لنگھا والوں کی حکومت تھی ۱؎ یہ وہ زمانہ تھا جب آفتاب اسلام کی شعاعیں بطحا کے پہاڑوں سے نکل کر دور دور تک ضیاپاشی کرنے لگے

نوشیروان کے زمانہ میں بلوچوں کی بغاوت

شاپور ثانی بڑا ظالم تھا اس نے نہ فقط بلوچوں

۱؎: ہندوستان قدیم کے دو جلد از مسٹر آر۔ سی دت۔ اس صاحب نے دونوں جلدوں میں ہندوستان کے ہندو راجاؤں کے مختلف خاندانوں کا ذکر کیا ہے۔ نوشیروان کے زمانے میں بلوچوں نے ایک زبردست بغاوت کھڑی کی جس کا سرا ایلم سے لے کر گیلان اور البرز پہاڑ تک تھا آگے چل کر ہم قیام کیفیت بیان کریں گے ایلم دجلہ دریا کے مشرقی علاقے کا نام تھا یونانی جاگرافی والوں نے اسے میڈیا نام رکھا تھا گیلان بحیرہ خضر کا مغربی حصہ کا نام تھا یونانیوں نے [illegible] پر ہیرکینیا نام رکھا تھا ایلم کے لیے دیکھو تاریخ ملل قدیمہ مترجمہ مرزا محمد علی ص ۱۰۷۔

ظلم کئے بلکہ روما کے قیاصر کو بھی شکستیں دیں. خاص کر قیصر ویلیریان VALERIAN کو ایڈیسا کے معرکہ میں قید کر کے وہ اپنے ساتھ پھراتا رہا بقول علامہ ایڈورڈ گبن وہ جب گھوڑے پر سوار ہوتا تھا قیصر کے کاندھے پر قدم رکھ کر پھر سوار ہوتا تھا[1] آخر اس شرمناک قید میں رہ کر اُس نے ذلت میں دم توڑا. ساسانی دور میں بلوچ قلمرو ایران میں پھیلے ہوئے تھے خاص کر نوشیروان کے زمانہ میں انہوں نے عیلم ELAM والوں سے دوستی کا گانٹھ کر شمال میں بحیرہ خضر کے جنوبی مغربی علاقہ گیلان GILAN والوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا. کرمان کے رہنے والے عرب قبائل میں سے بنو قیس اور بنو تمیم والوں نے بھی اپنے بھائیوں کی ہم وطنی کے سبب سے طرفداری کی غرض کرمان سے لے کر ماژندران تک جتنے بھی بلوچ خانہ بدوش قبائل تھے. انہوں نے بغاوت کا علم بلند کیا عیلم اور گیلان والے بھی اس عظیم الشان بغاوت میں اُن کے ساتھ شامل ہو گئے یہ ۵۳۱ء کا زمانہ تھا. ابوالقاسم فردوسی نے مذکورہ حقیقت کو شاہنامہ میں بیان کیا ہے جس کو رائے بہادر ہیتو رام صاحب نے بھی اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے اور وہ اس طرح ہے[2]

ہمیرفت آگاہ آمد بشاہ — کہ گشت از بلوچی جہانے بتاہ
زبس غارت و کُشتن و تاختن — زمین را بآب اندر انداختن
زگیلان تباہی فزون ست ازین — نفرین پراگندہ گشت آفرین

[1] دیکھو تاریخ زوال روما از ایڈورڈ گبن جلد اول.

[2] حسن بن اسحاق شرف مخلص فردوسی طوس کا باشندہ تھا اور سلطان محمود غزنوی کے دربار میں شاہنامہ ایران تصنیف کرنے پر مامور تھا ۴۱۱ھ میں اُس نے وفات کی شعر العجم از شبلی نعمانی جلد اول ص ۸۳ تا ۹۳

یہ شعر رائے بہادر ہیتو رام نے بلوچوں کی قدامت سے متعلق پیش کیا ہے [illegible] امیر حمزہ کی اولاد میں

دل شاہ نوشیروان شد غمی | برآمیخت اندوہ با خرمی
بایرانیان گفت الان وہند | شد از بیم شمشیر ما چوں پرند
بشندہ بنالیم با شہر خویش | ہمہ شیر جوئیم پیچان زمیش
بدو گفت گویندہ کای شہریار | بپالیز گل نیست بے رنج خار
ہمان مرز تا بود با رنج بود | ز بہر پراگندن گنج بود
ز کار بلوچ ارجمند اردشیر | بکوشید با کار دانان پیر
بند سودمندے با فسوں و رنگ | نہ از بند و رنج و نہ پیکار و جنگ
ز گفتار دہقان برآشفت شاہ | بسوے بلوچ اندر رش باگروہ
چو آمد بنزدیک آن برز کوہ | بگرد اید گردانہ رش باگروہ
بدانکوہ گرد اندر آمد سپاہ | کہ بستند بر مار و بر مور راہ
ہمہ دامن کوہ تا روے شخ | سپہ بود بر سان مور و ملخ
منادی گرے گرد لشکر بگشت | خروش آمد از کوہ و از غار و دشت
کہ ہرگز بلوچی نیابند خورد | جو از تیغ داراں و مردان گرد
دگر انجمن باشد از اندکے | نباید کز ایشان رہائی یکے
چو آگاہ شد لشکر از حکم شاہ | سوار و پیادہ ببستند راہ
از ایشان فراوان و اندک نماند | زن و مرد جنگی و کودک نماند
برا سر بشمشیر بگذاشتند | ستم کردن لوچ برداشتند
بشد ایمن از رنج ایشاں جہاں | بلوچی نماند آشکار و نہاں
چناں بد کہ بر کوہ ایشاں گلہ | بدی بے نگہبان و کردہ یلہ
شبانے نبودے بر گوسفند | بہاموں و بر تیغ کوہ بلند

بلوچی گم شدہ تاریخ عالم کے اوراق پریشان جمع کرنے اور شیرازہ بندی کرنے کے لیے
مذکورہ اشعار ثابت کرتے ہیں کہ ہمارے دعوئی کے مطابق بلوچ کہاں کہاں تک پھیلے
ہوئے ہیں۔ پھر ایک بڑا ثبوت اس شعر سے ملتا ہے کہ وہ اس زمانے میں جدا جدا
قبیلوں میں تقسیم ہوتے نظر آتے ہیں۔ یہ اُن کے قبیلے جدا جدا بولکوں اور سرداریوں
میں نظر آتے ہیں اور ساتھ ہی فردوسی کی نظر میں وہ بڑے غارت گر تھے۔ اسلام سے
پہلے اس قوم کے بگڑ جانے سے ہفت اقلیم کی شہنشاہت کے ستون ہل جاتے تھے مگر
ان سب برائیوں کے باوجود اگر ہم سطحی نظر سے اُن کا جذبۂ ہم وطنی اور جذبۂ قومیت
کا اندازہ لگا دیکھیں گے تو یہ تمام قبیلے ایک نام سے پکارے جاتے ہیں یعنی بلوچ

خسرو پرویز کا زمانہ — بلوچوں کی سیاسی پالیسی

۵۷۹ء میں نوشیرواں کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا
ہرمز تخت پر بیٹھا اُس کی آنکھیں اُس کے سالے نے نکال کر اُس کو نابینا کر دیا
اس لئے اس کے جیتے جی اس کا لڑکا خسرو پرویز تخت ساسان کو رونق دی ۵۹۱ء
میں اُس نے بہرام کو شکست دی ۶۱۰ء میں حضور سرور کونینؐ معبوث رسالت ہوئے
عرب کے جتنے بھی اُس وقت قبائل تھے۔ وہ سب سیاسی پالیسی میں دو طاقتوں میں تقسیم
تھے۔ اُن میں بعض زبردست قبائل تو ایران کے طرف دار تھے اور بعض جنگ آزما
قبائل سلطنت روما کے رفیق تھے۔ اس لیے جب بھی کوئی اندرونی فساد رونما ہوتا
تھا یا ان طاقتوں کا آپس میں جب بھی تصادم ہوتا تھا تو یہ عربی خون آشام تلواریں ہوتی
تھیں جو جنگ کے میدانوں کو لالہ زار بنا دیتی تھیں گذشتہ نوشیروانی انقلاب میں آپ

نمبر ۱: زوال ایران از پیر غلام دستگیر نامی ص ۸۰ و جناب پیر صاحب اس ناچیز کے ہمعصر اہل قلم ہیں۔ تعارف کروا چکے ہیں

نے دیکھا کہ بنو قیس اور بنو تمیم کے ایرانی ما قسم عربی قبائلوں نے بلوچیوں کا ساتھ دیا بنو تمیم والے خاص قریش کے ممتاز قبائل میں سے تھے۔ اس بیان سے معلوم ہوگا کہ بلوچوں کے قبیلے جو مختلف بولکوں میں منقسم تھے وہ عرب کے ممتاز قبیلے میں سے ہوں گے۔ کیونکہ بلوچ اپنی نسبت کو جس غلط طریقے سے امیر حمزہ صاحب قرآنؓ تک پہنچتے ہیں اس بارے میں اُن کا خاص مطلب یہی ہے کہ وہ قریش ہیں۔ شام میں عیسائیوں کی سلطنت تھی اسلئے وہاں کی سرحدی جتنی بھی عرب آبادیاں تھیں اُن میں سے لخم، جزام، عاملہ، مذحج، بھرا، سلیح وغیرہ والوں کا مذہب عیسائی تھا۔ اُن کے سردار "غسان" کہلاتے تھے۔

بنو غسان والے اسماعیلی اُن کو آل جفنہ بھی کہتے ہیں۔ ابو طاہر مقدسی کتاب البدء والاخبار میں لکھتا ہے کہ اُن کا نسب حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے حمزہ اصفہانی نے غسانیوں کی مدت حکومت ۶۰۰ برس لکھی ہے۔ اس بنا پر اُن کا ابتدائی زمانہ پہلی صدی مسیحی ہوگا۔ ابو الفدا نے ان کی مدت ۴۰۰ قرار دی ہے اور یہ صحیح ہے ۲۲۶ء میں اردشیر بابکان ساسانی کا ظہور ہوا اُس نے رومیوں سے ٹکر کھائی اور تین صدیوں تک برابر باہم زور آزما رہی۔ غسانیوں کا مذہب عیسائی تھا اس لئے۔ وہ رومیوں کے ساتھ تھے۔ حارث بن جبلہ رومیوں کی نظر میں بڑا ہیرو تھا اس نے ۵۲۸ء اور ۵۳۱ء میں رومیوں کے ساتھ ایرانیوں کی لڑائی میں نہایت ناموری حاصل کی ۵۶۳ء میں قیصر روم کی ملاقات کو قسطنطنیہ گیا خسرو پرویز کی اولو العزمیوں نے پندرہ برس تک دامن فرات سے وادی نیل اور ساحل باسفورس تک ہر جگہ خاک اُڑا دی شام میں رومیوں کی شکست نے ۶۱۳ء میں غسانیوں کی بساط اُلٹ دی قرآن مجید کی یہ پیشگوئی جو سورۂ روم میں ہے۔ اسی موقعہ کے متعلق ہے۔ آرمینیا، شام، مصر، ایشیائے کوچک ہر جگہ صلیبی علم کی بجائے درفش کاویانی لہرا رہا تھا۔ ایرانی قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے

بڑے تھے، ہرقل قیصر روم، قسطنطنیہ سے فرار کا سامان کر چکا تھا۔ اسی طرح عراق میں تغلب اور تنوخ کے زیر دست ذد قبائل عیسائی تھے حیرہ کے عرب امیروں کے گھروں میں عیسائی عورتیں تھیں اور یہ سلسلہ عرب کے قلب و جگر میں میخ کی طرح گڑا ہوا تھا چنانچہ نجد میں طئی کا قبیلا اور بنو اسد قریش میں سے بھی عیسائی تھے۔ ان قریشوں میں سے ورقہ بن نوفل عیسائی کا نام صحیح حدیثوں میں بھی ہے جنوب میں یمن کے بہت سے قبائل عیسائی تھے۔ یہاں نسطوری NESTORIAN اور یعقوبی عیسائیوں کے فرقے تھے مگر چونکہ یمن، عمان اور حیرہ کے علاقے ساسانی حکومت کے ماتحت تھے اس لیے یہاں کے قبائل زیادہ تر مجوسیت کے زیر اثر تھے مجوسیت کی جڑیں بھی سخت تھیں وہاں اس مذہب کا رواج کیقباد کے زمانے سے جاری ہو چکا ہے عرب مورخوں میں سے ابن کیتبیہ نے کتاب "معارف" میں عربی مجوسی قبائل کے تمام نام بتائے ہیں[۱] ان طاقتوں میں بلوچ قبائل جو ایران میں کیکاؤس اور کیخسرو کے زمانہ سے رہتے تھے اُن کا رویہ رومن شہنشاہیت کے خلاف تھا عیسائیت اور مجوسیت کے مقابلہ میں اُن کو ساسانیوں سے ہمدردی تھی اور یہی آل غالب کی کیسان پالیسی تھی ان کو عیسائیوں سے عام نفرت تھی کیونکہ یمن کے حبشی بادشاہ "ابراہمۃ الاشرم" نے خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے حملہ کیا تھا اس کے ہاتھیوں کے لشکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ابابیل جیسے کمزور پرندوں کے ہاتھوں تباہ کر دیا[۲] اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب بھی ایران اور روما کی آپس میں ٹکر لگتی تھی اکثر عرب قبائل ایران کی طرف داری کرتے تھے[۳]

---

[۱] تمام کیفیت کیلئے دیکھو سیرۃ النبی جلد[۱] قریش کی مخالفت کے اسباب از مولانا شبلی نعمانی

[۲] سیرۃ النبی جلد اول اصحاب فیل کا معرکہ قرآن حکیم میں وضاحت سے ذکر ہے۔

[۳] تاریخ زوال روما از ای۔ گبن جلد ۷ ص ۷

خسرو پرویز کا بیت المقدس پر حملہ اور عربوں کی مخالفت

۶۱۱ء تک عربوں کا میلان سیاسی نقطہ نظر سے ایران کی طرف تھا مگر جب مذکورہ سن میں اُس نے بیت المقدس پر زبردست ایرانیوں کا لشکر لے کر پہلے ایشیا کوچک پر حملہ کیا یہ ایک زبردست واقعہ ہے اس حملہ میں بیت المقدس برباد ہو گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب اس حملہ میں خسرو پرویز کے طرف دار نہ تھے. علامہ گبن کا بیان جو ایک عیسائی مورخ ہے. اس تباہ کن حملے کا الزام ایرانیوں پر جن موثر الفاظ میں پیش کرتا ہے وہ اس طرح ہے۔

"نوشیروان کے پوتے پرویز نے اپنی حرص پوری کی ۲۶ ہزار یہودیوں نے ایرانیوں کی مدد کی تین سو سال سے نذر و نیاز کا جمع شدہ خزانہ بے حرمت ایرانیوں نے ایک ہی دن میں لوٹ لیا۔ نوے ہزار بے گناہ عیسائی وحشی ایرانیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے"[1]

اور دنیا شاہد ہے کہ اس خونخوار جرار لشکر نے مصر کے اہراموں تک تھلکہ مچا رکھا تھا[2] روما سے اس قسم کی جنگوں کا سلسلہ ۶۲۸ء تک جاری تھا کہ ۸ھ میں آنحضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت کے خطوط دنیا کے بادشاہوں کے درباروں میں روانہ فرمائے. کلمۃ الحق کی یہ پہلی ضرب تھی کہ جو حضرت سرور کونین علیہ صلوٰۃ وسلم نے کسریٰ کے دماغ تک پہنچائی چونکہ حق و باطل کی جنگ نے ایک ایسی انوکھی پالیسی اختیار کی جو ان طاقتوں کے ماتحت جتنے بھی بلوچ قبیلے تھے. ان کو اسلام سے ہمدردی

1۔ ۶۱۳ء میں خسرو پرویز نے مصر کو بھی سر کیا تھا۔

2۔ تاریخ اسلام از مولانا اکبر شاہ خان صاحب جلد اول ص ۲۰۵

لازمی طور رکھنی پڑی کیونکہ قرآن نے اُن کو بتایا کہ تم سب آپس میں بھائی ہو حضرت عبداللہ حذافہ رض حضور سرورِ کونین صلعم کا خط مبارک لے کر پرویز کے دربار میں پیش ہوا خسرو نے غصے ہو کر خط مبارک کو پھاڑ کر پرزا پرزا کر دیا۔ حضور رسالت مآب صلعم نے یہ ماجرا سن کر فرمایا کہ عنقریب کسریٰ کی دولت پرزے پرزے ہوگی[1]۔ اس بیان سے آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ بلوچ جو اپنے بالوں کی لمبائی اور سیاہ دراز داڑھیوں کے وجہ سے ایرانیوں میں "سیاہ" کے نام سے مشہور تھے۔ اُن کے لیے یہ محال تھا کہ اُن کے رخ سوئے حجاز نہ ہوں۔ اُن کا ہر ایک سردار رومۃ الکبریٰ اور کسریٰ کے درباروں سے خراجِ شجاعت وصول کر چکے تھے اور پھر لطف یہ کہ میدانِ جنگ میں یہ بلوچ نکلتے تھے تو اُن کے سروں کی کلفیوں میں پر لگے ہوئے تھے۔ اِن قسم کی کلفیوں کا رواج ایرانیوں میں نہ تھا اگر تھا تو بھی پر نہیں لگاتے تھے بدر الکبریٰ کے جتنے بھی مجاہد تے ان کی فولادی ٹوپیوں کی کلغیوں میں شتر مرغ کے پر لگے ہوتے تھے[2]۔ بلوچوں کی تہذیب کا ہم احوال ہر حصے میں پیش کرتے رہیں گے یہ آغازِ اسلام کی باتیں ہیں۔

خسرو پرویز کا خواب

حضور سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش گوئی پوری ہونے لگی، سورۂ روم نازل ہوئی جس نے دو پیش گوئیاں اس طرح تھیں کہ (۱) رومن عنقریب ایرانیوں پر فتح حاصل کریں گے (۲) اور دس برس کے اندر مسلمان کفاروں پر غلبہ حاصل کریں گے۔ پرویز نے خواب میں حضور صلعم سے ایسی ضرب کھائی کہ تین مہینوں تک بستر پر پڑا اور اُس کو کسی پہلو قرار نہ تھا

[1] تاریخ اسلام از مولانا اکبر شاہ خان صاحب جلد اول ص ۲۰۵
[2] اسد الغابہ، بخاری "کتاب مغازی" پر لگانا علمبردار ہونے کی علامت تھی۔

نظامی گنجوی نے اس واقعہ کو "مثنوی خسرو شیریں" میں موزوں الفاظ میں پیش کیا ہے اس کی رانی شیریں نے اس کی پریشانی اور ہیبت کو مٹانے کے لیے بڑے جتن کئے دفائن اور خزائن جو "ہشت گنج" کہلاتے تھے اُن کی سیر کرائی نہ گنج عروس سے اُس کی بہلی اور نہ گنج افراسیاب کے دیکھنے سے طبعیت کو قرار آیا۔ دیبۂ خسروی اور گنج خضرا اس کے لیے زہر ثبوت ہوئے مخفی خزانوں میں سے ان کو ایک سنگ مرمر کی صندوق ہاتھ لگی جس کا قفل سونے کا تھا اُس میں اُس کو ایک سونے کی تختی ہاتھ لگی جس پر یہ عبارت کندہ تھی۔

"ساسان خاندان کے مورث اعلیٰ اردشیر بابکاں کو علم نجوم کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ایک وقت میں ملک عرب میں ایک صاحب قرآن پیدا ہوگا جو زبان میں فصیح، خوب صورت اور ملیح، شجاع، صادق و امین ثابت ہوگا جو بادشاہ اُس کے حکم سے سرتابی کرے گا وہ ذلیل و خوار ہوگا اُس کو آسمانی راز معلوم ہوں گے۔ وہ آخری پیغمبر ہوگا، عقل مند انسان اُس کے آگے نیاز سے سر جھکائیں گے کیونکہ اُس کے ساتھ صلح رکھنے میں فائدے مند ہوں گے۔ اگر کوئی لڑے گا وہ نقصان پائے گا۔" [1]

عبارت کو دیکھتے ہی ہیبت نبوت و پیغمبری سے پرویز کا جگر کانپنے لگا۔ اب اُس کو تسلی ہوئی کہ وہ شہسوار عرب کا پیغمبر تھا جس کو اُس نے خواب میں دیکھا تھا پیش گوئی پوری ہوئی: پرویز کے قتل ہونے کے بعد ایران میں مذہبی فرقہ بندی اور بادشاہ گردی کی وجہ سے ایرانی شہنشاہت کمزور ہونے لگی۔ آخر یہی بلوچ تھے جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی طرف داری کرتے ہوئے آخری کسریٰ یزدگرد کے

[1] زوال ایران از مولانا غلام دستگیر صاحب نامی ص ۱۴، ۱۵

کے زمانہ میں بغاوت کی عربوں نے ایران فتح کیا باقی مغربی بیزانطوم شہنشاہت BYZANTINE EMPIRE، کسریٰ کے سلطنت کے خاتمہ کے بعد ایک ہزار برس تک قائم رہی قسطنطین آخری قیاصر تھا جس سے عثمانی ترکوں کے سلطان غازی محمد فاتح نے ۲ جمادی الاول ۸۵۷ھ بمطابق ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء قسطنطینہ کا شہر فتح کیا اور بیزانطوم سلطنت کے وارث مسلمان بن گئے۔[1]

سندھ کے ہندو حکمران

ساسانی شہنشاہت اسلامی حملے سے تباہ ہونے سے پہلے ہم یہاں سندھ کے ہندو خاندانوں کا ذکر کرتے ہیں جو اسلامی حملے سے پہلے اور اس وقت سندھ پر حکمرانی کرتے تھے سندھ پر رائے خاندان والوں کی حکومت ۴۹۵ء سے لے کر سنہ ۶۳۲ء تک جملہ ۱۳۷ برس قائم رہی۔ اس خاندان میں جملہ پانچ فرمانروا ہو گزرے وہ یہ ہیں (۱) رائے دیواجی (۲) رائے سہاراس (۳) رائے سہاسی اول (۴) رائے سہارس ثانی (۵) رائے سہارسی ثانی، رائے سہارس ثانی کے زمانہ میں سندھ کی حکومت چار حصوں میں تقسیم تھی (۱) برہمن آباد (۲) سیوستان (۳) سکندریہ (اُچ) (۴) ملتان۔ اُن کے زمانہ میں الور جو موجودہ روہڑی کے قریب ہے تخت گاہ شہر تھا یہاں بڑے بڑے مندر اور محلات تھے اور دیول سندھ کا مشہور بندرگاہ تھا۔[2] رائے سہارس ثانی ایرانیوں سے لڑتے

---

[1] سقوط قسطنطنیہ کے لیے دیکھو دولت عثمانیہ از محمد عزیز ایم اے ص ۱۱۳، دارالمعارف اعظم گڑھ۔

[2] شاید یہ دیول یونانی پٹالہ تھا اور بعد میں ۹۶۰ھ سے ابن حوقل بغدادی نے اپنے نقشہ میں اس کو دیبل کے نام سے دیکھا ہے الور دریا الور کا بھی ذکر ہے جو دریائے سندھ کے رخ بدلنے کے بعد ویران ہو گیا برہمن آباد ضلع نواب شاہ میں ہے اور سیوستان موجودہ سیوہن کا نام تھا۔

ہوئے قتل ہوگیا تھا۔ اس کے بعد راءِ سہارس تخت نشین ہوا جس سے حکومت اُس کے برہمن وزیر چچ نے چھین لی راءِ خاندان کے راجا سب بدھ دھرم کے پیرو تھے اور اُن کے زمانے میں سندھ میں بدھ بھکشوؤں (داعیون) کی تعداد اسی ہزار تک تھی[1]۔ ۶۳۲ء میں سندھ میں برہمنوں کی حکومت کا آغاز ہوا اور سندھ میں ایک مذہبی انقلاب پڑ گیا کیونکہ سندھ کی دو قدیم قوموں جاٹ اور لوہانوں میں فساد پڑ گیا کیونکہ یہ لوگ زیادہ تر زراعت پیشہ اور تاجر تھے۔ چچ نے ان سے مذکورہ حقوق چھین لیے[2]۔ چچ کی فتوحات کا دائرہ مغرب کی طرف رہا اس نے ساسانی شہنشاہت کی کمزوری سے فائدہ لے کر مکران اور کچھی کے علاقے سندھ میں شامل کرئے اہل کچھی کو سالانہ خراج میں گھوڑے دینے پڑے اُن برہمن راجاؤں کی سلطنت ۷۱۲ء تک قائم رہی جب غازی محمد قاسم فاتح نے اُس کو ولید بن عبدالمالک کے زمانہ میں آکر فتح کیا۔

بلوچوں نے کب اسلام اختیار کیا؟

بلوچوں نے کب اسلام اختیار کیا اُس کے متعلق کوئی بھی تاریخی ثبوت نہیں مگر اُنکی روایتیں جو زیادہ تر ڈمبکیوں نے بیان کی ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام کے حلقے میں داخل ہو چکے تھے۔ قبل اسلام وہ عرب سے باہر شام، کردستان، عیلم، خضر اور گیلان تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور جنوبی ایران میں شوستر، کرمان، سیستان اور مکران تک اُن کی آبادیاں تھیں۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عرب سے باہر تھے۔ اُن کو قومیت کے جذبے کے سبب

نمبر۲: شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ صاحب اپنی تاریخ خیرپور میں لکھتے ہیں کہ سندھ کے برہمن راجا بھی بدھ دھرم کے پیرو تھے۔

عربوں سے ہمدردی تھی۔ وہ ظاہری مسلمان نہ تھے مگر اندرونی اُن کو اسلام سے ہمدردی تھی چنانچہ جب اسلام کا سیلاب عرب سے نکل کر ایران کی طرف بڑھنے لگا تو جتنے بھی بلوچ تھے وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ مذکورہ دو اسباب کے متعلق اتنا کہنا کافی ہوگا کہ بلوچ اپنی روایتوں میں اپنے کو قریش میں سے امیر حمزہ صاحب قرآن کی اولاد بتلاتے ہیں۔ اور اُن کو حضرت علیؓ سے عقیدت مندی اس قدر ہے کہ وہ اپنے کو حضرت علیؓ کے مرید سمجھتے ہیں اور فخریہ اپنے آپ کو حضور پاک سرورِ کونین علیہ صلوٰۃ وسلم کی اُمت میں شمار کرتے ہیں جیسا کہ اُن کا خود بیان ہے ہم یہاں اُس روایت کو اصلی الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

ما مریدوں یا علی ای	دین ایمان ثبتیں
اُمت اِوں پاکیں نبیؐ ای	کرتھا نا واجھیں
اولاد میریں حمزہ ہوں	سوبھ درگاہا گو دیں

(دفتر شعر ڈومکی)

غرض اسلام سے پہلے عرب میں ہر ایک گھر کا خدا علیحدہ تھا۔ ہر ایک قبیلہ کا سردار علیحدہ تھا اور یہ قبائل آپس میں مصروفِ جدال رہتے تھے۔ گویا تمام عرب معرکہ کارزار تھا مگر اسلام نے اور قرآن پاک کی تعلیم نے اُن کا غرور توڑنے کے لیے ارشاد فرمایا۔

"یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظما بالاباء الناس من ادم وادم من تراب"

"یعنی اے قریش قوم! اب جاہلیت کے غرور اور نسب کے افتخار کو خدا نے مٹا دیا۔ سب انسان آدم کی نسل میں سے ہیں اور آدم مٹی سے بنا ہوا ہے"

عرب کی جتنی بھی منتشر طاقتیں تھیں وہ آپس میں مل کر ایک قوم ہو گئیں قرآن پاک

کے روحانی اثر اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض اور تلقین سے حب فی اللہ کے جذبے سب کو انتہائی اُلفت میں منسلک کر دیا پہلے وہ آپس میں دشمن تھے۔ اب وہ آپس میں اخوان ہو گئے خداوند تعالیٰ کے مذکورہ احسان اور حضرت رسالت مآب صلعم کی تعلیم کو ہم بھول نہیں سکتے جیسا کہ فرمایا ہوا ہے۔

"واذکروا نعمت اللہ اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً"

" خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، خدا نے تمہارے دلوں کو آپس میں گانٹھ دیا اور اس کے لطف و محبت سے تم آپس میں بھائی بن گئے"[1]

یورپی مورخین اور محققین اور مستشرقین نے جب بلوچ جیسی عظیم الشان قوم کے پاس نہ تاریخی اور نہ ادبی زبانی سرمایہ دیکھا تو انہوں نے اس خامی سے فائدہ اٹھا کر اپنے محققانہ اور مورخانہ انداز میں وہ دلائل پیش کئے کہ ڈومبکیوں کے فسانہ رندی کو اور بھی چار چاند لگ گئے اور بلوچ ممتاز قوم کے افراد بڑے عرصے سے اس فسانہ رندی اور یورپین مورخین کے خامۂ موشگافیوں کے شکار ہو رہے ہیں۔ اور یہ مرض بڑھتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اور مشرقی اقوام میں نسلی اور شعبی تعصبات کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی جاتی ہے۔ کبر و غرور سے سیاسی ضعف پیدا ہوتا ہے۔ اور اجتماع اور اتحاد کا مستحکم رشتہ جو اسلام نے ہم کو بتایا ہم اُس کو بھول گئے کیونکہ دنیا دیکھ رہی ہے کہ اس قوم میں وہ پیار روحانی رشتہ نہیں۔ وہ روحانی تعلیم ہم بھول گئے ہیں جس نے خون

---

[1] دیکھو سورۃ آل عمران۔

قرابت اور نسل کی صدیوں کی جڑوں کو اُکھاڑ کر پھینک دیا۔

"انما المؤمنون اِخوۃ۔"[۱]

ہمارے نوجوانوں کو اس قسم کی کتب تاریخ اور علم ادبیات کی ضرورت ہے جو کتاب ہماری قوم کو اجتماع اور اتحاد کی تعلیم یاد دلائے تاکہ وہ انگوروں کے خوشے کی طرح آپس میں منسلک نظر آئیں۔ جیساکہ فرمایا ہوا ہے کہ:

"المؤمنون کرجلٍ واحدٍ ان اشتکیٰ عینہ اشتکیٰ رأسہ اشتکیٰ کلّہ۔"[۲]

یعنی "مسلمان ایک آدمی ہے۔ جب اُس کی آنکھ دکھتی ہے تو تمام جسم میں درد رہے گا۔ اگر اس کے سر میں درد ہوگا تو تمام جسم درد میں مبتلا ہوگا۔"

غرض جو بلوچی قبائل عرب میں موجود تھے وہ اسلام کے حلقے میں شامل ہوگئے باقی اُن میں سے جو بیرونِ ممالک میں تھے اُن پر اسلامی اشاعت نے سلسلہ وار اثر کیا۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے عراق و شام پر حملے کرنے شروع کئے تب حیرۂ عراق اور شام میں جتنے بھی عرب قبائل آباد تھے انہوں نے اسلام اختیار کیا۔ یہ سب حالات تاریخ خمیس، اسد الغابہ، صحیح بخاری اور کتاب الخراج میں درج ہیں۔ اور اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ غنیمت کا جو بھی مال بیت المال میں شامل ہوتا تھا وہ اسلام کی اشاعت پر خرچ کیا جاتا تھا۔[۳] ان تمام بیانوں میں بلوچ قوم کا بھی ذکر آیا

---

[۱]: سیرۃ النبیؐ جلد اول از شبلی نعمانی۔

[۲]: مشکوٰۃ شریف

[۳]: تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۵۔

ہے۔ چنانچہ عہد فاروقی میں بلوچ قوم کی بغاوت سے فتوحات کے ساتھ ساتھ اور بھی وسعت سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ جنگ قادسیہ میں رستم مارا گیا تو اس کے ساتھ دیلم والوں کی چار ہزار منتخب فوج جو خسرو پرویز کے زمانہ سے شاہان ایران کے باڈی گارڈ تھے اور بلوچوں کے ساتھ بغاوت میں شریک تھے کل کے کل مسلمان ہو گئے۔ اور مسلمان ہونے کے بعد مداین اور جلولاء کے معرکہ میں نمایاں حصہ لیا۔[1] قادسیہ کی جنگ میں ضخم، مسلم، رافع اور عشتق قبائل اپنے تمام رفقاء کے ساتھ مسلمان ہوئے اور انہی کے مشورے سے مسلمانوں نے ایرانیوں کے جنگی ہاتھیوں پر قابو پایا۔[2] اصفہان کے حملے کے بعد جب جے فتح ہوا تو آس پاس کے تمام روساء جو اپنے قلعوں میں پناہ گزین تھے مسلمان ہو گئے۔[3] پھر جب قزوین پر حملہ ہوا تو دیلم کی قوم جو پہلے بلوچوں سے سازش میں شریک تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی۔[4] بلوچ اس وقت یزدگرد کے مقدمۃ الجیش میں شامل تھے ان کا بڑا افسر بھی بلوچ سیاہ سوار نامی تھا۔[5] یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہو تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر سردار تھے اصطخر کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ ہر شہر سے اپنے ساتھ سپاہی انتخاب کر کے لیتا چلے وہ اصطخر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے سوس کا محاصرہ کیا ہے اس لیے یزدگرد نے سیاہ

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۸۹، طبری نے بھی یہیں بیان دیا ہے۔

[2] جنگ قادسیہ طبری ص ۲۳۲،

[3] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۲۱،

[4] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۲۹

[5] علامہ بلاذری نے یہ تمام حالات تفصیل سے بیان کئے ہوتے ہیں۔

کوسوس بھیج دیا وہ جب فتح ہوگیا تو سیاہ نے تمام بلوچی سرداروں کو جمع کرکے کہا۔

"ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ قوم اس سلطنت پر غالب ہو جائے گی اور اصطخر کے محل اُن کے گھوڑوں کے اصطبل بن جائے گے۔ اب بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ (بلوچ) ان کے مذہب میں داخل ہوجائیں"۔

چنانچہ وہ سب کے سب چند شرائط پر مسلمان ہو گئے اور اُن کے ساتھ سیابچہ زط، (جاٹ) اور اندغار نے بھی جو ہندوستانی قومیں تھیں اسلام قبول کرلیا[1] علامہ بلاذری نے تمام نومسلم قوموں کے نام گنوائے ہیں خاص کر فتح جلولاء کے بعد ایران کے بہت سے روساء اور امیروان نے اسلام اختیار کیا تھا جن میں بعض عربی النسل تھے اور بعض خالص ایرانی نسل کے آتش پرست تھے۔ اور اُن کے ناموں سے اُن کی قومیت اور نسل کا پتہ لگتا ہے۔ مثلاً سیاہ یہ بلوچ تھا۔ جمیل بن بصیری، بسطام بن نرسی، رفیل بن فیروزان وغیرہ اُس کے ساتھ یہ امر ضروری ہے کہ مذکورہ امیروان کے زیر دست جتنی بھی رعایا ہوگی انہوں نے ضرور اسلام اختیار کیا ہوگا۔ ۲۱ھ میں رستم کے بعد ہرمزان ایرانی فوج کا سپہ سالا مقرر ہوا مگر خوزستان میں بلوچوں کی بغاوت کے بعد عربوں کے ہاتھ زندہ گرفتار ہوگیا ۲۳ھ تک کرمان، مکران اور سیستان کے تمام علاقے خلافت اعظمیٰ میں شامل ہو گئے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مکران اسلامی سلطنت کا مشرق میں آخری حصہ تھا جیسا کہ امام طبری کا بیان ہے۔ مذکورہ بیان سے معلوم ہو سکے گا کہ ایران کے ماتحت جتنی بھی غیر ایرانی قومیں تھیں ان میں سے بلوچ پہلی قوم تھی جس نے ایرانیوں کے خلاف اسلام سے ہمدردی اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے کیونکہ اسلامی سپہ سالار (ہا)

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۸۲۔

کی فوج میں اسلام کی تبلیغ کے لیے داعی بھی شامل تھے ۱۷ھ میں ابوموسیٰ اشعریؓ جب بصرہ کا گورنر مقرر ہوا اُس وقت اُس کی فوج میں ۳ سو حفاظ شامل تھے اور یہ تمام کیفیت العمال میں درج ہے ۔[1]

خلافت عظمیٰ کے دور میں بلوچوں کی سیاسی پالیسی

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا سوال اُٹھا جسکی چنگاریاں خلافت صدیقی اور فاروقی میں دبی ہوئی تھیں خلافت عثمانی کے زمانہ میں بھڑک گئی تھیں اور ان کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ کے جنگوں سے لے کر یزید بن معاویہؓ کے زمانہ میں کربلا کے معرکہ تک جاکر ختم ہوتا ہے ۔ اس عرصے میں بعض مخلص صحابہ اور تابعین کی حضرت علیؓ سے ہمدردی رہی اور جنہوں نے اُن کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا اور خلافت حیدری میں وہ خلافت کے عہدوں پر مقرر تھے وہ جناب علیؓ کو امام برحق سمجھتے تھے اور عام طور پر وہ شیعہ کہلاتے تھے جیسا کہ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے جناب علی علیہ السلام کی خلافت کے بعد امیر معاویہؓ کے زمانہ میں جب خلافت نے بادشاہت کی صورت اختیار کی تب اہل شیعہ کو اہل بیت سے ہمدردی تھی۔[2] اس انقلاب میں اول سے لے کر آخر تک بلوچوں کو اہل بیت سے ہمدردی تھی۔ حالانکہ وہ جہاد

[1]: کنزالعمال جلد اول ص ۷۱، حضرت عثمان ذوالنورین کے زمانہ میں جتنے بھی بیرونی ممالک کے لوگ قید ہو کر آتے تھے اُنکو اسلامی دیکر آزاد کیا جاتا تھا اور وہ جاکر اپنے ملکوں میں اسلام کی اشاعت کرتے تھے ۔

[2]: اس انقلاب میں بلوچوں کی اہل بیت سے ہمدردی تھی جیسا کہ بلوچی اشعار سے پتہ لگتا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد انہوں نے یزید کے زمانہ میں حلب سے ہجرت کی ۔

میں شامل ہوتے تھے۔ ولید بن عبد المطلب کا زمانہ تو اسلامی فتوحات کا زمانہ تھا۔ اس فتوحات کا سرا مشرق میں مکران کے بعد ملتان تک پہنچا۔ اور یہی مکران تھا جہاں سے عربوں نے سندھ پر حملہ کیا تھا اور اسی مکران کا والی محمد بن ہارون بلوچ تھا جس کو مورخین امیر حمزہؓ بن عبد المطلب کی اولاد میں سے شمار کرتے ہیں[1]۔ دوسری طرف قتیبہ بن مسلم بیقند، بخارا، سمرقند، خوارزم (خیوا) فرغانہ، شاش، تاشقند اور کاشغر تک پہنچا ہے اور وہاں کے ترکی بتخانوں کو آگ لگوا کر تباہ کرواتا ہے اور بڑے عرصے اور متواتر جنگوں کے بعد ماوراءالنہر کے ترک اسلام میں شامل ہوتے ہیں[2]۔ پھر مذکورہ تمام اسلامی جہاد میں خراسان، سیستان، اور سراوان کے بلوچی قبائل عربی فوج میں شامل تھے۔ اس لئے یہ غیر ممکن ہے کہ بلوچستان کے رہنے والے بلوچ اسلام سے محروم ہوں[3]۔ غرض مشرقی اقوام میں ترک آخری قوم تھی جن میں ۸۳۳ھ تک عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ تک اسلام کی اشاعت ہوتی رہی علامہ گبن تاریخ زوال روما کے جلد ۴ میں خلیفہ معتصم کو اس غلطی کے لیے ذمہ دار ٹھہراتا ہے کیونکہ ہجری تیسری صدی کے وسط سے لے کر ہجری چوتھی صدی کے بیچ کے زمانہ تک دولت عباسیہ ایرانی اور ترکی دو حصوں میں تقسیم ہو کر بعد میں مٹ جاتی ہے جس کا مفصل بیان آگے چل کر بیان

ح ۱: تحفۃ الکرام جلد ۳، ص ۲۸۔

ح ۲: امیر معاویہؓ کے زمانہ میں پچاس ہزار عربوں نے آکر خراسان میں سکونت اختیار کی دیکھو الفاروق از شبلی نعمانی جلد اول، خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں سندھ کے ہندوؤں نے مذہب اسلام اختیار اور عبد اللہ بن معمر الیشکری ۲۰، ۱۷، ۶ میں ماوراءالنہر میں اسلام کی اشاعت پر مامور تھا فتوح البلدان بلاذری ص ۴۲۲، مصر

ریں گے عربوں کے بعد جب دوبارہ ایرانی زبان کا عروج شروع ہوتا ہے اور ایرانی تصوف کے رنگ میں ڈوب جاتے ہیں تو اس کا اثر بلوچستان پر بھی پڑتا ہے کیونکہ ایک تو بلوچستان ایران کے نزدیک تھا دوئم بلوچی قبائل میں ایرانی عنصر موجود تھا اس ثبوت کے لیے بلوچی شعرا کے اشعار میں سے سھنے اور بخش علی کے اشعار تصوف میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں ہا اسکے علاوہ مشہور ڈومبکی شاعر جام درک کے اشعاروں میں ایرانی تصوف کی خیالی تصویر نظر آسکتی ہے غرض تشیعت کا اثر جو ابتداً اسلام کے زمانے میں بلوچوں کے دل پر بیٹھا ہوا تھا وہ بعد میں مٹنے لگا اور ان میں بڑے بلند پایۂ کے محدث اور شعرا پیدا ہوئے چنانچہ امام ابو داؤد اس خاک کے فرزند تھے اور شعرا کرام میں سے مرزا احمد علی آزی بلوچی دور کے زبردست شاعر ہو گزرے جو اہل سنت جماعت کے پکے پابند تھے آج بلوچوں میں بعض قبائل شیعہ ہیں جیسے کہ ٹالپر اور کھوسے مگران کا زیادہ تر حصہ اہل سنت جماعت کے دائرہ میں شامل ہے۔ ان کے بعض اشعار میں حضرت غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کی تعریف اور ثنا کی ہوئی ہے۔

باب دوئم

۶۱۰ء سے لے کر ۶۶۰ء تک

خلافت راشدہ اور بلوچ

روم اور ایران

بعثت نبوی کے زمانہ میں دنیا میں رومن اور ایرانی دو زبردست دولت مند شہنشاہتیں تھیں جن کا تمدن اور سیاسی اثر تمام مغرب و مشرق پر چھایا ہوا تھا۔ عربوں کا تمدن بھی اُن کے مقابلے میں قدیم تھا مگر وہ تاریکی میں پڑا ہوا تھا۔ آنحضرت سرورِ کونین علیہ السلام وسلم کے ظہورِ نبوت کے بعد اسلام کی ایک نئی سلطنت اور نئے تمدن کی ابتدا ہوئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ایک قلیل عرصہ کے اندر مذکورہ غیر مسلم طاقتور قومیں اسلام سے ٹکرا کر فنا ہو گئیں اور تمام خدا کی مخلوق دیوارِ چین سے لے کر مغرب میں بحیرہ اوقیانوس تک اسلامی سلطنت اور تمدن کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنے لگی۔

خسرو پرویز نے نامہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ وسلم کو فقط پھاڑ کر بے حرمتی کی مگر اپنے یمن
کے عامل باذان کو فرمان روانہ کیا کہ عرب کے پیغمبر (محمد صلعم) کو گرفتار کر کے دربار میں
پیش کرے. اسی رات خسرو کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا اور اسی رات کو باذان نے دین
اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو یمن روانہ کیا اور تمام یمن اسلام
کے دائرہ میں بہ رضا خوشی شامل ہو گیا. پرویز کے لڑکے مشرویہ کی مرضی تھی کہ وہ مسلمانوں
سے لڑے مگر اس کو اندرونی فسادات سے اتنی فرصت نہ مل سکی اس کے بعد اس
کا بیٹا اردشیر تخت پر بیٹھا مگر وہ صغیر السن تھا کچھ دنوں بعد اسے شہر یار نامی سپہ سالار
نے قتل کر کے تخت کیانی پر بیٹھا مگر وہ زیادہ دیر تک حکومت نہ کر سکا اس کو اہل
کاردن نے قتل کر دیا اس کے بعد پرویز کی بیٹی شہزادی بوران نے تخت رونق دی یہ
وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت (صلعم) نے وفات کی بوران کے بعد یکے بعد دیگرے شہزادہ
اور شہزادیاں مدائن تخت پر جلوہ گر رہیں آخر ارکان سلطنت نے یزدگرد کو تخت
پر بیٹھایا جو ساسانی خاندان کا آخری فرمانروا تھا. اس کے عہد میں ایران کی سلطنت
پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور پیش گوئی پوری ہوئی ۔

عرب اور ایران کی عداوت

یمن پر اسلام کے قبضہ ہونے کے سبب سے ایرانیوں اور مسلمانوں میں عداوت روز بکڑنے
لگی مگر اب وہ زمانہ تھا کہ ایرانی شہنشاہت کا رفیع الشان قصر برباد ہونے کو تھا ایرانی نہ
فقط مشرک تھے مگر وہ متکبر اور مغرور بھی تھے وہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتے تھے. اسلام کی
بڑھتی ہوئی طاقت اور استقلال کی خبریں سن کر وہ بہت بے آرام تھے مگر اندرونی فسادات

---

۱ ؎ تاریخ اسلام از سید اکبر شاہ خان صاحب جلد اول ص ۳۰۲.

اور بادشاہوں کے عزل و نصب کی مصیبتوں میں وہ اس قدر گرفتار تھے کہ ان کو اتنی فرصت ہی کہاں نصیب تھی کہ مسلمانوں سے جنگ چھیڑ سکیں شام میں قیصر ہرقل کا بازو مضبوط تھا کیونکہ وہاں کے عرب غسان سردار عیسائی تھے۔ اور قیصر کے مددگار تھے۔ مسلمانوں کا رعب اُن پر موتہ کی جنگ میں پڑ چکا تھا وہ جذبہ بھرتے تھے قیصر ہرقل یہودیوں کی منافقانہ ریشہ دوانیوں سے عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا اس کی فوجیں شام کی سرحد پر جمع ہو رہی تھیں حضور پاکؐ نے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو لشکر دے کر قیصر کے مقابلے کو روانہ کیا تھا مگر عین اُس وقت حضور پاک نے وفات کی۔

خلافت صدیقی

۱۱ھ مطابق ۶۳۲ء میں حضرت ابوبکرؓ صدیق اکبر کے خطاب سے رونق مسند خلافت ہوئے وہ ایک برس تک نبوت کے جھوٹے مدعیوں میں سے مسیلمہ، طلیحہ اور سجاح وغیرہ سے جنگوں میں مصروف رہے آخر مرتدین کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ عربستان کی اندرونی بدامنی کی خبروں کو ایرانی اور رومن بڑی مسرت اور اطمینان سے سن کر خوش ہونے لگے کیونکہ دونوں شہنشاہتیں اس جدید عربی طاقت کو مٹانے کی فکر میں تھیں شام خواہ عراق کی سرحدوں پر پر ایرانی اور رومن فوجوں کا اجتماع ہونے لگا۔[1] حضرت ابوبکرؓ کے دور میں اندیشی موقع شناسی اور محکم ارادوں سے رومن اور ایرانیوں کی مدافعت کے لیے تمام عرب اسلام کے جھنڈے تلے آکر جمع ہو۔ اگر مذکورہ اسلامی افواج کا اجتماع نہ ہوتا تو شاید مدینۃ النبی دارالخلافت پر یا رومن یا ایرانیوں کا قبضہ ہو جاتا مگر حضرت ابوبکرؓ نے ایک فوج اُسامہ بن زیدؓ کے زیر کمان شام کو روانہ کی اور ایک مختصر فوج مثنیٰ بن حارثہ

۱؎: تاریخ اسلام از سید اکبر شاہ خان صاحب جلد اول ص ۳۰۲۔

کے ماتحت عراق کو روانہ کیا اُس کے بعد حضرت خالد بن ولید سیف اسلام کو بھی عراق پر لشکر دے کر روانہ فرمایا عل

جنگ ذات السلاسل اور بلوچوں کی بغاوت

یہ جنگ پہلے حیرہ کی عربی ریاستوں سے جو ایران کے ماتحت تھیں شروع ہوئی بعد میں سارے عرب اور ایران کو لپیٹ گئی حجر کا علاقہ جو کلدہ کے ساحل میں شامل تھا ایران کے ماتحت تھا فرات کے نیچلے والے حصے میں جو ویران تھا اُس میں خانہ بدوش قبائل رہتے تھے. عراق کے مشرقی حصے میں زیادہ تر بلوچ آباد تھے. ان کو ایرانی سیاہ یا سیاہ بچہ کہتے تھے اُن کے نام بھی ایرانی تھے نگران کو اسلام سے ہمدردی تھی. حیرہ پر عربوں کے حملہ کی خبریں سن کر انہوں نے علم بغاوت بلند کیا یہ بلوچ بڑی مدت سے ایرانی شہنشاہیت کے دست و باز و تھے اُن کا سلسلہ مدائن، دیلم، بابل، حیرہ اور کندہ قبسیا، رقہ اور کرمان تک وسیع تھا ایرانی فوجوں کا سپہ سالار ہرمز تھا جو بڑا جنگجو اور دلیر تھا اُس کی شجاعت کا سکہ عرب، عراق اور ہندوستان تک بیٹھا ہوا تھا مگر بلوچی بغاوت نے مسلمانوں کے لیے راستہ صاف کر دیا اس جنگ میں بھاگنے کے خوف سے ایرانیوں نے اپنے پاؤں میں زنجیر باندھے تھے اس لیے یہ جنگ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے. ہرمز میدان جنگ میں مارا گیا اس کا تاج جس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی وہ حضرت خالدؓ کے قبضے میں آیا بلوچوں کی بغاوت کو دیکھ کر عراق کے جتنے بھی عیسائی قبیلے تھے انہوں نے بھی اسلامی لشکر کا ساتھ دیا چنانچہ جنگ ذات السلاسل کے علاوہ قارون، ولجہ، امد لیس کی جنگیں لگیں جس میں ایرانیوں کے سردار قارون انو شجان اور

عل تمدن اسلام از سید امیر علی مکنیٹ اکرنیل ترجمہ اردو میں ص ۴۰۳

قباد مارے گئے اور تقریباً ستر ہزار ایرانی جنگوں کے میدانوں میں مارے گئے۔

فتح حیرہ

ایرانیوں کی شکست کا یہ نتیجہ نکلا کہ حیرہ کا رئیس عمرو بن عبدالمسیح اور دیگر عیسائی عرب سرداروں نے حضرت خالدؓ سے صلح کی اور ۲ لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ غرض کلدہ تک عراق کا حصہ فتح ہوا اور وہاں کے زمینداروں نے خراج دینا منظور کیا۔ حضرت خالدؓ نے حیرہ سے جو ایران کے امیروں کے نام دعوتی خطوط روانہ کئے اُن کا مضمون اس طرح تھا۔

"وہ تمام تعریف خداوند تعالیٰ کی جس نے تمہارے نظام میں خلل ڈال دیا اور تمہارا اتحاد ٹوٹ گیا۔ اگر تمہارے ملک پر حملہ نہ کرتے تو تمہاری بہت خرابی ہوتی اب بہتر یہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ فرمانبردار رہو اور ہم تمہارا ملک چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اگر تم نے اطاعت منظور نہ کی تو تم کو ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑے گا جو موت کو اتنا عزیز سمجھتی ہے جیسے تم زندگی اور شراب کو عزیز سمجھتے ہو۔"

جنگ ذات العیون اور بلوچ

ایرانیوں نے دوبارہ انبار میں صف... کے والی شیرزاد کے ماتحت لشکر کو اکٹھا کر کے شہر کے باہر خندقیں تیار کیں۔ ایرانیوں نے قلعہ کی دیوار سے تیر... شروع کئے جس کی وجہ سے ایک ہزار مجاہدین کی آنکھیں بے کار ہوگئیں حضرت خالدؓ نے کمزور اونٹوں کو ذبح کروا کے خندق کو بھر کر شہر پر حملہ کیا شیرزاد نے صلح کر... تین دن تک کا سامان رسد ساتھ لے کر بھاگ گیا مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کیا اُس کے بعد ایرانیوں نے عین التمر کے مقام کے قریب دوبارہ فوجیں جمع کرنی شروع کیں... کا سپہ سالار مهران بن بهرام چوبین نامی بہادر تھا۔ اُس نے ایران کے رہنے وا...

مختلف بلوچوں سے جو جنگجو تھے اور ایران کے کسراؤں کے بارڈ گارڈ فوج میں رہ چکے تھے اور اس وقت ایران کے مقدمۃ الجیش کے سپاہی تھے اس موقع پر عقبہ بن ابی عقبہ ان کا سردار تھا بنو تغلب کے جرار بہادر بھی اُن کے ساتھ تھے۔ انہوں نے مل کر عین موقع پر ایرانیوں کے خلاف بغاوت کی ایرانی خوف کے مارے فرار ہو گئے عقبہ بن ابی عقبہ نے اپنے کو گرفتار کروایا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا۔

حیرہ کی جنگ کے نتائج

۱۲ھ میں حضرت خالدؓ حیرہ میں داخل ہوئے تھے اور ۱۳ھ میں انہوں نے حیرہ ایرانیوں سے سر کیا، عربی قبائل کی بغاوتوں کی وجہ سے جن میں بلوچ بھی شریک تھے ایرانی شہنشاہت کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ خلافت صدیقی کے زمانہ میں تیزی سے زوال کی طرف قدم اٹھانے لگی۔ اب ایرانی محسوس کرنے لگے کہ عربوں کے مذہبی جوش غیرت اور قوت ایمانی کا اثر ایران کے شورش پسند قبائل پر پڑنے لگا ہے جن کو وہ بلوص کہتے تھے۔ مگر ساسانی سلطنت دوسرے الفاظ میں ابھی مالدار بھی اور ساتھ ہی طاقتور بھی کیونکہ اُس کی حدود وسط ایشیا اور ہندوستان کی سرحدوں تک وسیع تھی وہ نئے سرے سے فوجیں جمع کرنے لگے۔ خلافت صدیقی کے آخری دور میں یزدگرد کلدہ میں ایک لاکھ فوج جمع کرنے لگا۔[1]

جنگ یرموک اور بلوچ

فتح حیرہ نے ثابت کر دکھایا کہ بحیرہ خضر، آرمینیا اور خوزستان و کرمان تک جتنے بھی عربی قبائل تھے جن میں عرب بلوچ بھی شامل تھے۔ اُن کو غیر عربی سلطنتوں کے مقابلے میں اسلام سے

---

[1] تاریخ اسلام از سید امیر علی آنریبل ص ۲۴ ، ۲۵

ہمدردی تھی اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تھے. قیصر ہرقل غسانی امیروں
کی شکست کا حال سن کر قسطنطنیہ سے بذات خود جنگ کے اہتمام کی خاطر شام آ پہنچا
حضرت ابو بکرؓ نے جہاد فی سبیل اللہ کا عام اعلان کر دیا دور دور سے عرب قبائل
جیش اسلامی میں شامل ہونے لگے. اور چار اسلامی لشکر تیار ہو گئے جن کی کمان خالد بن
سعیدؓ یزید بن ابی سفیانؓ شرجیل بن حسنہؓ اور عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابو عبیدہ
بن جراحؓ کے ماتحت فلسطین، شام اور دمشق پر روانہ کئے جن کی تعداد ۲۰،۰۰۰ تھی اس
کے علاوہ حضرت خالد بن ولیدؓ دس ہزار تازہ دم فوج تیرہ سے لے کر شام پہنچا اس
لشکر میں بڑا حصہ بلوچوں کا تھا. رومن فوج کی تعداد ۲ لاکھ چالیس ہزار تھی جن میں سے
۹۰،۰۰۰ ہزار جرار لشکر ہرقل کے بھائی تذارق کے ماتحت تھا جو یزید بن ابی سفیان
کا مقابلہ کرنے کے لیے دمشق کو روانہ ہوا. دوسرا لشکر راقص نامی سردار کے ماتحت تھا
جس کی تعداد ۵۰،۰۰۰ تھی اور یہ فوج اردن میں شرجیل بن حسنہؓ کے مقابلے کرنے کے لیے
مقرر تھی. رفیقار بن نسطورس ۶۰،۰۰۰ لشکر لے ابو عبیداللہ بن جراحؓ کے مقابلے کے
لیے حمص کو روانہ ہوا جنگ موتہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ پہلے رومن کو شکست دے چکا
تھا اس لئے بارگاہ خلافت اعظمی سے حکم صادر ہوا کہ جنگ یرموک میں اسلامی افواج
قاہرہ جس میں عرب و عجم کے علاوہ خواتین بھی غیرت ایمانی کی وجہ سے جہاد میں شامل
ہوئی تھیں ان سب کی کمان حضرت خالدؓ کے سپرد کی جائے مجاہدین نے حضرت عکرمہؓ
کے ہاتھ پر بیعت کی کہ یا لڑ کر شہید ہوں گے یا فتح کا سہرا باندھ کر واپس لوٹیں گے الغرض
دونوں فوجیں دریائے یرموک کے دونوں کناروں پر جمع ہوئیں. ماہ جمادی الثانی
سنہ ۱۳ھ میں جنگ لگی جس میں ۳،۰۰۰ ہزار مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا جن
میں بعض بڑے رتبے کے صحابی تھے!۔ رومن تیس ہزار اپنے سردار تذاق سمیت

۱ یرموک کے شہداء کے نام یہ ہیں۔ عمر جبر بن زید رومی، عکرمہ بن ابو جہل عمرو بن عکرمہ

قتل ہو گئے اور اسلامی لشکر نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ اُسی سال حضرت ابو بکرؓ نے وفات پائی ابھی فتح یرموک کی خبریں مدینہ منورہ نہیں پہنچیں تھی تاہم اسلامی فوج کا تمام شام پر قبضہ ہو چکا تھا۔ رومن لشکر حمص کو پسپا ہوا اور اُن کی رعب و سطوت میں زلزلہ برپا ہو گیا تھا۔

جنگ قادسیہ اور بلوچ

رستم اور فیروز جو یزدگرد کے دست و بازو تھے وہ متفق ہو کر فوجیں جمع کرنے لگے جا بجا فوجی چھاؤنیں قائم ہو گئیں ان کے مقابلے میں حضرت مثنیٰؓ کے اتنی فوج نہ تھی غرض جو ملک عربوں نے جیتا تھا وہ ایرانیوں نے واپس چھین لیا۔[1]

قادسیہ کی جنگ سے پہلے جب عربوں نے حیرہ پر حملہ کیا تھا تب خانہ بدوش بلوچوں نے اندرونی فساد برپا کیا تھا اور اسلامی لشکر کی انہوں نے طرف داری کی تھی۔ اُن کا پیشہ ایران میں وہی لوٹ مار کرنا تھا۔ وہ بعض اپنے مویشیوں کو ساتھ لے کر شاداب چراگاہوں کی تلاش میں صحرائے لوط اور خراسان کو عبور کر کے ماوراءالنہر کے "دشتِ خاور" KHAVAR اور دریائے جیحون تک سفر کرتے تھے۔ اب ایران اور عجم کا آخری فیصلہ ہونے کو تھا۔ ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ عظیم الشان بلوچ قوم جو ایران میں مقیم تھی وہ ایران کے مقدمہ الجیش میں شامل ہو کر غیر اقوام سے لڑتی تھی اور اُن کی جرار فوج "سیاہ سواران" کے نام سے مشہور تھی۔ اس دفعہ یزدگرد نے اہواز کے گورنر ہرمزان کو اُن کی نگرانی کرنے پر مقرر کیا تھا۔ اور ان کا سردار "سیاہ پش" جو اپنے سیاہ

بقیہ: سلمہ بن ہشام، عمرو بن سعید، ابان بن سعید، ہشام بن عاص، ہبار بن سفیان، طفیل بن عمروؓ وغیرہ

[1] الفاروق از شبلی نعمانی ص ۶۲

لمبے بالوں کے باعث سیاہ کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ حیرہ کی سازش کے متعلق
کے پاس قید تھا۔ اُس کو ہرمزان نے قید سے بلوا کر نصیحت کی۔ ۱۴ ہجری مطابق
میں قادسیا کا ہولناک معرکہ پیش آیا اس جنگ میں توران، خراسان اور سندھ والوں نے
بھی ایرانیوں کی مدد کی جن کے پاس زرہ پوش ہاتھی تھے۔

آل غسان کا آخری تاجدار جبلہ بن ایہم اسلام لایا اور نہایت تزک واحتشام کے ساتھ
مدینہ آیا حضرت عمرؓ نے اُس کی بڑی عزت کی اتفاق سے حج کے موقع پر طواف کرتے
نومسلم شہزادہ نے ایک بدوی کو طمانچہ مارا حضرت عمرؓ نے قصاص مانگا جبلہ رات کو
چھپ کر شام چل دیا اور وہاں سے عیسائی بن کر قسطنطنیہ چلا گیا لیکن اب وہ نادم تھا
اور جب تک جیتا رہا ندامت کے آنسو بہاتا رہا یہ ۶۳۶ء کا واقعہ ہے۔

اسلام کے لشکر نے سیلاب کی طرح دشمن پر غلبہ حاصل کیا یزدگرد نے خوف سے
شاہی خاندان کو حلوان کی طرف روانہ کیا مجاہدین کے گھوڑے دجلہ میں کود پڑے
اور دریا کو عبور کر کے جمعہ کے روز مدائن کے شاہی محلات پر قبضہ کیا اور جمعہ کی
نماز کسریٰ کے محلات میں مجاہدین نے ادا کی۔ حضرت سعدؓ نے تین دن تک خزائن
شاہی کو جمع کیا۔ جس میں ہزارہا یادگار چیزیں تھیں اور وہ تحفے جو وقتاً بوقتاً خاقان
چین، قیاصرِ روم اور سندھ کے راجا نے کسریٰ کو پیش کئے تھے۔ ان تحفوں کے علاوہ
نعمان بن منذر اور بہرام چوبین کی زرہیں، تلواریں ہرمز اور قباد کے خنجر، نوشیرواں
کا زرنگار تاج، چاندی کی ایک سانڈھنی جس پر سونے کا پالان تھا۔ ایک سونے کا
گھوڑا جس پر چاندی کی زین تھی جمشید کا فرش جس کو ایرانی "بہادر" کہتے تھے یہ

۱؎ یہ تمام کیفیت اشعار میں شاہنامہ نو بخت مطبوعہ طہران میں مذکور ہے اور ان اشعار کو نظر انداز کر کے

بہار کے موسم میں بادشاہ بچھاکر شراب پیتے تھے اس پر زمرد، پکھراج اور سونے چاندی کا کام کیا ہوا تھا سب کے سب مسلمانوں کے ہاتھ آئے ؎۱ قادسیا کی جنگ اور ایرانیوں کی شکست کی وجہ سے تمام عرب میں زلزلہ مچ گیا۔ جناب حضرت عمرؓ فاروق اعظمؓ خود اسلامی جنگ کے لیے سامان جمع کرنے لگے ہر طرف شاعر و خطیب روانہ کئے گئے جن کے ذریعے چاروں طرف سے فوج جمع ہونے لگی ایک طوفان اُٹھا تھا حضرموت صدف، مذحج، قیس اور عیلان کے سرداروں فوج سمیت مکہ معظمہ میں آکر قیام کیا بنو اسد اور بنو تمیم کے سرفروش نوجوان بھی آکر شامل ہوئے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کوفہ سے تین منزلوں کے فاصلہ پر ثعلبہ کے مقام پر چھاؤنی جما کر بیٹھے تھے ذی وقار کے مقام پر حضرت مثنیٰؓ کی چھاؤنی تھی اُس کے پاس ۶ ہزار جرار لشکر تھا جس میں زیادہ تر بکر بن وائل کے نوجوانوں کے علاوہ ستر ایسے اصحاب بھی تھے جو بدر الکبریٰ کے معرکے میں موجود تھے۔ ان حالتوں میں بلوچوں کے لیے مشکل تھا کہ اسلام کی حمایت چھوڑ کر کفار کا ساتھ دیتے۔ قادسیا KADESSIA کوفہ اور بغداد کے درمیان ایک زرخیز مقام تھا جہاں پانی اور کھجور کے درخت تھے اور مدائن CTESIPHAN سے چالیس میلوں کے فاصلہ پر تھا۔ مدائن دجلہ کے دونوں طرف بسا ہوا تھا اس کا مغربی حصہ سلوشیا کہلاتا تھا کیونکہ اُس کو اسکندر مقدونی کے سپہ سالار سیلیوکس نے آباد کروایا تھا۔ اس میں بے شمار محلات، باغات اور دفاتر تھے ؎۲ غرض مدائن میں جتنا بھی مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا وہ حضرت سعدؓ نے بارگاہ خلیفہ المسلمین کے

؎۱۔ الفاروق جلد اول، از شبلی نعمانی ''جنگ قادسیا'' ص ۸۲۔

؎۲۔ مدائن کی پوری کیفیت ایڈورڈ گبن نے تاریخ زوال روما جلد ۹ میں بیان کی ہے۔

پاس مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ جلال اور اسلام کی فتح اور اقبال کا تماشہ دیکھیں

جنگ جلولاء اور بلوچ

فتح مدائن کے بعد عراق کی فتوحات کا خاتمہ ہوا اب ایران اسلامی افواج قاہرہ کے سامنے کھلا میدان تھا ۱۶ھ ۶۳۷ء میں ایرانی سپہ سالار کے بھائی خرزاد نے جلولاء کے مقام پر پھر فوجیں جمع کرنی شروع کیں، یہ مقام بغداد کے نزدیک تھا اور خراسان کو جانے والی عام شاہراہ پر ایک شہر تھا اس جنگ میں بلوچوں نے پھر بغاوت کی اور اس بغاوت میں اہل دیلم والے اُن کے ساتھ شریک ہوئے۱۔

بقول علامہ طبری اسلامی لشکر نے نہایت ہی دلیری سے ایرانیوں کی صفوں کو چیر کر ان کو شکست دی۔ اس جنگ میں عربوں کی ہیبت اس قدر ایرانیوں پر چھا گئی کہ وہ شہسوار نیزے بازوں کو دیکھ کر پکارنے لگے کہ "دیواں آمدند" اس جنگ میں اسلامی فوجوں کی کمان جن کی تعداد ۱۲ ہزار تھی حضرت سعدؓ نے ہاشم بن عتبہ کے سپرد کی تھی۔ محدث طبری کا بیان ہے کہ جملہ ایک لاکھ ایرانی خس و خاشاک کی طرح تباہ ہوگئے اور تین کروڑ کا مال غنیمت اسلامی لشکر کے ہاتھ لگا۔ یہ تمام اسباب جس میں زر و جواہر تھے جب مدینہ منورہ پہنچے تو جواہرات کے انبار دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ حاضرین نے جب اُن سے تعجب میں سوال کیا تو فرمایا "جہاں دولت کا قدم پڑتا ہے وہاں رشک و حسد بھی پیدا ہوتا ہے۔" یزدگرد حلوان چھوڑ کر رےؔ کو بھاگ گیا سنہ ۱۹ھ ۶۴۰ء میں حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابوعبیدہؓ

۱۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۸۹ علامہ طبری نے بھی تمام کیفیت بیان کی ہے۔

جراحؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں نے دمشق، بیت المقدس اور شام کو فتح کیا۔

فتح جزیرہ اور بلوچ

۱۶ھ ۶۳۷ء میں شام سے تازہ دم اسلامی فوجیں فارغ ہوئیں۔ خلیفہ المسلمین حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو جزیرہ پر فوج کشی کرنے کا حکم دیا اور فوجوں کی کمان عبداللہ بن المقتر کو سپرد کی مدائن کی فتح نے ایرانیوں کی آنکھیں کھول دیں تھیں۔ وہ عرب کہ جن میں بلوچ بھی شامل تھے جو پہلے ایرانیوں کی نظر میں حقیر تھے اب اُن سے کانپنے لگے بلوچوں کی بغاوت کا سلسلہ پہلے سے جاری تھا انہوں نے ایرانیوں کا ناک میں دم کر دیا تھا اُن کے خفیہ عہد و پیام سے دیلم کے علاوہ دیگر عربی قبائل جو پہلے ایرانیوں کے ساتھ شامل تھے وہ اب اسلامی لشکر میں آکر شامل ہوئے۔ ان عربی قبائل میں ایاذ، تغلب اور نمر والوں نے عجم کی غلامی کا طوق نکال کر تمام جزیرہ کو فتح کیا۔

فتح خوزستان اور بلوچ

۶۳۷ء میں بصرہ کے والی مغیرہ بن شعبہ نے شہر ہرمز (اہواز) فتح کیا ۱۷ھ ۶۳۷ء وہ معزول ہوا اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ کا حاکم مقرر ہوا۔ ایران کے بہت سے شہر مسلمانوں نے سر کئے تھے یزدگرد قم میں مقیم تھا خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا جہاں چھاؤنیاں اور شاہی محلات بکثرت تھے ایرانی فوجوں کی کمان یزدگرد نے ہرمزان کے سپرد کی تھی جو شاہی خاندان میں سے تھا اور بڑا تجربہ کار جنگ آزما تھا اس نے بلوچوں کے سردار سیاہ پشر کو دم دلاسے دے کر اپنا طرف دار بنالیا تھا مگر سیاہ پشر اندرونی طور پر حضرت ابوموسیٰؓ سے ملاقات کر چکا تھا اور اسلامی لشکر کو امداد کرنے کا وعدہ دے چکا تھا۔ اب جب جنگ کا آغاز ہوا تو اُس نے کھلے الفاظ میں ہرمز کو کہا کہ " بلوچ اب ایران کا غلام نہیں بلکہ اپنے

بھائیوں میں شامل ہو چکے ہیں"۔ۓ۱ شوسترکے معرکے میں ایرانیوں نے سخت شکست کھائی۔ ہرمزان کو بلوچوں نے قید کر لیا اُس نے اسلام اختیار کر کے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی حضرت عمرؓ نے دو ہزار سالانہ اُس کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور فارس کی جنگوں کے متعلق حضرت عمرؓ اکثر اُن سے مشورہ کرتے رہے خوزستان کی جنگ میں عربوں نے جندیسابور اور دیگر شہر بلوچوں کی مدد سے فتح کئے۔

فتح عراق و عجم اور بلوچ

بلوچوں کی بغاوت اور شجاعت کو دیکھ یزدگرد کے جتنے بھی حاکم ماتحت تھے وہ اب زمانہ کو بدلا ہوا دیکھ کر آنکھیں بدلنے لگے تھے۔ مثال کے طور پر دیلم والوں کے بعد رئے کے حاکم آبان جادویہ نے بھی یزدگرد سے آنکھیں پھیر لیں رعایا کی بے وفائی کو دیکھ کر اس نے اصفہان اور کرمان سے ہو خرسان میں قیام کیا یہاں ایک نیا آتش خانہ تعمیر کروا کر خوب دربار جمانے لگا مگر بلوچوں کی فوجی امداد سے عربوں کے لیے ایران کے تمام راستے کھلے تھے ساسانی شہنشاہت کا اب گزرا ہوا رعب و داب گو کہ مٹ چکا تھا مگر چونکہ تین ہزار برسوں کی قدیم سلطنت تھی اس لئے اس کا جلد مٹ جانا آسان نہ تھا۲۔ جب پہلے عربوں نے ایران پر حملہ کیا تھا تب ایرانی اس طرح سمجھتے تھے کہ شاید عرب عراق کی سرحد تک پہنچ کر واپس چلے جائیں گے۔ مگر اب اُن کو خبر پڑی

۱۔ دوران گفتگو سیاہ پشر نے جو مصرعہ ہرمزان کو پیش کیا اس کے الفاظ اصلی یہ ہیں۔

مکن بندگی سر مفکن بزیر   مر گربہ باش مشو دم شیر   یعنی غلام ہو کر بے

یا شیر کی دم ہو کر رہنے سے بلی کا منہ ہو کر رہنا ہزار بار بہتر ہے۔ شاہنامہ نوبخت مطبوعہ طہران

۲۔ الفاروق جلد ۱ از شبلی نعمانی ص ۱۲۰ ، ۱۲۱

کہ سیلاب بڑھتا رہے گا۔ یزدگرد نے ایکی اپنے طرف سے ہر طرف فرمان اور نقیب روانہ کئے۔ طبرستان، جرجان، نہاوند رئ، اصفہان، ہمدان، خراسان بلکہ سندھ تک تھلکہ مچ گیا تھوڑے عرصہ کے اندر ڈیڑھ لاکھ فوج جمع ہوگئی۔ درفش کیانی ایران کا قدیم جھنڈا جو کئی موقعوں پر زیارت کے لیے کھولا جاتا تھا وہ یزدگرد نے اپنے ہاتھوں سے ہرمز کے بیٹے مردان شاہ کے حوالے کر دیا جو طوفان کی طرح نہاوند پر حملہ کرنے روانہ ہوا دوسری طرف حضرت عمرؓ نے شام، یمن اور بصرہ کے حاکموں کو کمک روانہ کرنے کے لیے فرمان صادر فرمائے اور حضرت نعمان بن مقرن کو فہ سے تیس ہزار لشکر لے کر روانہ ہوا اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ بھی شامل تھے جیسے کہ حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن عمر، جریر بجلی، مغیرہ بن شعبہ، عمر معدی کربؓ، اسلامی فوج نے نہاوند سے ۹ میل کے فاصلے پر اسپدہان کے مقام پر چھاؤنی ڈالی کچھ دن خونریز لڑائیوں کے بعد ایرانی فوج میدان چھوڑ کر بھاگنے لگی۔ نعمان بن مقرن شہید ہوا نعیم بن مقرن اور حضرت قعقاعؓ نے ہمدان فتح کر لیا[۱]۔ حضرت عمرؓ نے بلوچوں کی یادگاریں کو ذمیں نہرا ساورہ تعمیر کرائی

عام لشکر کشی کا حکم

ہمدان فتح ہونے کے بعد خلیفۃ المسلمین عمرؓ نے ایران پر عام لشکر کشی کا حکم دیا ۲۳ھ تک یعنی دو سال تک جنگ کا عرصہ رہا۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہؓ نے اصفہان، حضرت نعیم بن مقرن نے رئ اور آذربائیجان، سوید بن مقرن نے قومس اور جرجان، حضرت بکیر نے آرمینیا کو عبدالرحمن بن ربیع نے بیضا اور خزر کو، عاصم بن عمرؓ سیستان کو سہیل بن عدی نے کرمان کو حکم بن عمرو تغلبی نے مکران کو فتح کیا۔ مکران کے ہندو راجا راسل نے سخت شکست

[۱]: زوال ایران، مولانا غلام دستگیر نامی ص ۶۲

کھائی کیونکہ مکران کے بلوچوں نے بھی بغاوت کی. مکران کی فتح نے خراسان کا راستہ صاف کر دیا چنانچہ احنف بن قیس خراسان پر مامور ہوا یزدگرد ہرات، مرو اور بلخ تک مقابلہ کرتا رہا مگر اُس نے شکستیں کھائیں. اُس کو خاقان چین اور ترکستان والوں نے فوجی امداد دی مگر بلخ اور مرو کے معرکوں میں شکست کھا کر وہ فرغانہ کی طرف بھاگ گیا. اُس کے اقبال کا ستارہ اب غروب ہونے لگا تھا جو بھی امیر و سردار تھے وہ اُس کو چھوڑ کر بھاگ گئے اُس کے خزانے برباد ہو گئے آٹھ برس تک وہ دربدر چھپتا پھرا. آخر ۳۱ھ میں عثمان ذوالنورینؓ کے زمانہ میں اُس نے پھر ایک مرتبہ چین اور ترکستان کی فوجوں سے اسلام کا مقابلہ کیا مگر بدقسمتی سے ۲۳ اگست ۶۵۱ء میں ایک پن چکی والے نے اُس کے قیمتی لباس کا لالچ میں اُس کو قتل کر کے اُس کی لاش دریا میں پھینک دی. ایران کے آتش خانے اجڑ گئے فساد سرہو گئے۔[۱]

عہد فاروقی میں بلوچستان کی تقسیم

عہد فاروقی میں عربوں نے بھی بلوچستان کے حصے سر کئے ان حصوں کا نام اس طرح ہے۔

کرمان:۔ اس کا قدیم نام یونانیوں نے کرمانیا رکھا تھا اس کی حدود اس طرح تھیں شمال میں کوھستان، جنوب میں بحیرۂ عمان، مشرق سیستان اور مغرب میں فارس ۲۳ھ ۶۴۳ء میں مسلمانوں نے اس کو فتح کیا. اس کا قدیم تخت گاہ اشر دبیر دسیرا تھا جہاں اب جیرفت آباد ہے. جو تجارت کا مرکز تھا. اُس کے بعد دوسرا بڑا شہر سرجان تھا یہاں

---

[۱]:۔ فردوسی اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے "بدشنہ جگرگاہ بشگافتند، برہنہ بآب اندر انداختند"

زوال ایران ص ۶۳ ہ

کے باشندے بلوچوں تھے اور ان کا گزران مویشیوں پر تھا۔[1]

سیستان:۔ عرب نے اُس کو سجستان نام دیا اور بلوچ اس کو زابل یا زابلستان بھی کہتے تھے۔ بعض جگہوں پر اُسکا نام زرنج بھی دکھایا ہوا ہے۔ وہ طول و عرض میں ۲۵... مربع میل تھا۔ اُس کے شمال میں ہرات جنوب میں مکران مشرق میں سرزہ اور مغرب میں کوہستان۔ اُسکا تخت گاہ زرنج تھا۔ یہاں بہت پھل ہوتا تھا ۲۳ھ ۶۴۴ء میں فتح ہوا۔ اُس کو نیروز بھی کہتے تھے۔

مکران:۔ ۲۳ھ ۶۴۴ء میں فتح ہوا۔ حکم بن عمرو البغلی نے اُس کو سر کیا یہاں کے ہندو راجا کا نام راسل تھا اُس کے پاس ہاتھیوں کا دستہ تھا جو حکم نے مال غنیمت سمیت صحار عبدی کی نگرانی میں بارگاہ خلافت کو روانہ کئے حضرت عمرؓ نے حبیب زبانی صحار عبدی سے مکران کا احوال دریافت کیا تو اُس نے جواب میں کہا؛

"ارض سهلها جبل وماءها وشل وثمرها دخل وعدوها بطل وخيرها قليل وشرها طويل والكثير بها قليل"

یہاں کا مشہور بندرگاہ تیز TEEZ تھا۔ آجکل یہ ایران میں ہے۔[2]

خراسان:۔ ۲۳ھ ۶۴۴ء میں احنف بن قیس نے اُس کو فتح کیا اُس کی حدود ہر زمانہ میں بدلتی رہی ہیں۔ مثال کے طور پر عہد نوشیروان میں نیشاپور، ہرات

---

[1] نوٹ:۔ یونانی کرمانیا کو الیگزینڈریا یعنی سکندریہ بھی کہتے تھے۔

[2] علامہ طبری مکران کی آخری حد کو دیبل تک دکھاتا ہے اور عہد فاروقؓ میں یہ فتوحات کا آخری حد تھی۔ مگر علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ عہد فاروقی میں اسلامی لشکر دیبل کو عبور کر کے تھانہ تک پہنچا تھا۔

مرو، مروروذ، فاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، باذغیس، بادرد، غرشستان، طوس، سرخس اور جرجان بھی اس میں شامل تھے۔[1] بلاذری کا بیان ہے کہ ماوراء النہر، فرغانہ، خوارزم، طخارستان اور سیستان بھی خراسان میں شامل تھے۔ مذکورہ شہروں میں سے فسا اور ابی وردی اس وقت ویران ہو چکے ہیں باقی موجود ہیں۔ یونانی اس کو پارتھیا کہتے ہیں یہاں بھی بلوچی قبائل موجود تھے۔ بقول علامہ مقریزی کہ اصفہان اور اصطخری فتح ہونے پہلے بلوچوں نے اسلام اختیار کیا تھا عرب ان کو اساورہ کہتے تھے۔ اسلامی خدمات بجالانے کی یادگار میں کوفہ میں ایک نہر اساورہ مشہور ہے۔ بلوچوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد سیابجہ، زط، اندغار تین قومیں جو اصل سندھ کی رہنے والی تھیں تو خسرو پرویز کے زمانہ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور ایرانی فوج میں شامل تھیں انہوں نے اسلام اختیار کیا۔[2] اسلام لانے کے بعد یہ زط قوم نے خلیج ایران کے ساحل پر سکونت اختیار کی اور امین اور مامون کی جنگوں کے زمانہ میں وہ بصرہ کی طرف جانے والی سڑک پر لوٹ مار کرتے رہے۔[3] اب یہاں کچھی اور جھلاوان کا ذکر نہیں کیونکہ بلوچستان کے حصے عربوں نے بعد میں فتح کئے مگر ان پر فوج کشی ہوتی رہی اور ایک بیان ہے کہ جھلاوان کے باشندوں میں سے کڑکوں نے عربوں کو حملہ کرنے کے لیے دعوت دے کر بلایا تھا۔

۱۔ الفاروق از شبلی نعمانی ص ۱۵۶۔۱۵۷

۲۔ تاریخ مقریزی جلد اول ص ۱۲۶، الفاروق حصہ دوم ص ۲۱۴

۳۔ تاریخ الامت جلد ۴، از مولانا حافظ اسلم جیراجپوری ص ۱۶۰

خلافت عثمانی اور بلوچ

۲۴ھ مطابق ۶۶۱ء میں حضرت عمر فاروقؓ مدینہ منورہ میں مجوسی ابولولو کے ہاتھوں شہید ہوئے اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے ۲۵ھ میں ایران میں بڑا فساد رونما ہوا. بلخ، کابل، ہرات، غزنی، ہمدان، سیستان اور مکران تک فساد کے شعلے بلند ہوئے. حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے نئے گورنر مقرر کئے. مثلاً عمیر بن عثمان خراسان کا گورنر مقرر ہوا اور وہ وہاں کے انتظام کو بحال رکھنے میں کامیاب ہوا عامر بن عمرو کرمان کا والی مقرر ہوا اور عمران بن الفضیل سیستان کا والی مقرر ہوا. ۲۹ھ میں اصطخر اور جورد کے فسادیوں نے سخت شکست کھائی اور یزدگرد کی آخری سازشیں ختم ہوئیں اور امن امان قائم ہوا[۱] حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کرمان سیستان اور مکران نے بہت ترقی کی وہاں نہریں اور سڑکیں تعمیر کی گئیں جن پر پھلوں کے درخت لگائے گئے تھے تجارت نے ترقی کی اور پولیس کا کافی انتظام کیا گیا[۲]

سندھ کے راجاؤں کی چھیڑ چھاڑ

سندھ میں برہمن راجاؤں کا راج ۶۳۲ء میں شروع ہوا خسرو پرویز کے مرنے کے بعد ایرانی شہنشاہیت بادشاہ گردی کے بہت کمزور ہو گئی تھی چچ اپنی سلطنت کو مکران بلکہ کرمان تک بڑھانے میں کامیاب ہو چکا تھا. یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تھے اس واقعہ کو دو برس گزر چکے تھے. چچ نے قنزپور میں ایک قلعہ بھی تعمیر کروایا

---

۱. تاریخ اسلام جلد اول از سید اکبر شاہ ص ۴۰۹، ۴۱۰

۲. تاریخ اسلام از سید امیر علی صاحب ص ۳۹، ۴۰، ترجمہ اردو

تھا بلکہ سیستان تک بلوچستان کا علاقہ اُس کے قبضے میں تھا. جب مکران کے راجا راسل کو اسلامی لشکر نے شکست دی اُس کے بعد چچ نے مکران کی سرحد پر فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور مکران میں فساد پڑنے لگے. حضرت عثمانؓ نے مکران کے حاکم عبدالرحمٰن بن سمرہ سے کہلوا کر باغیوں کو شکست دی ۳۸ھ میں مکران کی سرحد پر پھر ایک خوفناک فساد برپا ہوا اس دفعہ کرمان کے حاکم حارث بن عامر نے باغیوں کو زیر کر کے امن و امان کو بحال رکھا ۴۲ھ میں چچ نے دس ہزار لشکر کے ساتھ مکران پر حملہ کیا اس مرتبہ کرمان کے حاکم راشد بن عمر نے جو بڑا سیاستدان اور تجربہ کار فوجی عملدار تھا چچ کا مقابلہ کیا اس معرکے میں راشد جنگ کے میدان میں شہید ہوا مگر ۸ ہزار سندھی قتل ہو گئے جب اس شکست کی خبریں مدینہ منورہ پہنچیں تو مسلمانوں نے خوشیاں منائیں.

ڈاہر کی سازشیں

۶۰ھ میں چچ کے بعد اُس کا بیٹا ڈاہر سندھ کا حاکم مقرر ہوا. اس نے عربوں کے سیلاب کو روکنے کے لیے پہلے یزدگرد کو جاٹوں کی فوج روانہ کر کے امداد کی تھی. جب ایرانیوں نے عربوں سے شکست کھائی تو مکران میں فساد کرانے لگا اور وہاں کے میڈ اور جاٹ وقتاً فوقتاً فساد کرنے لگے. اسلامی فوجوں کو اُن کا مقابلہ کرنا پڑا یہ راجا بڑا ظالم اور متکبر تھا.

خلافت حیدری

حضرت عثمان ذوالنورین پارسا اور ایماندار تھے مگر ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے اُن کا مشیر خاص مروان تھا جو بڑا مکار تھا بنو اُمیہ میں یہی شخص تھا جس کو عہد شکنی کے جرم میں آنحضرت صلعم نے جلاوطن کر دیا تھا. حضرت عمرؓ کی سیاستدانی، انصاف اور ہوشیاری نے

جنگجو عرب قبائل پر ضابطہ قائم کیا تھا. حضرت عثمانؓ نے تمام عہدے اپنے رشتہ داروں کو دیئے تھے وہ بیت المال کو بے دردی سے لوٹنے لگے حسد کی آگ جو مٹ چکی تھی وہ دوبارہ بھڑکنے لگی اور صوبوں کی آمدنی سے بنو اُمیہ مالدار ہوتے گئے امیر معاویہؓ شام میں گو خود مختار بادشاہ تھا. ۱۸, ذوالحج ۳۵ھ ۱۷, جون ۶۵۶ء میں فسادیوں نے خلیفے کو شہید کر دیا۔[1]

حضرت علی اسد اللہؓ سوائے کسی مخالفت کے مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے وہ پہلے جو بھی تین خلفائ ہو گزرے تھے اُن کی مجلس شوریٰ کے اعلیٰ رکن تھے جو بھی مہتم بالشان کارنامے اگلے خلیفوں کے زمانے میں ہو گزرے وہ اُن کی ذہانت طبع کا نتیجہ تھا. اور خلافت ان کا موروثی حق بھی تھا. اس پاک اور مقدس شخصیت کے آگے ضرورت تھی کہ مسلمان سرِ تسلیم خم کر دیتے مگر ایسا نہ ہوا. ان کو شروعات میں بنو اُمیہ والوں کی سرتابی کرنی پڑی. اس نے رعایا کو حقوق واپس دلائے جو نالائق صوبے دار تھے ان کو موقوف کر کے اُس نے قوانین جاری کئے اس لیے صوبوں میں بغاوت پڑ گئی امیر معاویہؓ بن ابی سفیان پہلا والی تھا. جس نے وہاں بڑی دولت حاصل کی تھی۔[2]

جنگ جمل اور بلوچ

امیر معاویہؓ بغاوت کرنے کو تیار ہوا جو بھی صوبے معزول ہو چکے تھے. وہ ان کے ساتھ شریک ہوئے. قریش کے سربرآوردہ ارکان میں سے طلحہ اور زبیرؓ بھی باغیوں میں

---

[1] تاریخ اسلام از سید امیر علی صاحب ص ۳۹، ۴۰، ترجمہ اردو

[2] تاریخ اسلام امیر علی ترجمہ اردو ص ۴۱.

شامل ہوگئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی حضرت علیؓ سے سخت نفرت تھی وہ بھی باغیوں میں شریک ہوگئی۔ باغیوں نے بصرہ کو کوچ کیا بصرا اور کوفہ دو نئے شہر تھے جہاں بلوچ حضرت عمرؓ کے زمانے میں آباد تھے اور نہر اسوارہ تو خاص کر اُن کی لئے میں تعمیر کی گئی تھی۔ انہوں نے بصرہ کے عامل عثمان بن حنف کی سرکردگی میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا جو بہادری سے لڑتے ہوئے قید ہوگیا۔ اسی طرح کوفے سے ... وہ لوگ حضرت علیؓ کا طرف دار ہوا دشمن کے پاس ۳۰۰۰۰ ہزار فوج تھی اور حضرت علیؓ کی فوج کی تعداد ۲۰۰۰۰ ہزار تھی اس جنگ میں دشمن کے ۹۰۰۰ ہزار فوجی مارے گئے حضرت طلحہ اور زبیرؓ بھی شہید ہوگئے حضرت عائشہ گرفتار ہوگئیں جس کو شیر خدا نے نہایت ہی تعظیم و تکریم سے مدینہ روانہ کیا۔ یہ واقعہ ۳۷ھ میں ہوگزرا۔ کلدیا اور عراق کے فسادکو مات کرنے کے بعد حضرت علیؓ کوفہ میں قیام فرمانے لگے بہت سے باغی شام کو فرار ہوگئے اور وہاں امیر معاویہؓ کے پاس پناہ گزین ہوئے بہت سے لوگ امیر معاویہؓ سے رشوتیں لے کر باغی ہوگئے تھے۔ یہ ایک باقاعدہ جنگ بھی تو جاری رہی۔ اور لطف یہ کہ عمرو بن العاصؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے بزرگ بھی امیر معاویہؓ کے طرف دار تھے۔ دومۃ الجندل کا صوبادار رشوت لے کر بے ایمان ہوگیا تھا۔[1]

جنگ صفین اور بلوچ

۳۷ھ میں جنگ صفین شروع ہوئی بلوچ جو خاص حضرت علی علیہ السلام سے عقیدت مندی رکھتے تھے۔ انہوں نے مالک اشتر کی سپہ سالاری میں امیر المومنین کا ساتھ دیا۔ شامی فوج کی تعداد ۸۰۰۰۰ تھی اور امیر المومنین کی فوج کی تعداد ۶۰۰۰۰ تھی

[1]: تاریخ اسلام از سید اکبر شاہ ۲۷۰ سے لے کر ۲۸۰

ایک ہفتہ کی جنگ میں ۴۵ ہزار شامی مارے گئے۔ مالک اُشتر نے جو کامیابی دکھائی وہ قابل تعریف تھی آخر حضرت عمرو بن العاصؓ کی حکمت عملی سے ایک طرف صلح کی باتیں ہونے لگیں دوسری طرف نھروان کی جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں خارجی بھی سازشیں کرنے لگے۔ آخر ۱۷ ار رمضان المبارک ۴۰ھ مطابق ۲۷ جنوری ۶۶۱ء میں ابن ملجم ایک خارجی نے کوفہ کی جامع مسجد میں امیر المومنین کو نماز ادا کرتے ہوئے خنجر مار کر شہید کر دیا۔[1]

جھلاوان پر حملہ

۳۷ھ میں عربوں نے براہ قلات قیقانان KUE KANAN پر سپہ سالار الحارث کے زیر کمان حملہ کیا بقول بلاذری یہ خوفناک جنگ تھی عربوں نے شکست کھائی اور الحارث شہید ہو گیا[2] صاحب چچ نامہ کا ذکر ہے کہ قیقانان کے پاس سراوان اور مشکے میں اچھے گھوڑے ہوتے تھے جو جہازوں کے ذریعہ دیگر ممالک کو جاتے تھے۔

—— O ——

[1]: تاریخ اسلام از سید اکبر شاہ ص ۵۳۳، ۵۳۵، امیر علی ص ۴۳،

[2]: فتوح البلدان کا انگریزی ترجمہ از ہٹی HITTI، اور مرگاتھین MURGOTHEN جلد ۲ ص ۲۰۹ ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ کران، سیستان اور کرمان خلافت راشدہ کے زمانے میں بلوچستان کے حصے تھے

باب سوئم

۶۶۱ء سے لے کر ۷۵۰ء تک

دورِ بنی اُمیہ

امیر معاویہؓ ماہ سوال المکرم ۴۱ھ ۳۰ جولائی ۶۶۱ء میں امیر معاویہؓ دمشق کو پایۂ تخت بنا کر رومن اور ایرانی شہنشاہتوں کی طرح شان و شوکت سے شام پر حکومت کرنے لگا۔ اس نے اپنے خاندان کی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لیے اپنے بیٹے یزید کو تخت نشین کرنے کے لیے تمام عہد و پیام بھلا کر جانشین قرار دیا۔ اُس نے امام حسنؓ سے عہدنامہ کیا تھا کہ اس کی وفات کے امام خلیفہ ہوگا حقیقت میں یہ بیان سید امیر علی صاحب کا درست نہیں کیونکہ علامہ ابن اثیر اور دنیوری کے بیان مطابق امیر معاویہؓ اور امام حسنؓ کا جو آپس میں عہدنامہ ہوا وہ شرائط

اس طرح تھیں۔ اور ان شرائط میں عراقیوں کے متعلق جن میں زیادہ تر بلوچ تھے حقوق کی وضاحت کا پتہ لگ سکتا ہے اور یہی تاریخی عہدنامہ تھا جس کی بنا پر امام حسنؓ خلافت سے عبداللہ بن عامر کے کہنے پر دست بردار ہوئے تھے۔[۱]

(۱) کوئی بلوچ (عراقی) محض بغض و کینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائے گا۔ (۲) استشناب کو امان دی جائے گی۔ (۳) عراقیوں کے ہفوات کو انگیز کیا جائے گا۔ (۴) اہواز کا کل خراج حسنؓ کے لیے مخصوص کر دیا جائے گا۔ (۵) حسینؓ کو دو لاکھ سالانہ علیحدہ دیا جائے گا۔ (۶) بنی ہاشم کو صلات و عطایا میں بنی شمس (بنی امیہ) پر ترجیح دی جائے گی۔[۲]

حقیقت میں بلوچی شعرائے نے قوم پر جتنے احسانات کئے ہیں ان میں ڈومبکیوں کے دفتر شعر کو ہم یہاں پر فراموش کر نہیں سکتے چنانچہ بلوچی "علم الانساب" کی یہ سورۂ فاتح ہے اور وہ زبردست شعر ہے جو اپنی تواریخی نوعیت میں خالص امیر معاویہؓ اور اُن کے جانشین یزید کے متعلق اور بلوچوں کی سیاسی اہمیت کے متعلق اور یہی شعر ہے جس کو پہلے "جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال" نے ۱۸۸۱ء میں شائع کیا یہ شعر انگریزی میں LAY OF GENEALOGIES مشہور ہے یہ وہ زمانہ تھا جب مشرقی ادبیات کے بیش بہا جواہر پاروں سے مغرب کے علماء کھیل رہے تھے۔ اس کے چار سال بعد سر چارلس لائیل SIR. E. LYALL نے "قدیم عربی اشعار" کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔ رائے بہادر ہتو رام صاحب کی تاریخ میں شاہنامہ کے بعد دوسری سند ہے اور بس۔ دراصل بلوچی شاعری اس قسم کے بلوچی شعروں سے مالا مال ہے۔ مگر ہتو رام

---

(۱) عبداللہ بن عامر امیر معاویہ کی شامی فوج کے سپہ سالار تھے۔

(۲) اخبار الطوال دینوری ص ۲۲۲، کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۴۲ ڈومبکی "دفتر شعر" "شکراللہ حمدان گذاران"

صاحب نے اُن کو نظرانداز کر دیا مجھے اس بات میں یہ بھی ہے کہ رائے بہادر کو
کو بلوچی اشعار پر عبور حاصل نہ تھا۔ چنانچہ اس قسم کے بے شمار جواہر پارے اُس
زمانہ میں شائع ہو چکے تھے جب وہ صاحب موجود تھے جو اصحاب بلوچوں کے متعلق
اس قسم کے بیانات سے انکار کر سکتے ہیں ان کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ کابل اور گنداوا
سے کہ اس وقت جو بھی عربی قومیں پھیلی ہوئی تھیں وہ یا حمیری تھے یا مُضری اور ان
کا سلسلہ مغرب میں جبل الطلس تک وسیع تھا۔ امیر معاویہؓ اپنی شہنشاہت کے خواب کو
عملی جامہ پہنانے کے لیے اُن تمام قوموں کو آپس میں لڑا کر تماشہ دیکھتا تھا جب ان میں
سے کوئی قبیلا بازی جیت بھی لیتا تھا تو ایک دم اشرفیوں سے اُس کو مالا مال کر کے
چھوڑتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ امام حسنؓ نے جنگ سے کنارہ کشی کر کے صلح کی۔ اور
خلافت الکبریٰ جمہوریت کے نشان کو مٹا کر وہ شہنشاہ بن بیٹھا اس انقلاب عظیم میں
بنی قیس، بنی بکر، بنی تغلب اور بنی تمیم کو لازمی طور قریش سے ہمدردی تھی پھر کون کہہ سکتا
ہے کہ بلوچوں کا قبیلہ قریش سے نہ تھا؟ کیونکہ یہی قریش کے ممتاز قبیلے ہیں [1]

قریش کے جتنے بھی بڑے بڑے صحابہؓ تھے یا تو جنگوں میں شہید ہو چکے تھے باقی
جو تھے وہ مدینہ منورہ میں علم اور فقہ کی تعلیم اور اشاعت میں مشغول تھے تاہم جب
جہاد فی سبیل اللہ کا عام ڈنکا بجتا تھا صحابہ کبار سر بکف آ کر حاضر ہوتے چنانچہ
اصحابہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ جو اس وقت پیر سن تھے جب قسطنطنیہ پر

۱:۔ نوٹ:۔ شاپور ثانی نے جن جن عرب قبائل کو کرمان میں جلا وطن کیا تھا وہ زیادہ تر بکر قبیلے
تھے جنہوں نے بلوچوں کی بغاوتوں میں حصہ لے کر کسریٰ کی حکومت کو اُلٹا دیا تھا ساتھ ہی شام میں دو قبائل مضر
سے لڑے مگر تاریخ شاہد ہے کہ بلوچ استنبول تک جہاد میں شامل رہے۔

حملہ کا امیر معاویہؓ نے عام اعلان جہاد کیا تو اس مہم میں کمال شوق سے شامل ہوئے۔

فتح قسطنطنیہ اور بلوچ

۵۲ھ جنوری ۶۷۲ء میں امیر معاویہؓ نے قیصر روم (مشرقی بیزانطین) کے خلاف عام جہاد کا اعلان کیا۔ انصار کے قبیلے کو امیر معاویہؓ سے محبت نہ تھی چنانچہ سیوطی نے ابوقتادہ انصاری کی معاویہؓ سے جو ہم کلامی کا انداز بیان کیا ہے اُس سے انصار کا ثبوت مل سکتا ہے۔ یعنی انقلاب کے زمانہ میں وہ قریش سے ہمدردی رکھتے تھے۔ مگر چونکہ جہاد کی دعوت تھی اس لیے حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی اس مہم میں شامل ہوئے حضرت ابوایوبؓ کس مرتبہ کے صحابی ہیں۔ بلوچوں کے لیے غیر ممکن تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی شرکت میں شامل نہ ہوتے۔ اِس جنگ میں مسلمان قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچے۔ اس ثبوت کے لیے اب تک استنبول کی فصیل کے باہر اُن کے مزارات زیارت گاہ خلائق عام ہے قیصر کو امیر معاویہؓ سے صلح کرنی پڑی جس کے عیوض اُس نے پچاس اسپ، پچاس غلام اور تین ہزار اشرفیاں تیس برس تک دمشق کے دربار کو دینے منظور کئے۔[1] بلوچوں کا اس مہم میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا ساتھ دینے کا بیان بلوچی اشعار تما صوبھا بن تیغ علی نے دیا ہے یہ شعر اتنا مغربیوں میں مقبول عام ہوا کہ علم الانسان کے "دفتر شعر" سے پہلے "جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال" نے ۱۸۸۰ء کے ایک نمبر کے جلد اول میں شائع کیا۔ کیونکہ ان اشعار کا مصنف خود سوسائٹی کا ممبر تھا۔

---

[1] امیر علی ترجمہ اردو ص ۶۱۔ فتح قسطنطنیہ کے متعلق دیکھو صوبھا بن تیغ علی کا شعر بلوچی

اور انگریزی میں یہ شعر HEROIC EPIC OF BALOCHES کہلاتا ہے رائے بہادر ہیتو رام اگر اس کڑی کو اپنی تاریخ میں درج کرتے تو لیقیناً کتاب کا معیار بلند ہوتا۔

جھلاوان پر عربوں کا قبضہ

سندھ کے جاٹ اور مکران کے میڈ پر درد قومیں سخت شورش پسند تھیں جب کوئی فساد سندھ یا مکران میں پڑتا تھا تو اس کا اثر سیستان، خراسان اور کرمان پر بھی پڑتا تھا امیر معاویہ کے زمانے میں عبداللہ بن سوار عبدی پہلی بار قیقان والے باغیوں کو شکست دی۔ یہ سیستان کا حاکم تھا۔ اس کے شہید ہونے کے بعد مکران کو سیستان سے شامل کرکے زیاد بن ابی سفیان یہاں کا والی مقرر ہوا جس نے سلمہ بن محبق ہذلی کو مکران کا حاکم مقرر کیا ۵۳ھ میں مہلب بن ابی صفرہ جب خراسان کا والی مقرر ہوا اس نے شمالی کوہستانی باغیوں کو شکست دی سلمہ بن محبق ہذلی ایک عالم اور فاضل اور سیاستدان بھی تھا اُس نے مکران کے میڈ یا باغیوں کو شکست دی اُس کے دور میں مکران نے خوب ترقی کی اس کے بعد راشد بن عمرو ازدی مکران کا حاکم ہوا وہ پچاس ہزار میڈ باغیوں سے لڑتے شہید ہوا۔ اُس کے بعد سنان بن سلمہ نے میڈوں کو شکست دے کر شہید ہوا مگر قیقان کو اس نے فتح کر لیا اُس کے بعد منذر بن جارود عبدی جو ابو الاشعث کے لقب سے مشہور تھا اور اپنی اولوالعزمی اور بہادری کر کے نامور تھا مکران کا حاکم مقرر ہوا۔ اُس نے آتے ہی توقان اور قیقان فتح کئے یہ پہلا فاتح تھا جس نے قصدار قیقان کا تخت گاہ سر کیا شاعروں نے قصدی بنائے جنکو بلاذری نے اُن اشعار کو درج کیا وہ یہ ہیں ؎۱

ؔ۱: آج قیقان کا نام نشان نہیں شاید موجودہ نال ہوگا۔ جو جھلاوان میں ہے باقی خضدار آج بھی موجود ہے ... صاحب کے خیال میں قیقان کبھی کا شہر رہا تھا۔ اگر یہ درست ہے تو عربی فتوحات کبھی مکمل پڑھ جاتی ہے۔

حل بقصدار فاضحی بھا

فی القبر یقفل مع القاتلین

لہ قصدار وا عنا بھا

ای فتنی دنیا اخت و دین

منذر کے بعد یکے بعد دیگر مکران پر حاکم ہوتے رہے جو سب بہادر تھے البتہ ابن حری باہلی جب مکران کا حاکم ہوا اس نے بڑی فتوحات کیں اور شاعروں نے اس کی شان میں قصدے لکھے جیساکہ علامہ بلاذری کا بیان ہے۔

لو لا طعانی یا لبوقان مارجعت

بسرایا ابن حری یا سلاب

یزید بن معاویہ

معاویہؓ اپنے جیتے جی ہی بصرہ کے حاکم زیاد بن ابیہ کی مدد سے یزید کو جانشین مقرر کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ جو بھی مخالف تھے۔ اُن کی جیبیں اشرفیوں سے گرم کر دی گئیں تھیں ماہ رجب المرجب ۶۰ھ اپریل ۶۸۰ء میں اُس نے وفات پائی اور اس کی وصیت کے بموجب یزید تخت دمشق پر بیٹھا۔ جو ظالم، شرابخور، عیاش اور بد چال تھا۔ اماہین سے اُس کو خاص عداوت تھی ۵۰ھ میں امام حسنؓ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے کسی وجہ زہر دیدیا اُن کے قلب و جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ سم قاتل کی وجہ شہید ہو گئے ۱؎ اور یہ غلط ہے کہ امیر معاویہؓ نے اُن کو زہر دلوایا

کیا بلوچ کربلا کے معرکے میں موجود تھے

کربلا کے معرکے میں بلوچ

۱؎ کامل ابن اثیر جلد ۳، ص ۲۴۳

کہتے ہیں کہ وہ شامل تھے۔ امام حسینؓ کے ساتھ جو بھی شریک تھے اُن جانبازوں میں بڑی نظر آتے ہیں جو امامؓ کے خیموں کی نگہبانی کرتے تھے اُن میں حبیب بن مظہر کا نام طبری نے لکھا ہے یہ بلوچ تھا مگر یہ کہہ نہیں سکتے کہ وہ امیر حمزہؓ کی اولاد سے تھا۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ حبیب کی شہادت کے بعد حضرت حسینؓ کا ایک قومی بازو ٹوٹ گیا[1]۔ اور میدان کربلا میں سنان بن انس نے امام کے سر کو جو بوسہ گاہ سرور کائنات صلعم تھا جسم اطہر سے جدا کیا ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ء میں خانوادہ نبوی صلعم کا آفتاب ہدایت ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا[2]۔ اس شقاوت و سنگدلی پر زمین کانپ اٹھی، عرش الٰہی تھرا گیا، ہوا خاموش ہو گئی، پانی کی روانی رک گئی، آسمان خون رویا، زمین سے خون کے چشمے پھوٹے، شجر و حجر سے نالۂ و شیون کی صدائیں بلند ہوئیں، جن و انس نے سینہ کوبی کی، ملائکہ آسمانی میں صف ماتم بچھی، کہ آج ریاض نبوی صلعم کا گل سر سبد مرجھا گیا، علی علیہ السلام کا چمن اجڑ گیا اور فاطمہؓ کا گھر بے چراغ ہو گیا آج بھی ایسا دنیا میں کوئی دل نہیں کہ جس میں واقعہ کربلا سے ملال نہ پیدا ہو۔ شیدائی بلوچ اہل وفا کے لیے تو یہ محال ہے حضرت حسینؓ کے ساتھ ۷۲ آدمی شہید ہوتے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ان میں بیس آدمی خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے:۔

(۱) حسین بن علی (۲) عباس بن علی (۳) جعفر بن علی (۴) عبداللہ بن علی (۵) عثمان بن علی (۶) محمد بن علی (۷) ابوبکر بن علی (۸) علی بن حسین بن علی (۹) عبداللہ بن حسین (۱۰) ابوبکر بن حسن (۱۱) عبداللہ بن حسن (۱۲) قاسم بن حسن (۱۳) عون بن عبداللہ بن جعفر

---

[1]: طبری جلد ۷، ص ۳۴۷، ۳۵۰۔

[2]: کامل جلد ۴ ص ۶۷، اخبار الطوال ص ۲۶۹۔

طیار (۱۴) محمد عبداللہ بن جعفر (۱۵) جعفر بن عقیل بن ابی طالب (۱۶) عبدالرحمٰن بن عقیل (۱۷) عبداللہ بن عقیل (۱۸) مسلم بن عقیل (۱۹) عبد بن مسلم بن عقیل (۲۰) محمد بن ابو سعید بن عقیل رضی[1]

بلوچ قوم کی حلب سے ہجرت

یہ غلط ہے کہ بلوچ قوم نے یزید کے زمانے میں ہجرت کی حقیقت میں یہ ان کی چوتھی اور آخری ہجرت تھی اور یہ وہ ہجرت تھی جب انہوں نے عرب کو خیرباد کہہ کر مستقل طور پر بلوچستان میں سکونت اختیار کی مغربی علماء کا تو بیان ہے کہ بلوچ عیسوی ۱۶ صدی میں بلوچستان پر چھا گئے۔ بلوچوں نے ایک ہجرت تاریخ کے زمانے سے پہلے کی جب وہ مکران کی وادی بلیدہ اور سیستان تک پھیل گئے پھر براہوئی آئے۔ اور سراوان تک بلکہ کچھی تک پھیل گئے۔ پھر شاپور ثانی کے زمانہ میں اُن کو عرب چھوڑ کر ران اور خلیج فارس میں سکونت اختیار کرنی پڑی۔ امیر معاویہؓ کے زمانے جو حد درجہ فاضل اور سیاستدان تھے پچاس ہزار عربی قبائل جس میں ربیعہ، مضر، سلیم، ثقیف، ہمدان، تغلب، بنو اسد، کندہ، تمیم، محارب، عامر، مذحج اور ہوزان قبیلے شامل تھے ہجرت کر کے خراسان کو بسایا غیر ممکن ہے کہ بلوچ جیسی شورش پسند قوم اس میں موجود نہ ہو خاص کر اُنکی جماعت تو اہل بیت کے نزدیک اہل وفا میں شمار ہوتی تھی۔ پھر چوتھی ہجرت وہ یزید بن معاویہ کے زمانے میں کرتے ہیں۔ رائے بہادر ہتیو رام کے بیان موجب

[1] ان ناموں میں حبیب بن مظہر کا نام ہے اور نہ حمزہ کے کسی بیٹے کا حبیب بن مظہر شاید قریشی میں سے ہوگا جس کو اہل بیت سے ہمدردی تھی۔ ڈومبکی شعر بھی یہی بتایا ہے کہ بلوچوں کو اماموں سے ہمدردی تھی۔

وہ سنہ ۶ھ میں اعلمش رومی کی سرکردگی میں عرب سے ہجرت کرکے آکر کرمان میں بہم قبائل یا بولخ سکونت اختیار کرتے ہیں مگر مُدومیکی شاعر کہتا ہے کہ کربلا (کلبلا) کی جنگ کے بعد انہوں نے آبائی وطن کو بطور صدائے احتجاج چھوڑا کربلا کا معرکہ ۱ ہجری اور ۸۱ ۷ء میں ہوتا ہے۔ اس حساب سے بلوچ عیسوی آٹھویں صدی کے آخر میں حلب کو چھوڑ کر کرمان پہنچتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی دو کانفیڈریسی نظر آتی ہیں (۱) بلوچی کانفیڈریسی (۲) براہوئی کانفیڈریسی جس کا آغاز عیسوی ۱۷ صدی میں ہوتا ہے پہلے زمانہ میں وہ سولویں صدی تک ہجرتیں کرتے ہیں اور سندھ پنجاب و گجرات اور ہیلمند سے پرے تک پھیل جاتے ہیں اور دوسرا دور اس وقت جاری ہے۔ یہاں ان کا پیشہ تھا گجرات کے ساحلوں تک لوٹ مار کرنا میڈ اور جاٹوں سے بلیدی اور براہوئی پہلے واقفیت پیدا کر چکے تھے۔ ہمیں معلوم نہیں کب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ مگر صوبھا بن تیغ علی کے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "جبانی شیھان" کے مقام پر علیٰحدہ علیٰحدہ ہو گئے ہیں۱ وہ کرمان اور مکران میں موجود تھے۔ خاص کر کرمان تو سازشوں کا مرکز تھا۔ جب کبھی مکران میں کوئی واقعہ رونما ہوتا تھا تو اس کا اثر سندھ پر پڑتا تھا۔ اس لیے خوف تھا کہ کہیں عربی سلطنت اور سندھ کی آپس میں ٹکر نہ ہو جائے۔ آخر یہی ہوا۔

مسئلہ مکران اور ڈاہر

بنی امیہ دور میں ولید بن عبدالملک کا زمانہ اسلامی فتوحات کا شاندار زمانہ ہے۔ اُسنے حجاج بن یوسف ثقفی کو جو اپنی سخت گیر پالیسی کی وجہ سے مشہور رہا ہے عراق کا والی مقرر کیا

ہ۱ یہ تمام بیان جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے علیٰحدہ نمبر جلد اول میں پہلی بار ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئے

مشرق میں جو بھی ولائیتیں تھیں اُن کا ملکی و فوجی انتظام اس کے ماتحت تھا۔ ۸۵ھ ۶۹۵ء میں اُس نے سعید بن اسلم کلابی کو مکران کا والی مقرر کر دیا اُس کے دنوں میں علافی خاندان کے پانچ سو افراد نے عمان سے ہجرت کر کے آ کر مکران میں سکونت اختیار کی ان علافیوں میں سے ایک شخص صفوی بن لام الحمامی نے ایک ذمی کو مذہبی بحث کے دوران طیش میں آ کر قتل کر ڈالا۔ مکران کے والی سعید نے اُس کو مجرم ٹھہرا کر جان کی سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ صفوی نے موقعہ پر سعید کو قتل کر ڈالا حجاج کو جب اس حادثہ کی خبر پہنچی اس نے علافیوں کے سردار سلیمان کو گرفتار کروا کر مروا ڈالا اور مجاعہ بن سعر تمیمی کو مکران کا حاکم مقرر کیا۔ اس نئے والی نے باغیوں کو سزا دینے کا فیصلہ کیا علافیوں نے محمد بن حرث کو جو عبدالرحمٰن بن اشعث کا سپہ سالار تھا اُس کو قتل کیا اور اپنے قبیلے سمیت جا کر سندھ میں راجا داہر بن چچ کے ہاں پناہ گزین ہوئے یہ واقعہ ۸۵ھ ۷۰۴ء ہو گزرا[1] مجاعہ نے وفات کی اور اس کی جگہ محمد بن ہارون مکران کا گورنر مقرر ہوا جو بقول تحفۃ الاکرم بلوچ تھا۔[2]

تحفۃ الکرام کا یہ بیان بھی غلط ہے کیونکہ فرشتہ کا بیان صاف دکھاتا ہے کہ جب محمد بن ہارون مکران کا حاکم ہو کر آیا تو مکران میں پہلے بلوچ موجود تھے اور فرشتہ کا یہ بیان صحیح ہے۔

سراندیپ اور دمشق کے تعلقات

سراندیپ رسیلون اور عربوں

---

[1] علافیوں کی بغاوت کرنا اور راجا داہر کا انکو پناہ دینا یہ پہلا معاملہ تھا کہ عرب و ہند کے سیاسی تعلقات ٹوٹنے لگے

[2] تحفۃ الکرام کا صاحب علی شیر انکو امیر حمزہ بن عبدالمطلب کی اولاد دکھاتا ہے۔

اکبر حقیقت نامہ محمد بن قاسم کی حملہ آوری کے اسباب ص ۲، ۳، ۴، جلد اول اکبر شاہ نجیب آبادی یونیٹڈ پریس لکھنو

کے تعلقات بہت پرانے تھے چنانچہ فرشتہ کا بیان ہے کہ قبل اسلام سراندیپ کے بت پرست برہمنی خانہ کعبہ کے بتوں کی زیارت کرنے کو جایا کرتے تھے اور عرب تاجر بھی یہاں رہتے تھے[1]۔ اور عرب تاجر ہندوستان سے جواہرات موتی اور خوشبودار خریدا کرتے تھے[2] خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں یہاں کے راجا نے عرب تاجروں کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کو تحائف دیگر جہازوں میں سوار کر کے بصرہ کو روانہ کیا اس بحری قافلہ میں چند نو مسلم حجاج بھی تھے۔ جب یہ جہاز سندھ کے دیبل بندر میں پہنچا تو وہاں کے بحری قزاقوں نے جہازوں کو لوٹ کر بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کو غلام بنالیا[3] ان یتیموں میں سے ایک سعید نامی جو کسی حکمت سے جان بچا کر بھاگا تو وہ حجاج بن یوسف کے روبرو جاکر تمام بیان کیا کہ بیوہ پکارتی تھیں کہ "اغثنی یا حجاج" علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ سندھ کے یہ ڈاکو مکران کے ساحل تک لوٹ مار کرتے تھے محمد بن ہارون بلوچ یہ تمام واقعات باغیوں کے استیصال کے لیے حجاج کو پیش کر چکا تھا۔ پھر لطف یہ ہے کہ ڈاہر بن چچ نے بدھ مت کے پوجاریوں کو اتنا ستایا تھا کہ ان کی درخواستیں بھی حجاج کو پہنچ چکی تھیں[4]۔ حجاج نے دریائے لیڑوں کی سرکوبی کے لیے عبداللہ بن نبھان کو تین ہزار لشکر دیکر روانہ کیا مگر بقول بلاذری وہ دیبل کے معرکے میں شہید ہو گیا۔

---

[1]: فرشتہ جلد ۲ ص ۴۹۷ [2]: تقویم البلدان ابوالفداء ص ۳۰۹ کتاب عرب و ہند کے تعلقات از سید سلیمان ندوی باب "عربوں کی تجارت" [3]: عرب ان سمندری ڈاکوؤں کو مختلف ناموں سے معلوم کرتے تھے چنانچہ بحر ہند کے ڈاکوؤں کو بوارج کہتے تھے اور بحیرہ روم کے ڈاکوؤں کو قرصان کہتے تھے کتاب الہند بیرونی ص ۱۰۲ [4]: ان بدھ مت کے پوجاریوں کو عرب سمنیہ کہتے تھے ان کو برہمن بہت ستاتے تھے بشاری مقدسی۔ ابن حوقل اور ایلیٹ سارے میں متفق ہیں

بلوچوں کا سندھ پر حملہ

حجاج نے عمان کے حاکم بُدیل بن طہفہ کو حکم دیا کہ عبداللہ بن نبہان کی شکست کا سندھ والوں سے ذرا جاکر انتقام لے اور مکران کے حاکم محمد بن ہارون کو حکم دیا کہ فوج کمک کے لیے تیار رکھے۔ بُدیل تین سو جوان لے کر مکران پہنچا یہاں اُس کے ساتھ تین ہزار جرار بلوچی لشکر ہمرکاب ہوا۔ دیبل کے نزدیک اسلامی فوج کا ڈاہر کے لڑکے جیسیں سے مقابلہ ہوا، جس کے پاس بے شمار سوار فوج اور ہاتھی تھے۔ بلوچ ان ہاتھیوں سے واقف تھے مگر اتفاق سے عین جنگ کے میدان میں بدیل کا گھوڑا بدکا اور اُس کو زمین پر گرا دیا اور دشمن نے اُس کو گھیرے میں لاکر شہید کر دیا بلوچ کے لیے غیر ممکن تھا کہ میدان چھوڑ کر بھاگیں وہ سب کے سب میدان جنگ میں لڑتے شہید ہوئے۔ یہ تمام بیان فتوح البلدان بلاذری میں ہے۔

فتح سندھ کی تیاریاں

بدیل کی شکست کی خبریں سن کر حجاج نہایت ہی غمگین ہوا اس نے موذن کو حکم دیا کہ ہر اذان کے بعد وہ بدیل کے انتقام اور مظلوم مسلمانوں کو کافروں کی قید سے رہا کرانے کی یاد دلاتا رہے۔ سندھ جیسے طاقتور ہندو راجا کے مقابلے کے لیے ایک موزوں اور لائق سپہ سالار کی ضرورت حجاج جیسے سخت ظالم تھا دیسے دانائی اور سیاستدانی میں مشہور تھا اور بنی امیہ حکومت کا ایک زبردست بازو تھا اس نے اپنے چچا کے بیٹے اور داماد محمد بن قاسمؒ کو اس عظیم الشان مہم کے لیے تیار کیا جو سترہ برس کا اولوالعزم جوان ہمت جوان اور شیراز کا حاکم تھا اس جنگ کے لیے اُس نے دو لشکر ایک بحری اور ایک خشکی کے راستے روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ بحری لشکر میں ۳۰۰۰ ہزار عراقی نوجوان تھے۔ اُن کا سردار

ابن خزیمہ مغیرہ تھا[۱] خشکی کے لشکر میں ۔۔۔ ۶ شامی نوجوان تھے۔ جن کا سردار ابوالاسود جہم بن ظہر جعفی تھا۔

محمد بن قاسم کی فوج میں بلوچ

۹۲ھ ۷۱۱ء میں غازی محمد بن قاسم شیراز سے فوجیں لے کر روانہ ہوا بقول ابن خلدون اُس کے پاس ۶ ہزار فوج تھی[۲]۔ مکران میں ۳ ہزار بلوچ فوج محمد بن ہارون نے تیار کر رکھی تھی۔ بلاذری کا بیان ہے کہ جب اسلامی لشکر نے مکران سے کوچ کیا اُس وقت اسلامی جھنڈے تلے ۶ ہزار ایرانی شہسوار ۶ ہزار شامی شتر سوار اور تین ہزار بلوچ شتر سوار تھے جو محمد بن ہارون نے کرمان اور مکران کے بلوچوں سے تیار کئے تھے۔ یہ فوج تعداد میں جملہ ۱۵ ہزار تھی اس فوج نے پہلے قنز پور کو سر کیا جہاں پچھلے زمانہ سے ہندو حاکم رہتا تھا۔ بعد بڑی جنگ کے اس نے لس بیلہ کو فتح کیا جس کو ابن خلدون نے ارما بیل دکھایا ہے[۳]۔ یہاں کسی بیماری کی وجہ سے محمد بن ہارون نے وفات کی اُس کا مزار یہاں موجود ہے۔ تھوڑے دن آرام لینے کے بعد محمد بن قاسمؒ نے دیبل پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے یہ شہر عروس منجنیق نصب کر کے برباد کر کے مسلمان مظلوم مرد اور عورتوں کو آزاد کیا۔ اس نے الور تخت گاہ کو راستہ لیا راستہ میں سیوستان (سیوہن) کو فتح کر کے نیرن کوٹ (حیدرآباد) پہنچا۔ ۱۰

---

[۱] بحری فوج کے ساتھ منجنیقیں بھی تھیں ان کی تعداد کے لیے اتنا کافی ہو گا کہ ہر ایک منجنیق کو چلانے پر پانچ پانچ سو ملاح مقرر تھے۔

[۲]: ابن خلدون جلد ۵، صفحہ ۸۷، اردو ترجمہ

[۳]: ابن خلدون جلد ۵، فتوح البلدان بلاذری

رمضان المبارک ۹۳ھ ۷۱۲ء میں ڈاہر سخت شکست کھا کر میدان جنگ میں مارا گیا اور، برہمن آباد، ملتان اور فہرج کے شہر اسلامی لشکر نے فتح کئے ماہ شوال المکرم ۹۵ھ ۷۱۳ء میں حجاج نے وفات کی اسلامی فتوحات کا سلسلہ قنوج پہنچکر ختم ہوا۔ سندھ بنی امیہ حکومت میں شامل ہوگیا۔

فتح کاشغر اور بلوچ

۸۶ھ میں قتیبہ بن مسلم خراسان کا حاکم مقرر ہوا اُس نے حجاج کے حکم سے صغد، بلخ اور چین پر حملہ کیا اس جہاد میں بلوچ دل کھول کر شامل ہوئے کیونکہ ترک بت پرست تھے۔ ہشام بن عبدالملک پہلا بادشاہ تھا جس نے ان ترکوں سے باقاعدہ خراج وصول کیا اور وہ خراج میں لونڈیاں بھی دیا کرتے تھے۔ اس مہم میں حبیب بن مہلب والی کرمان نے زبردست بلوچی لشکر بطور کمک کے روانہ کیا۔ اس مہم میں اسلامی لشکر نے بلخ، بخارا طخارستان، شومان، فرغانہ اور کاشغر تک ملک فتح کیا۔ جتنے بھی ترکوں کے بت خان تھے وہ برباد کر دیئے گئے۔ خاقان چین جو ترکوں کا طرف دار تھا اس کو خراج دینا پڑا۔ اس جنگ کو دس برس گزرے اس دوران میں حجاج بن یوسف نے وفات کی بلوچ ۹۶ھ تک اس جہاد میں شامل رہے۔[۱] غرض قتیبہ بن مسلم اور یزید بن مہلب نے مشرق میں جو بھی فتوحات حاصل کی اُن مہموں میں بلوچ بطور والنٹر شامل ہوئے اس فوج کو "متطوع" فوج کہتے تھے۔ اس فوج نے جرجان تک فتوحات حاصل کی بقول ابن خلدون بحیرہ خضر تک فتوحات حاصل کی۔[۳]

---

[۱]: ابن خلدون جلد ۵، ص ۲۸۰ تا ۲۸۹۔ [۲]: تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی لاہور ص ۱۵۲

[۳]: ابن خلدون جلد ۵، ص ۳۱۶۔

عمر بن عبدالعزیز تا ہشام

بنی امیہ خلفائ کی پالیسی جابرانہ تھی۔ اُن کے جو گورنر تھے وہ رعایا پر سخت ظلم کرتے تھے۔ مثال کے طور پر حجاج بن یوسف اپنی سختی اور ظلم کے لیے تواریخوں میں مشہور ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس نے تقریباً ستر ہزار بے گناہ قتل کروائے جن میں بعض صحابہؓ، تابعین اور مجتہدین بھی شامل تھے امام حسن بصریؒ نے جب اُس کی وفات کی خبر سنی تب شکرانے کے لیے اُس نے سجدہ کیا۔[1] عبدالعزیزؒ کا زمانہ خیر و برکت اور عدل کا زمانہ تھا جو بھی عامل رشوت خور تھے، اُن کو اُس نے معزول کر دیا۔ اس کے علاوہ اسلام کی اشاعت نے بڑی ترقی کی سنہ ۱۰۰ھ میں اُس نے خراسان کے عامل یزید بن مہلب کو معزول کر مشرقی تمام ممالک جن میں بلوچستان بھی شامل تھا وہ سب اس کے ماتحت تھے وہ جب خراسان سے روانہ ہوا تو اس کے پاس دو کروڑ کی رقم تھی یہ سب اُس نے رعایا سے لوٹ کر جمع کی تھی۔[2] اُس کی جگہ جراح بن عبداللہ الحکمی والی مقرر ہوا خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ اسلام کا پہلا مجدد شمار ہوتا ہے۔ طبقات ابن سعد اور فتح الباری، خوا کتب سیر و تاریخ میں اُن کی تعریف بیان کی ہوئی ہے۔

آل مہلب کی بغاوت

سنہ ۱۰۱ھ سنہ ۷۲۰ء میں یزید ثانی بن عبدالملک دمشق کے تخت پر بیٹھا اُس کے زمانے مکران ولایت کرمان کے ماتحت رہا۔ اور کرمان کا والی وداع بن حمید عامل مقرر ہوا اُس نے آل مہلب والوں کو قندابیل کے قلعہ میں پناہ دی مگر مسلم بن عبدالملک

حوالہ ۱: تاریخ المشاہیر از قاضی سلیمان ص ۱۰۵۔

حوالہ ۲: سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ از مولانا عبدالسلام ندوی ص ۴۰

نے اُن کو قید کر دیا۔ غرض آل مہلب والوں کے فساد نے جو خاص بنی امیہ خاندان والوں کے خلاف تھا عراق سے لے کر بلوچستان تک بہت خونریزی ہوئی۔ اور اس فساد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یزید بن مہلب کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی[1] آل مہلب والے قتل ہو گئے اُن میں سے ابو عیینہ بن مہلب، عمر بن یزید بن مہلب، عثمان بن مفضل بن مہلب جان بچا کر رتبیل کے راجا کے پاس پناہ گزین ہوئے۔

نصر بن سیار کی خراسان پر حکومت

۱۰۲ھ میں یزید بن عبدالملک نے مسلمہ جو اندرونی فسادات کو رد کرنے میں کامیاب ہوا تھا بصرہ اور کوفہ کا والی مقرر ہوا مسلمہ نے اپنے داماد سعید بن عبدالعزیز کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ یہ شخص عیاش اور رنگین مزاج تھا نزاکت کا یہ حال تھا کہ ایران کی دہقان عورتوں نے اس پر "خذینہ" لقب رکھا تھا اُس کے بعد ہشام بن عبدالملک دمشق کے تخت پر بیٹھا اُس نے دیر سے حکومت کی اُس کے بعد بنو امیہ کی سلطنت میں انقلاب آنا شروع ہوا معاویہ بن ابو سفیانؓ نے جس مضبوط حکومت کی بنیاد اپنی سیاستدانی سے رکھی تھی اس کو زوال پہنچا غرض ہشام کا زمانہ اچھا تھا۔ اس نے اشرس بن عبداللہ کو خراسان کا والی مقرر کیا وہ رعایا سے نیک سلوک رکھ کر خوش خلقی سے پیش آنے لگا اس کے زمانے میں خراسان کا تخت گاہ مرو تھا ۱۱۱ھ ۱۱۶ھ تک جنید بن عبدالرحمن خراسان کا والی مقرر ہوا اس کے زمانہ میں خاقان چین اور ترکوں کو اسلامی لشکر نے شکست دی اور ہشام

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ ص ۳۲۱

کو ماوراءالنہر سے باقاعدہ سالانہ خراج وصول ہونے لگا۔[1] ۱۲۰ھ میں نصر بن سیار ہشام کی طرف سے خراسان کا والی مقرر ہوا اُس کے زمانہ میں خراسان نے زیادہ ترقی کی

بنوامیہ حکومت میں انقلابی جماعتیں

بنی امیہ دور میں انقلابی ترقی پسند جماعتوں میں سے علوی اور عباسیوں کی بغاوت کا آغاز ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں ہوا اُس وقت بنوامیہ سلطنت کے اندر تین قسم کی جماعتیں تھیں (۱) شیعا جن کو حضرت علیؓ کے بعد اہل بیت سے ہمدردی تھی اور وہ اہل سادات کو خلافت کے لیے حق دار سمجھتے تھے ان کی زیادہ تعداد عراق اور ایران میں تھی بلوچ اس جماعت میں شامل تھے (۲) بنوامیہ والوں کے حامی جو زیادہ تر حجاز و شام میں رہتے تھے۔ (۳) خارجی جو دراصل شیعہ حضرات اور بنی امیہ والوں کو چھیڑ کر ان کو آپس میں لڑاتے تھے۔ ان کی زیادہ تعداد بصرہ کوفہ اور ایران میں موجود تھی۔ سب سے پہلے زید بن علیؓ نے بغاوت کی اُس کی لاش کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ اُن کے صاحبزادے امام یحیٰ بن زید نے خراسان میں آکر پناہ لی۔ امام زید بن علی کو شکست کھانے کے بعد عباسیوں کے لیے راستہ صاف ہوگیا اور رعایا کو بنوہاشم سے ہمدردی ہونے لگی۔

عباسیوں میں سے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بنوامیہ سلطنت کے تخت کو اُلٹنے کی فکر میں تھا۔ اُس نے چاروں طرف اپنے ایلچی

(۱): مفصل جنگوں کا بیان ابن خلدون اور ابن اثیر نے دیا ہے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔

نوٹ: ۱۱۰ھ میں سندھ میں دو عربی ریاستیں منصورہ اور ملتان تھیں بلوچستان میں مکران، قیقان، توران، توقان اور مشکے عربی ریاستیں تھیں جن پر عرب امیر حکومت کرتے تھے اور خلافت کے مرکز سے وابستہ تھے

ذکاء اللہ جلد ا ص ۲۲۸

روانہ کیئے۔ ان میں سے ابو عکرمۃ السراج خراسان میں عباسی تحریک کا داعی مقرر ہوا[1]۔
حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد بنو امیہ والے ناانصافیوں اور مختار المطلق کے ذریعہ رعایا کی مجروح دلوں پر نمک پاشی کرنے لگے۔ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں ماوراء النہر، عراق اور خراسان میں بڑے عرصہ تک جنگوں کا سلسلہ جاری رہا جن کا زیادہ اثر خراسان پر پڑا ان جنگوں کے مالی ضائع کی بحالی کے لیے وہاں کے تعلیہ ایا نمبرداروں پر زیادہ بوجھ ڈالا گیا اور والی ان سے بدسلوکی سے پیش آنے لگے یہ نمبردار اکثر دھقان یا مرزبان کہلاتے تھے۔ وہ حکام کو خوش رکھنے کے لیے غریب کاشتکاروں پر زیادہ ظلم کرنے لگے۔ اور مالی آمدنی سے کچھ حصہ تو وہ آپ ہضم کرنے لگے اور کچھ حکام کو کچھ رکھنے کے لیے مالی ضائع میں داخل کرانے لگے[2]۔

انقلابی تحریک اور بلوچ

کربلا کے معرکہ میں امامین سے اور اہل بیت سے بنو امیہ والوں نے جو سلوک کیا تھا اُس سبب سے ان کے خلاف عام نفرت پھیلی ہوئی تھی۔ بلوچ تو خاص اہل دغا میں شمار ہوتے تھے یہی کربلا کا حادثہ تھا کہ وہ حلب سے نکل کر کرمان، بمپور، خراسان، مکران اور سیستان تک پھیل گئے۔ اُن سے پہلے عرب کے پچاس مختلف قبائل کو دور امیر معاویہ رضہ میں خراسان کو جلاوطن کر دیا تھا۔ اس لئے جب بھی خراسان میں انقلابی لہر پیدا ہوتی تھی بلوچ اُس میں شامل ہوتے تھے۔ حقیقت میں اُن کی طبعیتیں کچھ انقلاب پسند تھیں۔
ابو عکرمۃ السراج جو ابو محمد صادق کے نام سے عباسیوں کا داعی یا نقیب تھا اُس کی دعوت کو خراسان میں زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ۱۰۷ھ میں جب اسد قسری

[1] ابن خلدون جلد ۵، ص ۲۹۵،
[2] الفاروق حصہ ۲، باب خراج ص ۱۶۵، ۱۷۵، بحوالہ ابومسلم خراسانی از جرجی زیدان ص ۱۰،

خراسان کا عامل تھا اُس زمانہ میں بکیر بن ماہان بلوچ جس کا سندھ تک رسوخ تھا کوفہ پہنچ کر ابو محمد صادق سے ملا اور اُس سے ایک لوہے عصا بطور نشانی کے لے کر واپس آکر سندھ اور بلوچستان میں تحریک شروع کی[۱] ۱۲۴ھ میں محمد بن علی نے وفات پائی اور اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ جس کو عباسی خلافت کے وفادار بطور امام ماننے لگے۔ بکیر بن ماہان نے اُس سے ملاقات کی بلوچ جو پہلے امیر حمزہؓ کے روحانی فرزند تھے وہ اب بکیر بن کی دعوت پر حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے ابراہیم کو امام سمجھ کر بکیر کو نذرانے دینے لگے[۲] اُس کے بعد خراسان کا ایک ایرانی باشندہ جو بزرجمہر کی اولاد میں سے تھا اور عام طور پر عبدالرحمٰن بن مسلم اُس کا نام تھا وہ ابو مسلم خراسانی کے لقب سے ۱۲۸ھ میں امام ابراہیم کی طرف سے خراسان کا سردار مقرر ہوا۔ بکیر بن ماہان نے جلد وفات کی اور ابو سلمہ حفض بن سلیمان حلال بلوچوں کے لیے نقیب مقرر ہوا۔ اس تحریک نے زیادہ زور پکڑا کیونکہ اب ایک اور نومسلم خالد برمکی بھی ابو مسلم سے شامل ہو گیا برمکیوں کا خاندان بھی قدیم تھا کیونکہ خالد کا دادا برمک بلخ کے مشہور آتش کدہ کا پیر مغان تھا سنہ ۱۲۵ھ ۷۴۳ء میں ہشام کے بعد ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک دمشق کے تخت پر بیٹھا یہ بالکل کمزور طبیعت انسان تھا۔ اُس کے زمانہ میں امامین سے ظلم ہونے کے علاوہ بنی اُمیہ خاندان والوں میں بے سلوکی اور نااتفاقی پڑ گئی۔ ابو مسلم جب جھنڈا اٹھائے اُس سے پہلے کرمان کے بلوچی قبائل نے اپنی دیرینہ طبیعت کے مطابق بغاوت کا علم بلند کیا اور اس بغاوت میں ازد قبیلے کے سردار جدیع کرمانی کا خاص ہاتھ تھا

---

[۱]: تاریخ اسلام جلد ۲، باب "عباسیوں کی سازش"، ص ۳۴۱

[۲]: ابن خلدون جلد ۵، ص ۳۹۸، بقول ابن اثیر بکیر بن ماہان عباسی حکومت کا پہلا بانی تھا

بلوچوں کا خراسان پر حملہ

بنوامیہ سلطنت کے اقبال کا ستارہ غروب ہونے کو تھا ۱۲۷ھ ۷۴۵ء میں مروان ثانی بن محمد بلجدی دمشق کے تخت پر بیٹھا اور یہ آخری اموی تاجدار تھا خراسان جو بغاوتوں کا مرکز تھا اُس پر اس نے نصر بن سیار کو والی مقرر کیا جو مشہور سپہ سالار تھا نصر تجربہ کار فوجی عملدار تھا اُس نے خراسان کے انتظام کو بحال رکھنے کی اپنی طرف سے بڑی کوشش کی مگر بلوچوں کی خون آشام تلواریں جو امامین کا بدلہ لینے کے لیے بےچین اور برق کی طرح مضطرب تھیں انہوں نے ۱۲۸ھ میں طوفان کی طرح کرمانی کے جھنڈے تلے خراسان پر حملہ کیا انہوں نے خراسان کے پایۂ تخت مرو کو سر کر کے نصر کے محلاتوں کو لوٹ کر برباد کر دیا۔ یہ وہ حملہ تھا جس نے امیتوں کی خراسان میں اینٹ سے اینٹ بجادی چنانچہ ۵ رمضان المبارک ۱۲۹ھ میں مرو کے پہاڑ سفید نج کے پہاڑ کے اوپر ابومسلم خراسانی نے امام ابراہیم کے دو عطا کئے ہوئے جھنڈے الظل اور السحاب کو بلند کیا۔ اور یہ بلوچی تلواریں تھیں جنہوں نے ابومسلم کے لیے خراسان کا راستہ صاف کر دیا۔ اور اُس کے مرنے کے بعد بلوچ اُس کے فرزند علی سے بھی وفادار رہے ۷۴۶ء میں جب بلوچی افواج نے قاہرہ خراسان کے دارالامارۃ پر قبضہ کیا تھا۔ اُس وقت ابومسلم خراسانی کی زبان پر یہ الفاظ تھے " ودخلا المدنیۃ علی حسین غفلۃ من اهلها فوجد فیها رجلین یقتلان هذا من شیعۃ وهذا من عدوہ "[۲] غرض عباسی تحریک جو پہلے دبی ہوئی تھی اب بلوچوں کی بغاوت

۱: کامل ابن اثیر جلد ۵، ص ۱۶۹

۲: ابن خلدون جلد ۶، ص ۵۴

کر کے ظاہر ہوئی. خراسان کو زیر کرنے کے بعد بلوچوں نے کرمانی کے جھنڈے بلخ کی دیواروں پر جھنڈا گاڑ دیا. اس معرکہ میں کرمانی کا بیٹا عثمان شہید ہو گیا. غرض کرمانی کی طاقت کو دیکھ کر خود ابو مسلم کو اُس سے خوف پیدا ہوا جس نے اُس کو کسی ترتیب سے زہر دلوا کر ختم کر دیا[1]

بلوچوں کا نہاوند اور اصفہان پر قبضہ

۱۳۱ھ میں یزید بن ہبیرہ کے بیٹے داؤد نے کرمان سے ۵۰,۰۰۰ فوج لے کر روانہ ہوا اس فوج میں ۳۰,۰۰۰ بلوچ تھے. داؤد کے ساتھ ابن صبارہ بھی شامل ہوا اب دونوں فوجوں کی تعداد ایک لاکھ ہو گئی اس فوج نے اصفہان، نہاوند اور زور کے شہر فتح کئے ایران میں عباسیوں کے لیے راستہ صاف ہو گیا. ان تمام جنگوں میں نہاوند کی جنگ میں بلوچوں نے تین ماہ تک شہر نہاوند کا محاصرہ کر رکھا تھا ابن صبارہ اس معرکہ میں مارا گیا.

ابوالعباس سفاح کے لیے بیعت

امام ابراہیم کو مروان ثانی نے قید کروا کے شہید کروایا. اُس نے مرتے وقت اپنے بھائی ابوالعباس کے لیے وصیت کی جس نے کوفہ میں بیعت لینے کا کام شروع کر دیا ۱۳۲ھ ۷۴۹ء میں زاب ZAB دریا کے کنارے بڑی جنگ لگی جس میں مروان ثانی شکست کھا کر بھاگ گیا اُس کے بعد عباسی فوج نے دمشق کا محاصرہ کیا[2]. یہاں بھی مروان نے شکست کھائی اور مصر

[1] یہ تمام بیان جرجی زیدان نے کتاب "ابو مسلم خراسانی" میں دیا ہے۔
[2] کامل ابن اثیر جلد ۵، ص ۲۰۲، ۲۰۳

کو بھاگ گیا۔ جہاں بوصیر کے گاؤں میں جا کر چھپا ۷۵۰ء میں ابوعون نے اُس
کا سر کاٹ کر ابوالعباس کے پاس روانہ کیا اس کے مرنے کے بعد بنوامیہ والوں کی
سلطنت دمشق میں ختم ہوئی اور عباسیوں کا دور شروع ہوا۔

باب چہارم

۷۵۰ء سے لے کر ۱۲۵۸ء تک

دورِ بنی عباس

۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۰ء بنی امیہ خاندان کا خاتمہ ہوا عباسی خاندان کا پہلا بادشاہ ابوالعباس سفاح ابومسلم خراسانی کی امداد سے کوفہ کے نزدیک مدینۃ الہاشمی میں نیا پایۂ تخت بنا کر تخت نشین ہوا ۱۳۶ھ میں ابوجعفر المنصور تخت پر بیٹھا اس نے خوف سے ۱۳۷ھ میں ابومسلم کو مروا ڈالا منصور نے بغداد کو تخت گاہ مقرر کیا جو نوشیروان کے وزیر اپنے لیے تعمیر کروایا اور اس کا نام "باغ داد" رکھا تھا۔ منصور کے بعد مہدیؒ ہادی۔ ان کے بعد ۱۷۰ھ میں ہارون الرشید اعظم

اور اُس کے بعد امین پھر مامون بغداد کے تخت پر جلوہ گر ہوئے اُن کی وزارت کا قلمدان برمکی خاندان کے خانوادوں کے سپرد تھا جنہوں نے نہایت ہی دانائی سے حکومت کے معاملات کو چلایا۔ خاص کر منصور، ہارون اور مامون کے زمانہ میں بغداد "عروس البلاد" نے بہت ترقی کی خاص کر علم و ہنر میں اُسکا چرچا دور دور تک پہنچا شاعر الوری نے جن جن الفاظ میں اُس کی تعریف کی وہ اس طرح ہے۔

خوشا نواحی بغداد جائے فضل و ہنر
کہ کس نشان ندہد در جہان چناں کشور
ہزار زورق خورشید شکل بر سر آب
براں صفت کہ پراگندہ بر سپہر اختر
سوادِ او مثل چوں سپہر مینا رنگ
ہوائے او صفت چوں نسیم جان پرور
بشیہ باغ شود بوستان بوقت غروب
بشکل چرخ سود بوستان بوقت سحر

مامون سے پہلے جو بھی عباسی خلفاء ہو گزرے انہوں نے اہل بیت پر مظالم برپا کئے

عباسی سلطنت کا آغاز اور بلوچستان

بنو امیہ اور بنو ہاشم کے انقلاب کے زمانہ میں ایک شخص منصور بن جمہور جو ایک زمانہ میں عراق اور ایران کے درمیان کوہستانی علاقہ میں قسمت آزما رہا تھا اس نے سیستان کے راستہ سے گزر کر سندھ پر قبضہ جما لیا اور اپنے بھائی منظور کو اس نے قندابیل کا حاکم مقرر کیا۔ اُس زمانہ میں بلوچستان کی حدود

مشرق میں دیبل سے پرے تھے[1]۔ اس کے خلاف ابومسلم خراسانی نے سیتان سے بلوچوں کا ایک لشکر جمع کر کے مغلس کی سرکردگی میں منصور کے مقابلہ کو روانہ کیا بقول بلاذری اُس نے منصور کو شکست دی اور سندھ پر حملہ کیا یعقوبی کا بیان ہے کہ اُسکو منصور نے شکست دی اور وہ بمعہ فوج کے مارا گیا۔ ابومسلم نے سفاح سے اجازت لے کر ایک دوسرا لشکر موسیٰ بن تمیمی کے ہاتھ منصور کے مقابلے روانہ کیا[2]۔ موسیٰ نے پہلے قندابیل کو سرکیا بلاذری کا بیان ہے کہ منصور شکست کھا کر راجپوتانا کو بھاگ گیا اور راس کے اہل وعیال نے جہازوں کے ذریعہ گجرات میں جاکر پناہ لی. ۱۵۶ھ میں ابومنصور عباسی کے زمانہ میں سندھ، مکران اور کرمان کا والی ہشام تغلبی تھا علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ اُس نے جنوبی کشمیر تک فتوحات حاصل کی۔

ماموں کے زمانہ میں مکران میں فساد

۱۷۲ھ میں ہارون الرشید نے سندھ اور مکران پر اسحاق ہاشمی کو حاکم مقرر کیا اس نے جلد کسی بیماری کی وجہ سے وفات کی خلیفہ نے اُس کی جگہ پر جابر بن اشعث طائی کو مکران کا حاکم مقرر کیا۔ اسی طرح دارالخلافہ بغداد سے والی مقرر ہو کر آتے تھے۔ اور بلوچ جو عربوں کے دست وبازوں تھے اُن کی امداد سے انہوں نے بڑی بڑی فتوحات کیں مامون کے زمانے میں بشیر سندھ کا والی مقرر ہوا اُس نے اپنے بھائی کو مکران کی حکومت پر مامور کیا۔ مگر ماموں نے حاجب بن صالح کو مکران کا

بمر ۱: ابن اثیر نے منصور بن جمہور کی حکومت کا زمانہ ۱۳۲ھ بیان کرتا ہے۔ قندابیل آج کل نیا بد ریلوے کہلاتا ہے اور بلس بیلہ میں ہے

بمر ۲: یعقوبی کا بیان ہے کہ موسیٰ کی فوج کی تعداد بیس ہزار تھی جس میں بارہ ہزار بلوچ تھے۔

حاکم مقرر کر کے روانہ کیا اس پر بشیر نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ ۲۱۳ھ میں مامون نے ایک جنرل غسان کے ماتحت بشیر کے مقابلے کرنے کے لیے مکران روانہ کیا بشیر نے فرمان کے مطابق مکران اُس کے حوالے کر دیا اور غسان کی سفارش سے اُس نے بشیر کو معافی دی۔[1]

مکران میں بغاوت میڈ اور جاٹ

مامون کی وفات کے بعد ۲۱۸ھ ۸۳۳ء میں المعتصم باللہ نے مسند خلافت کو رونق دی اس نے بغداد کے نزدیک سامرہ SAMARA کو تعمیر کروا کر اپنا تخت گاہ مقرر کیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس خلیفہ کے زمانہ میں عباسی سلطنت میں ضعف پڑنا شروع ہو گیا۔[2] عربوں کو فوج سے نکال کر فرغانہ سے ترک منگوا کر بھرتی کرنے لگا۔ ان ترکمانوں نے اتنی قوت حاصل کی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق تخت پر بادشاہ بٹھانے لگے۔ اس کے زمانہ میں جھلاوان (قیقان) کے جاٹوں نے فساد کیا ان کو سندھ کے حاکم عمران بن موسیٰ نے شکست دی۔ یہاں بیضاء نام پر ایک شہر تعمیر کروا کر چھاؤنی قائم کی۔[3] اس زمانہ میں قندابیل میں ایک شخص محمد بن خلیل نے احکام خلافت کے خلاف بغاوت کر کے قندابیل پر قبضہ کیا۔ عمران نے اس کو شکست دی۔ امن و امان قائم رکھا۔ یہاں کے جتنے بھی عرب سردار تھے انہوں نے قصدار میں سکونت اختیار کی قندابیل کی بغاوت سے فائدہ اٹھا کر مکران میں میڈوں نے فساد برپا کیا عمران نے ان کو شکست دی اور بلاذری کا بیان ہے کہ تین ہزار میڈ

---

[1] یہ تمام بیان فتوح البلدان بلاذری اور تاریخ یعقوبی میں درج ہے۔

[2] تاریخ اسلام سید امیر علی ترجمہ ص ۱۹۶۔

[3] علامہ بلاذری فتوح البلدان میں لکھتا ہے کہ عمران بن موسیٰ برمکی خاندان میں سے تھا۔

مارے گئے. ان فتوحات کی یادگار میں اُس نے ایک پتھروں کا مضبوط لراٹ "سکّار" تعمیر کروایا اور اُس نے جاٹوں کے ہاتھوں پر مہریں لگائیں. اور اُس کے زمانہ میں جاٹوں نے اسلام قبول کیا عمران ابھی میڈوں سے جنگ میں مشغول تھا کہ عمران بن عبدالعزیز ہباری نے اُس پر حملہ کر کے اُسکو شہید کر دیا۔

مسئلہ سیستان

عباسی خلافت اب کمزور ہو چکی تھی مرکز خلافت پر ترکی عملداروں کا قبضہ تھا جو "امیر الامرأ" کے لقب سے مشہور تھے ۲۲۹ھ میں متوکل کے زمانہ میں جو عربوں میں نیرو NERO مشہور تھا اس کے دور حکومت میں بست کے ایک باشندے صالح بن نصر کنعانی نے سیستان پہ قبضہ کر لیا وہ زیادہ دیر قابض ہو نہ سکا کیونکہ اس کو طاہر بن عبداللہ بن طاہر نے شکست دیکر سیستا پر قبضہ کیا اس کے بعد خلیفہ معتمد نے سیستان اور سندھ کی حکومت یعقوب بن لیث کے حوالے کر دی پھر جب موفق تخت پہ بیٹھا تو اُس نے یعقوب کے بیٹے عمرو بن لیث کو اصفہان خراسان، سیستان، کرمان اور مکران اور سندھ ۲۶۵ھ میں سپرد کئے۔[1]

خلافت عباسیہ کی کمزوری

ہجری تیسری صدی کے وسط میں عباسی سلطنت کو ضعف پہنچنا شروع ہوا اور ہجری چوتھی صدی کے وسط میں دولت عباسیہ ایرانی اور ترکی خود مختار حکومتوں میں بٹ گئی مثال کے طور پر خراسان میں طاہریہ، فارس میں صفاریہ، ماوراء النہر میں سامانیہ، آذربائجان میں ساجیہ اور جرجان میں زیاریہ ایرانی خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں. دوسری طرف مصر میں طوطونیا، ترکستان میں ایلکیہ پھر مصر میں اخشیدیہ اور افغانستان میں غزنویہ ترکی

۱: یہ تمام بیان ابن خلدون اور ابن اثیر میں مذکور ہے۔

خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں پھر ہجری پانچویں صدی مطابق عیسوی ۱۱ صدی میں خراسان میں آل سلوجین کی ترکی حکومتوں کی بنیاد پڑی آل سلوجین میں سے طغرل بیگ کے ایک سردار سلیمان بن قلطلمش نے ۱۰۷۷ء میں ایشیا کوچک میں حکومت قائم کی اس سلجوقی حکومت کا تخت گاہ قونیہ تھا۔ اِن خود مختار حکومتوں نے سالانہ خراج بھی دینا بند کر دیا جس کی وجہ سے خلافت کی مالی حالت کمزور ہونے لگی۔ چنانچہ ۳۲۲ھ ۹۳۴ء میں خلیفہ راضی باللہ کے زمانہ میں حالتیں نازک ہونے لگیں جس نے خلفا کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔[۱]

خلافت عباسیہ امیر الامرا کا اقتدار

خلیفہ راضی باللہ کے زمانہ میں بصرہ اور واسط کے حاکم محمد بن رائق نے اقتدار حاصل کیا کہ خلیفۃ المسلمین نے اُس کو امیر الامرا کا خطاب دیا۔ خلیفہ کی حکومت کا دائرہ فقط بغداد اور اس کے ارد گرد تک محدود ہو گیا۔ یہ پہلا شخص تھا جس کے لیے یہ خطاب خلیفہ نے ایجاد کیا بلکہ خطبی میں بھی اس کا نام پڑھنے میں آیا محمد بن رائق کو اس کے ترک جرنیل بجکم نے معزول کیا اور آپ امیر الامرا ہوا۔ ۳۲۹ھ ۹۴۰ء میں راضی باللہ نے انتقال کیا اُس کا بیٹا ابو اسحاق ابراہیم المتقی باللہ کے لقب سے خلافت کی مسند پر بیٹھا وہ امیر الامرا کے ہاتھوں کٹھ پتلی تھا کچھ دنوں بعد ابن رائق بجکم کو قتل کر کے خود امیر الامرا ہوا۔ امیر الامرائی کا بازار ایسے گرم ہو گیا کہ موصل کے حاکم امیر ہمدان کے دو بیٹوں حسن اور علی نے ابن رائق کو قتل کر کے خلیفۃ المسلمین کو اپنی حفاظت میں رکھا یہ دونوں بھائی

---

[۱] تاریخ اسلام سید امیر علی ترجمہ ذکر راضی باللہ ص ۲۰۸

ناصرالدولہ اور سیف الدولہ کے القاب سے امیرالامرا ہوئے ۳۳۱ھ میں ایک اور ترک طوزون امیر ہوا جس نے خلیفہ کی آنکھیں نکلوا چھوڑیں ۳۳۳ھ ۹۴۴ء میں امیر طوزون خلیفے کے بھائی ابو القاسم عبداللہ کو المستکفی باللہ کے خطاب سے خلافت پر بیٹھایا طوزون کے انتقال کے بعد اس کا نائب جعفر بن شیرزاد فوجوں کی رائے سے امیرالامرا مقرر رہا اس زمانہ میں بویہ خاندان کے دیلمی شہزادوں نے خلافت پر چھاپہ مارنے کی کوشش کی. خلیفہ نے اُن میں سے بڑے شہزادہ احمد کو جو اہواز کا حاکم تھا معزالدولہ کے خطاب سے امیرالامرا مقرر کیا اور اس کے چھوٹے دو بھائیوں میں سے علی کو عمادالدولہ اور حسن کو رکن الدولہ کا خطاب دیکر سکون پر اُنکے نام جاری کئے عمادالدولہ نے آل بویہ کی سلطنت کی بنیاد ڈالی اسی خاندان کے بادشاہوں کو ملوک دیالمہ کہتے ہیں اُن میں سے ستر آدمیوں نے کوئی تین سو سال تک سلطنت پر حکومت کی.

خاندان ابن بویہ

۳۳۴ھ ۹۴۴ء میں احمد بن بویہ معزالدولہ خلافت کا حقیقی بادشاہ تھا وہ اپنے کو سلطان کہلانے لگا اس کو روزانہ شاہی خزانہ میں سے پانچ ہزار دینار ملتے تھے اور وہ فنون ادب کا سرپرست تھا مگر بڑا ظالم بھی تھا یہ پہلا امیرالامرا تھا جس نے امام حسینؓ کی شہادت کی یادگار میں محرم کے دس روز تعزیت داری کے لیے سرکاری طور پر مقرر کئے.[۱] ۳۳۴ھ ۹۴۵ء میں اُس نے خلیفہ کو گرفتار کر مقتدر کے بیٹے ابوالقاسم فضل کو ۹۴۶ء میں مطیع باللہ کے لقب سے خلافت پر بیٹھایا. غرض بنی بویہ والوں نے ترکوں کے عنصر کو مٹا کر خلافت کے تمام کاروبار پر قبضہ کیا. انہوں نے کامل ایک صدی تک حکومت کے معاملات کو

---

[۱]: تاریخ اسلام سید امیر علی ذکر احمد بن بویہ ص ۲۰۹.

…یا انہوں نے ہمدانیوں کو موصل سے نکال کر مغربی ایران اور عراق پر قبضہ جمایا
…اکثر ظالم تھے مگر مجموعی طور پر اُن کے زمانہ میں لوگ خوشحال تھے علوم وفنون نے
…ترقی کی ۳۵۶ھ میں معزالدولہ احمد نے وفات کی اُس کا بیٹا بختیار عزالدولہ کے لقب
…سے امیر الامرا ہوا۔ وہ عیاش پست ہمت اور حکمرانی کے اخلاقیات سے محروم تھا۔ ان
…کمزوریوں کے باوجود بھی اس کے زمانہ میں علوم وفنون نے ترقی کی بنی بویہ خاندان والے
…علم وادب کے سرپرست تھے چنانچہ مورخ معودی، ابونصر فارابی، شاعر ابوالفرج
…اور ابوالقاسم التنوخی وغیرہ اُس کے زمانے میں ہو گزرے ۳۶۳ھ ۹۷۴ء میں مطیع باللہ
…نے خلافت کی ذمہ داریاں شہزادہ ابوبکر عبدالکریم کے حوالے کر دیں اور وہ الطائع باللہ کے لقب
…سے خلافت نشین ہوا۔ عزالدولہ کو اُس کے چچا عضدالدولہ نے امیرالامرا مقرر کیا وہ
…اپنے کو شہنشاہ کہلانے لگا۔ مورخین کا بیان ہے کہ وہ عادل اور علم پرور امیر ہو گزرا
…ہے اس نے مساجد، شفاخانے اور پل تعمیر کرائے شیراز کی نہر میر بند کو اس نے جہاز
…رانی کے قابل بنایا اس نے بغداد میں ایک عالی شان شفاخانہ تعمیر کروایا اُس کے دربار
…میں شعرا اور علماء کو عزت تھی۔ مشہور صوفی عبدالرحمٰن اور اقلیدس دان ابوالوفا اُس کے
…زمانہ میں ہو گزرے یہ اس کا دور تھا کہ بلوچوں نے کرمان سے ہجرت کر کے مکران میں
…مستقل آبادیاں قائم کیں۔[۱]

…آل بویہ کا بیان امام ابوالمنصور ثعلبی نے جب نیشاپور میں سکونت رکھتے تھے تب
…سلطان محمود کے سپہ سالار خراسان نصر کی فرمائش سے علم تاریخ میں ایک کتاب "الغرنی

---

[۱] …آل بویہ کا مشہور تاریخ "تاریخ تاجی" ہے جو عضد دولہ کے حکم سے ابواسحاق ابراہیم بن ہلال بن
…زہرون الحرانی الصابی نے تصنیف کی یہ مورخ ۳۱۳ھ ۳۸۸ھ میں ہو کر فوت ہوا

فی سیر الملوک" آدم علیہ السلام سے لے کر سلطان محمود کے جلوس تک شرح وبسط سے لکھے اس میں ۲۲ ابواب ہیں۔ اکیسواں باب کا نام اخبار ملوک بلوچیہ ہے۔ یہ کتاب نایاب ہے فقط فرانس کے کتب خانہ ملی میں ایک نفیس نسخہ محفوظ ہے۔ کتاب الیمنی از عبدالجبار العتبی ص ۷۷، ۹۸، دہلی ۱۸۴۹ء

سندھ اور بلوچستان میں عربی ریاستیں

ہجری تیسری صدی کے آخر میں عربوں کو سندھ اور بلوچستان میں جو بھی ریاستیں تھیں ان کا جائے وقوع اور نام ونشان دینا یہاں ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کر بلوچوں کے بلوچستان میں اقتدار حاصل کرنے سے پہلے کون کون سی ریاستیں تھیں۔

۱۔ **منصورہ:۔** اس ریاست کی حدود جنوب میں بحیرہ عرب تک تھی یہ سندھ کی جنوبی ریاست تھی۔ اور اس کا تخت گاہ بھی شہر منصورہ تھا۔ اور یہ اس جگہ پر واقع تھا جہاں برہمن آباد پہلے تھا۔ علامہ ابوالریحان البیرونی نے اس کا اصلی نام بھمنوا بتایا ہے۔ عرب بھی اس کو بہمن آباد کہتے تھے بعد میں جب فوجی ضرورتوں سے سیاسی نقطہ نگاہ سے جب اُن کو اپنی چھاؤنیاں اور آبادیاں قائم کرنی پڑیں تو انہوں نے بیضا اور منصورہ شہر بسائے۔ اُن میں زیادہ تر قریش، کلب، تمیم، اسد، یمن اور حجاز کے مختلف قبائل تھے بنی امیہ دور کی آخر میں جب عربوں کو سندھ کی قوموں نے سمندر کی طرف دھکیلنا شروع کیا تو سندھ کے والی حکم بن عوانہ کلبی کو ایک محفوظ جگہ عربوں کی آبادی کے لیے تلاش کرنی پڑی اس کا مشیر خاص فاتح سندھ غازی محمد بن قاسمؒ کا فرزند رشید عمرو بھی تھا۔ یہ نہایت بہادر اور مدبر تھا اُس نے سمندر کے ساحل پر برہمن آباد سے دو فرسخ پر منصورہ آباد کیا عباسیوں کے

ملا:۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۴، ابن حوقل اور دوسرے جاگرافی دانوں کا بیان / [illegible]

میں معتصم باللہ کے عہد میں عمران بن موسیٰ برمکی جب سندھ کا والی مقرر ہوا اس نے بیضاءَ
شہر آباد کیا مگر قدرت کی طرف سے شہرت اور بقا منصورہ کے حصہ میں آئی۔

ملتان :۔ اس شمالی ریاست پر بنی سامہ کی حکومت تھی۔ وہ قریش تھے۔ اُن کی
میں بھی ایک حکومت تھی۔ ابو اسحاق اصطخری جس نے ۳۴۰ھ میں اپنا سفرنامہ
کیا لکھتا ہے کہ ملتان اور منصورہ دو جدا جدا ریاستیں ہیں مگر خطبہ بغداد کے خلیفہ
ہے دس برس بعد جب ۳۵۰ھ میں ابن حوقل بغدادی یہاں پہنچا جوگرافی دان تھا
کرتا ہے کہ منصورہ پر ہباریوں کی اور ملتان پر سامہ بن لوئی والوں کا قبضہ تھا۔ آخر
تیسری ہجری کے بیچ تک ان کی حکومت ملتان سے لے کر سمندر تک کسی نہ کسی طرح
قائم رہی لیکن آخر کار یمنی اور حجازی عربوں کی باہمی خانہ جنگی نے ان کو برباد کر دیا بہت
علاقہ اُن کے ہاتھوں سے نکل گیا کئی ہندو ریاستیں کھڑی ہوئیں تاہم ملتان اور
منصورہ دو ایسی ریاستیں تھیں جو سلطان محمود غزنوی کے حملے تک قائم رہیں۔

موجودہ نقشہ بلوچستان کے مطابق بلوچستان میں کتنی عربی ریاستیں تھیں وہ بیان
ہم کو کافی انداز میں عرب سیاحوں اور جغرافیہ دانوں کے بیان سے دستیاب ہو
سکتا ہے کہ مگر اس کاوش کا خون بہا گیا ہے وہ رائے بہادر ہیتو رام کے لیے
خوشگوار تماشہ ہو کر رہا تاہم ان بیانوں کو پیش کرتے ہیں۔ ارباب ذوق کو
معلوم ہے کہ یہ وہ بیانات ہیں جن کو مغربی مورخین میں سے راورٹی RAVERTY اور
ایلیٹ ELLIOT صاحب اُن کو روشنی تسلیم کرتے ہیں۔ تواریخی مشابہت کا اندازہ
خود کیجیے۔

تقسیم سے کر ہجری کی تین صدی میں یہ سندھ کا پایۂ تخت گاہ تھا۔

اقصدار: ۔ یہاں ایک عرب امیر کی ریاست ابن حوقل کے زمانہ میں موجود تھی اس امیر کا نام معین بن احمد تھا۔ یہاں افغانستان کی سرحد ملتی ہے اور یہاں کی آبادی خارجی ہے یہاں جامع مسجد تھی۔[۱]

ابن حوقل قصدار سے متعلق بیان کرتا ہے کہ یہاں کے امیر کے محلات کو قیقان کہتے ہیں جو باکزان میں واقع تھا۔ یہاں کے گھوڑے بالکل عمدہ ہیں اور دور دور تک جاتے ہیں۔ یہاں کی آب وہوا سرد ہے۔ اس لیے انگور، عناب، اور دیگر پھل بکثرت ہوتے ہیں۔ بشاری مقدسی جو ۳۷۵ھ میں یہاں آیا بیان کرتا ہے۔

"قزدار طوران کا تخت گاہ ہے۔ وہ ایک صحرا میں واقع ہے اس صحرا کے دو حصے ہیں ان میں ایک خشک نہر ہے جس پر پل نہیں ایک حصہ میں سلطان کے محلات ہیں جہاں ایک قلعہ بھی ہے دوسرے شہر کے حصہ میں جسکا نام بودین ہے۔ وہاں مختلف سوداگروں کے محلات ہیں۔ شہر کی صفائی ٹھیک ہے۔ شہر چھوٹا ہے مگر فائدے مند ہے۔ یہاں خراسان، فارس، کرمان، ہندوستان کے لوگ بیوپار کرتے ہیں۔ اس

---

[۱] بحوالہ معجم البلدان یاقوت جلد ۷ ص ۸۷ مصر

یہ وہ زمانہ تھا جب جھلاوان کی وادیوں میں انگور، انار اور دیگر پھلوں کے باغات تھے۔ اور چونکہ سندھ اور افغانستان کو جانے والے قافلوں کا عظیم الشان قافلہ سرائے تھی اس لیے تجارت کی منڈی تھی۔ یہ ریاست اپنی نوعیت میں برائے نام بغداد کے خلیفہ کے زیر خطبہ تھی مگر در اصل آزاد تھی اس کا پایۂ تخت قصدار تھا۔ جو اس زمانہ میں عربوں کا زبان قیقان تھا۔

بے آمد و رفت رہتی ہے۱؎ مگر یہاں کا پانی خراب ہے"۔
چچ نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلمرو سندھ کا حصہ تھا اور رائے خاندان کے راجاؤں کی سلطنت کا حصہ تھا۔ موجودہ نلل کا تخت گاہ تھا یہاں بھیڑیں گھوڑے ہوتے ہیں۔ اُس کے جائے وقوع کے متعلق بھی مختلف بیان ہیں چچ نامہ بتاتا ہے کہ مکے اور سراوان اس کے مغرب میں ہیں۔ بشاری کا بیان ہے کہ مکران کے بندہ تیز سے ۱۲ منزلوں پر تھا۔ ابوالفدا جاگرافی دان کا بیان ہے کہ ملتان سے ۲۰ منزل فاصلے پر تھا۲؎

۲۔ توران:۔ عام طور پر یہ موجودہ نلل کا نام تھا۔ ابن حوقل کے زمانہ میں یہاں بعو کا ایک شخص ابوالقاسم حکومت کرتا تھا اور لکھتا ہے کہ یہ مستقل ریاست تھی اور سندھ کے مغرب میں تھی۔ یہاں کا حاکم قاضی بھی تھا اور سپہ سالار۔ اصطخری جو ۳۲۰ھ ۹۵۱ء میں ہندوستان میں وارد ہوا لکھتا ہے کہ طوران، بدھا (کچھی) کرمان اور سجستان کے صحرائی علاقہ جات سندھ میں شامل تھے۔

۳۔ مکران:۔ مکران کے متعلق مختلف بیانات ہیں کہتے ہیں کہ بنی عباس کے زوال کے بعد یہ سندھ میں شامل ہو گیا تھا۔ اس پر عیسیٰ بن حمدان کی حکومت تھی اُس کا تختہ گاہ، شہر کیز (کیچ) تھا اصطخری عیسوی ۹۵۱ء کے بیان میں لکھتا ہے کہ یہاں پانی کی قلت ہے۔ یہاں کے باشندے عربوں اور کردوں کے موافق ہیں اُن کا گزران بطر، مچھلی

۱؎ احسن التقاسیم بشاری مقدسی ص ۳۸۵۔
۲؎ تقویم البلدان ابوالفدا ص ۳۴۹۔ ہیونتسانگ چینی سیاح نے بھی اس کا اپنے سفرنامہ میں بیان دیا ہے۔

اور مرغیوں پر ہے۔ مذکورہ مسلمان قوموں کے علاوہ ایک اور قوم ندہا NADHA بھی ہوئی ہے جس کا پیشہ اونٹوں کی گلہ بانی ہے۔ وہ چراگاہوں کی تلاش میں ملتان سے لے کر مکران تک تمام علاقوں میں گھومتے ہیں۔ ان کے اونٹوں کی بہترین قسم کو ''ک...'' کہتے ہیں۔ ابن حوقل بغدادی ۹۴۳ء کے بیان میں لکھتا ہے کہ کرمان کا حاکم کیز KEEZ میں رہتا ہے یہ شہر ملتان جتنا ہے سارے مکران میں بڑا شہر ہے اور بندرگاہ ہے شاید موجودہ تیز ہوگا۔ یہاں کھجور بکثرت ہوتی ہے۔ اصطخری کا بیان ہے کہ مکران اور کوفس KUFS کے درمیان صحرا بتاتا ہے۔ اس ریاست کی وسعت کو ابن حوقل ملتان کی ریاست کے آدھے جتنی بتاتا ہے۔ یہاں کے امیر کا نام عیسٰی بن معدان بتاتا ہے۔ تیز کے متعلق لکھتا ہے کہ یہاں اچھے درخت ہیں سمندر کے کنارے پر ہے۔ اور یہاں کا حلوہ فانیذ دنیا میں مشہور چیز ہے[۱]۔

بشاری مقدسی عرب کا آخری سیاح ہے اور ۳۷۵ء کا بیان بتاتا ہے کہ مکران کا پایۂ تخت بنجبور (پنجگور) تھا۔ یہاں ایک مٹی کا قلعہ تھا۔ شہر کے باب توران؛ باب تیز دو دروازے ہیں۔ شہروں میں درخت ہیں اس کے علاوہ مسافر خانے اور ایک جامع مسجد ہے یہاں کی زبان بلوچی ہے۔

۴۔ گنداوہ :۔ بقول ابن حوقل کچھی کے صحرا میں مویشیوں کی منڈی ہے زیادہ تر اونٹوں کی تجارت ہوتی ہے عربوں کے زمانے میں اس کی حدیں اور سندھ INDUS ، مہران تک تھیں۔ اس سے پہلے سندھ کا علاقہ تھا اور کچھی کا نام بدھا تھا

۱۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم آخری باب سندھ کے بارے میں ہے۔
۱۔ المسالک الممالک۔ ابن حوقل۔

ابن حوقل اس شہر کو براہوئی قوم کا تخت گاہ دکھلاتا ہے۔

۵۔ وھنید :۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عربی ریاست بلوچستان کے شمال مشرق میں دریا سندھ ہو تک تھی۔ مسٹر ونسینٹ اے سمتھ V.SMITH صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شہر پہلے ہندوؤں کے شاہیہ خاندان کا تخت گاہ تھا[۱۷۱] ۲۵۶ھ میں جب عربوں نے کابل کو فتح کیا تب انہوں نے اوھند کو تخت گاہ مقرر کیا اور یہ شہر دریا سندھ کے ساحل پر تھا۔ علامہ البیرونی کا بیان ہے کہ وہ سندھ میں شامل تھا[۱۷۲] علامہ گردیزی اس کو پرانا شہر بتاتا ہے[۱۷۳]۔

سلطان محمود غزنوی سے ۱۵ یا ۱۶ برس پہلے جو ہجری چوتھی صدی کا آخری زمانہ ہے۔ ابوالہیثم نیشاپوری کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ یہ شہر زیادہ تر ہندو قوم پر مشتمل ہے۔ مگر مسلمانوں کی آبادی خاصی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ بتیر، الورج لوار اور سمان کوج وغیرہ اس ریاست کے شہر ہیں۔ یہاں مسلمانوں کا امیر اور ہندو راجا جدا جدا رہتے ہیں۔ یہ تمام ریاستیں ۳۷۵ھ سے لے کر ۳۸۷ھ تک وھنید اور جھلاوان تک سلطان سبکتگین نے سر کیں۔ منصورہ اور ملتان کو سلطان محمود نے فتح کیا۔ بعد میں سلطان مسعود کے زمانہ میں قصدار اور مکران غزنوی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ ان عظیم الشان شہروں کے علاوہ جو خود بڑی ریاستیں بھی تھیں بعض اور بلوچستان کے

۱۷۱۔ زین الاخبار گردیزی ص ۶۶، برلن ۲۔ آثار البلاد و اخبار العباد قزوینی ۱۸۴۸ء

۱۷۲۔ کتاب الآثار الباقیہ البیرونی مطبوعہ یورپ۔

۱۷۳۔ فرشتہ جلد اول ص ۱۹، نولکشور لکھنو۔

اہم شہر ہیں جو ابن حوقل بغدادی مشہور جاگرانی دان نے دیئے ہیں۔ ان کا تذکرہ نہ کرنا گناہ ہوگا کیونکہ بلوچستان کی تاریخ عدم پیدا ہے۔

دھوک اور کولوان:۔ یہ دونوں شہر کیچ اور گوادر کے درمیان ہیں۔ یہاں کی زبان مکرانی ہے مگر فارسی بھی رائج ہے۔

پنجگور اور گیہ:۔ مکران کے دو چھوٹے شہر ہیں اور جدا جدا سرداریوں کے ماتحت ہیں۔ ان کے نزدیک رسک RASEK ہے جہاں فانیذ حلوہ تیار ہوتے ہیں۔

قصور، بند، ذرک، کلپورہ:۔ یہاں کماند کی پیداوار ہوتی ہے جو دور دراز ملکوں کو جاتا ہے۔ آب و ہوا گرم ہے۔ کھجور کا حلوہ ہوتا ہے۔

مشکان:۔ مکران میں ہے گرم ہے۔ یہاں کا سردار مظہر بن رجائے ہے۔ یہاں انگور بے شمار ہوتے ہیں۔

گوادر اور بسنی:۔ دیبل اور مکران کے درمیان دو دو منزلوں پر ہیں۔

کیچ:۔ مکران کی بہترین وادی ہے۔

فہرج:۔ یہ تبران ندی پر مکران میں ہے۔ اور زرخیز ہے اس کے اردگرد قلعہ ہے یہ ملتان سے بیس روز کی مسافری کے فاصلے پر ہے۔

فردان:۔ مکران میں تجارت کا مرکز ہے اور مردم خیز ہے۔ یہاں انگور کے باغ ہیں یا

راسک:۔ مکران کے نزدیک خروج کا پایہ تخت ہے۔ اس کے نزدیک

۱:۔ مکران میں دو اور شہروں کے نام مصرا اور کھیر KAIR ہیں ممکن ہے یہ وہی کیز ہو۔ یہاں کا حاکم عیسیٰ بن عیسیٰ ہمدان ہے اس کو مکران کا کوان کہتے ہیں کیونکہ کھجور زیادہ ہے۔

ثمان کا شہر ہے یہاں ظفر بن رجائے حاکم ہے۔ بغداد کا خطبہ پڑھتے ہیں یہاں کنبایہ، میمون دو عالی شان مساجد ہیں۔ یہاں فانیذ حلوہ کے علاوہ "کوز ہندی" ایک اخروٹ کی قسم کا پھل ہوتا ہے جس کو "موز" یعنی کیلا کہتے ہیں۔

ننده: یہ شہر نال و مکران کے درمیان ہے اور سندھ دریا کے مغرب میں ہے اچھی نسل کے اونٹوں کے لیے مشہور ہے یہاں کا بڑا شہر قندابیل ہے۔ یہاں کے لوگ اکثر جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔

کندر آباد: کچھی میں گنداواہ کے نزدیک ہے اور باغات سے سرسبز ہے۔[1] اب اس زمانہ میں جو بلوچ تھے ان میں ہم کو بلیدی، کرد، نارد ئی کے علاوہ براہوئی بھی نظر آتے ہیں۔ میڈ اور جاٹ جب تک غیر مسلم تھے آپس میں لڑتے رہے۔ بعد میں یہ تمام قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ میڈ ماہی گیری اور لوٹ مار کا پیشہ کرتے تھے جاٹ زیادہ تر کاشتکار اور تاجر تھے۔ ان کے تجارتی تعلقات سندھ کے لوہانو اور لاکھوں سے تھا۔ بلوچستان میں اسلامی اشاعت کا بانی محمد بن ہارون مکران کا بلوچ حاکم تھا۔ تمام قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ مکران میں بلیدیوں نے طوائف الملوکی صورت اختیار کی تھی۔ کرد سرادان کے سیستان میں لوٹ مار پر گزارہ کرتے تھے عربوں پر اُن کا کافی رعب جما ہوا تھا باقی براہوئی BURBOHEE قوم کے متعلق ابن حوقل لکھتا ہے کہ قلات سے لے کر سندھ کی سرحد پر گنداوہ تک یہ جنگجو قوم پھیلی ہوئی تھی۔ سندھ کے متعلق اس کا بیان ہے کہ چاروں طرف اُس پر

---

[1] یہ تمام بیان اور شہر "جرنل سندھ ہسٹاریکل" جنوری ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئے اس کا عنوان یہ تھا "سندھ اور بلوچستان ابن حوقل کے زمانے میں"

براہوئی قوم کا محاصرہ تھا۔ عربوں کو اپنے دورِ حکومت میں سیاسی نقطۂ نظر سے دو بیرونی قوموں کے حملوں کا فکر دامن گیر رہتا تھا ایک تاتاری (۲) بلوچی قبائل یا

.BALOOCH HORDES

مذکورہ عوام کے علاوہ بلوچستان میں ندہا قوم کا ذکر ہے جو شتربان تھے، الادریسی کا بیان ہے کہ ملتان سے مکران تک ان کا عمل دخل ہے۔ اسی طرح مسلمان آبادیوں کے علاوہ مختلف مذاہب کی قومیں سندھ اور بلوچستان میں آباد تھیں۔ چنانچہ زکریا قروینی جس کو مشرق کا پلینی کہتے ہیں وہ عیسوی تیرہوئیں[۱] صدی کا ذکر کرتا ہے کہ سندھ اور بلوچستان کے شہروں میں بیدین، ترک، آتش پرست، ہندو، یہودی اور عیسائی بھی رہتے تھے۔ براہوئیوں کا دوبارہ اس طرح ذکر کرتا ہے کہ زوران (شوران) سے لے کر مشرق میں ملتان تک، پھر منصورہ سے لے مکران تک پھیلے ہوئے ہیں، یہ قوم زیادہ تر مویشیوں کی تجارت کرتی ہے۔ ان کا خراسان اور ایران سے بیوپار چلتا ہے ان کا صدر شہر گنج آبہ (گنداوہ) ہے جس طرح براہوئیوں سے سندھ کی دو زبردست شہروں منصورہ اور ملتان کو خوف رہتا تھا۔ اسی طرح جنوبی بلوچوں کے لوٹ مار کے لیے کرمان سے لے کر گجرات بازی گاہ تھا۔ عہد عباسی میں یہ عربی جھنڈے کے تلے فرغانہ، کاشغر اور جرجان تک لڑے اور مشرق میں سندھ کے ہندو راجپوتوں کے قدم دیبل اور الور سے لے کر ملتان، قنوج اور کشمیر تک اکھاڑ ڈالے جنوبی ساحل کی یہ اہمیت تھی کہ یہاں سے ہندوستان کے تجارتی قافلہ گزرتے تھے

۱: دیکھو " جنرل سندھ ہسٹاریکل سوسائٹی جلد سوم " ص ۱۲ جنوری ۱۹۳۸ء کراچی۔

بلوچوں کی چوتھی ہجرت

بلوچ قوم نے حلب سے یزید بن معاویہ کے زمانہ میں نکل کر کرمان اور بمپور میں سکونت اختیار کی تھی۔ اُن کی دیرینہ عادت تھی کہ جب کسی سلطنت میں ضعف پیدا ہوتا تھا تو یہ بغاوت کا علم بلند کرتے تھے خلافت عباسیہ کی سیاہیانہ روح فنا ہو چکی تھی سب سے اندرونی فساد قرامطیون کا تھا جن کا مذہبی اور سیاسی جال قاہرہ سے ملتان تک پھیلا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے فاطمیوں کا اثر سندھ کی ریاستوں تک پڑ چکا تھا۔ بلوچوں کو فاطمیوں سے ہمدردی تھی۔ اس لیے عضدالدولہ نے اُن پر مکران پر حملہ کر کے بھگایا کیونکہ ممبر پر عباسی خلیفہ کے نام کے ساتھ عضدالدولہ کا نام بھی شامل ہوتا تھا۔ یہ بلوچی سب سے آخری ہجرت ہے اس لیے اُس کا بیان ڈومبکی دفتر شعر میں دیا ہوا ہے۔ اس میں خاص اہمیت فقط یہ ہے کہ اس ہجرت میں بلوچوں کے دادا کا نام اور چند سرداروں کے نام ملتے ہیں جن سے رند قومیں اپنا سلسلہ نسب بیان کرتی ہیں یہ وہ قبائل ہیں جن کے بلوچستان میں سکونت اختیار کرنے سے ہم بلوچ قوم کو سطح پر نمودار دیکھ سکتے ہیں۔ اس ہجرت کے متعلق مختلف بلوچی روایتیں بھی ہیں۔ ڈومبکیوں کا شعر دکھاتا ہے۔

اژ حلبا پھاز کھایون گوں یزیدا جھیڑ دین
ہم یزید سے اختلاف کی وجہ سے حلب سے اٹھے
کل بلا بھمپور نیا ماشہر سیستان منزلیں
پہلے کربلا بعد میں بمپور اور بعد ازاں سیستان میں قیام کیا
مستریں میریں جلالان چل چہاریں بولکیں
حلب سے نکلنے کے بعد چوالیس ۴۴ فرقوں کا سردار جلال خان تھا

اختعون ہارین بندا کیچ راستیں بھلوین

وہاں سے ہارین بند پہنچے جو ملک کیچ کی دائیں طرف ہے۔[۱۵]

دوسرا اس ہجرت کا سبب جو بیان کیا ہوا ہے کہ کیونکہ بلوچوں نے کرمان سے ہجرت کی یہ تنقید کا موضوع بن سکتا ہے۔

"جب حلب سے کوچ کرنے کے بعد بلوچوں کے چالیس فرقوں نے کرمان میں سکونت اختیار کی اس وقت ان کا سردار اعلمش رومی تھا جو کہ کرمان کے حاکم شمس الدین کا دوست تھا۔ اعلمش کے بعد اُس کا لڑکا گل چراغ بلوچوں کا سردار ہوا۔ اسی طرح شمس الدین کے اس کا بیٹا بدرالدین کرمان کا حاکم ہوا۔ اُس کو بلوچوں کی طاقت سے خوف پیدا ہوا۔ اس خوف کو مٹانے کے لیے اُس نے بلوچوں کے ہر ایک فرقے سے ایک دوشیزہ طلب کی۔ بلوچوں کے لیے یہ محال تھا کہ حرم سلطانی کے لیے اپنی چوالیس کنواریاں لڑکیاں پیش کریں۔ انہوں نے چالیس لڑکوں کو لڑکیوں کا لباس پہنا کر بدرالدین کی خدمت میں پیش کیا۔ بدرالدین کو جب پتہ لگا تو اس نے لڑکوں کو بے گناہ سمجھ کر آزاد کیا۔ اس نے بلوچوں کا تعاقب کیا مگر بلوچ شاہ عباس کے ماتحت پہلے مکران اور کیچ میں پہنچ چکے تھے یہاں پہنچ کر انہوں نے بدرالدین کو شکست دی"

یہ بیان درست نہیں۔ اول تو اعلمش رومی اور میر جلال کے درمیان، پشتوں

---

[۱۵] بلوچی نامہ از ہتورام ص ۸ ۔ ۱۰

کا فرق نظر آتا ہے. پھر گل چراغ اور میر عباس میں پانچ پشتوں کا فرق نظر آتا ہے. اگر ایک پشت کے لیے کم از کم ۲۵ برس شمار کریں تو سوا سو برس کا خلاءُ نظر آتا ہے دوسر ا مکران میں شمس الدین حاکم کا کہیں بھی نام نظر نہیں آتا البتہ ۵۵۸ھ ۱۱۶۲ء میں سیتان کا ایک خود مختار حاکم نظر آ رہا ہے وہ اپنے کو صفاریہ کہلاتا ہے باقی بدرالدین کہیں بھی نظر نہیں آتا. ہاں اس بات پر تسلیم کرتے ہیں کہ عضدالدولہ جیسے خطرناک امیر الامراء سے لڑ کر وہ مکران میں آکر مستقل طور پر آباد گار ہوئے ۳۸۰ھ ۹۹۱ء میں خلیفہ قادر باللہ کے زمانہ میں عباسی حکومت کمزور ہو گئی اور مشرق میں غزنوی خاندان کے ظہور سے بنو بویہ والوں کا زوال ہوا ہے

لہٰذا جب عباسی خلافت کمزور ہو جاتی ہے. بلوچستان اور سندھ پر شیعت چھا جاتی ہے بالکل تاریخی اعتبار سے غلط ہے. خلافت عباسیہ شیعت کی قوت رہی ہے. جب بخارا میں سمانیہ کا اور بعد میں ایران میں سلوجوقیوں کی طاقتیں اٹھتی ہیں اس وقت ایک نئی بلوچی قوموں کا مجمع مکران اور کیچ میں وارد ہوتا ہے ان میں سے میر جلال خان کی اولاد زیادہ مشہور ہوتی ہے۔

بلوچوں کا شجرہ

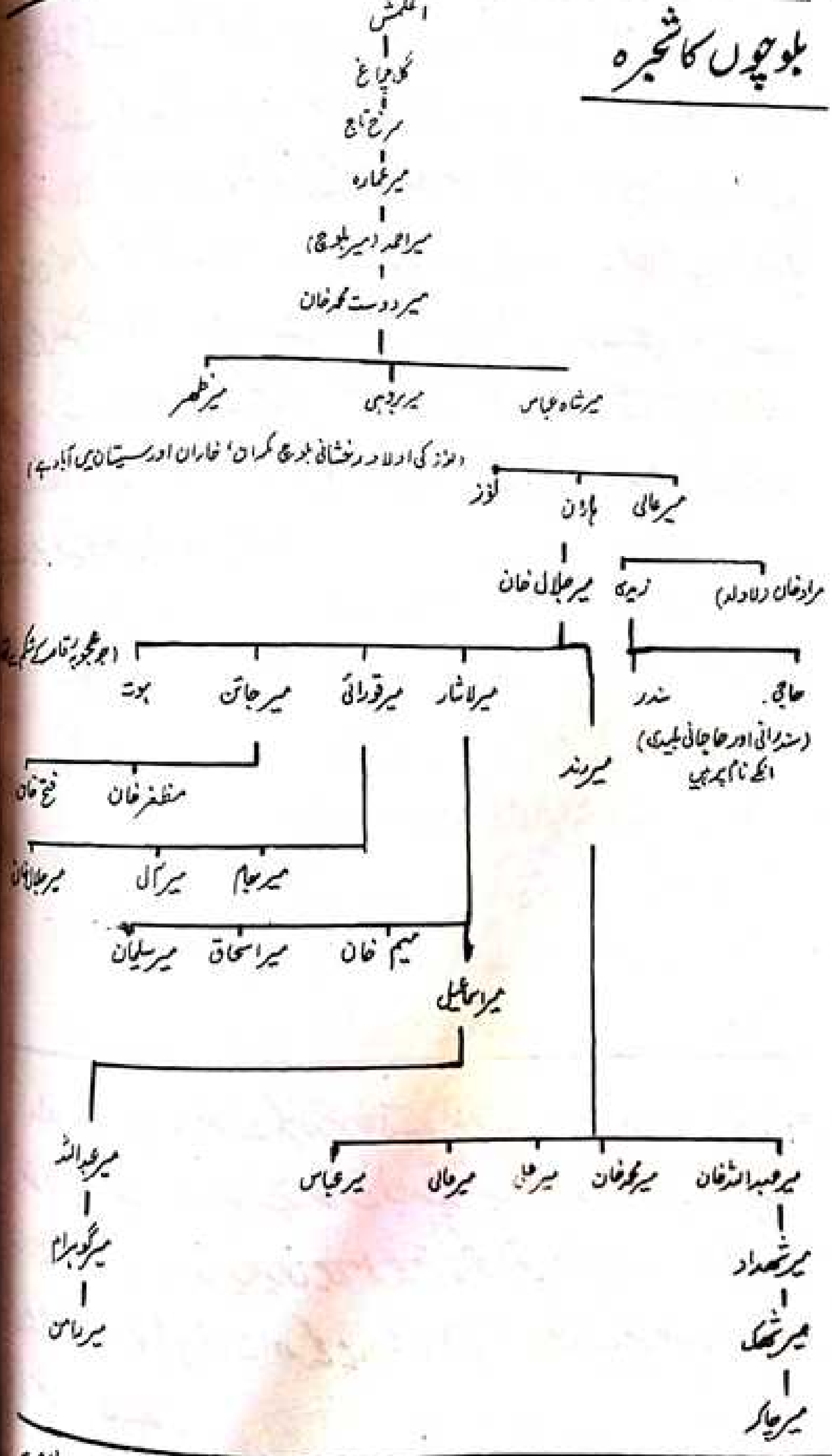

نوٹ:۔ یہ وہ بلوچوں کا شجرہ ہے جو رائے بہادر ہتورام کو رند کے سردار نے دیا تھا اور بلوچی تاریخ نامہ میں درج ہے

بہت سے عرب جو عربستان سے باہر نکل کر جن جن ممالک میں آباد ہوئے وہاں کے
کہلائے. اسی طرح جو عرب جہاد و تجارت کے لیے ایشیا کوچک میں جاکر آباد ہوئے
وہ رومی کہلائے مثلاً صہیب رومیؓ جو اصل عرب تھے اور اُن کا شمار صحابہ میں
ہے جرجہ بن زید رومی جو جنگ یرموک میں شہید ہوئے تھے وغیرہ چونکہ
ڈومبکیوں کے پاس علم الانساب کا فقط یہی سرمایہ موجود تھا. اس لیے بلوچوں کا
شجرہ فقط ان ناموں تک محدود ہے اور اس سے پہلے ہزارہا برس بلوچ موجود تھے
اور ان کی موجودگی کے لیے تاریخ اور ادبیات سے ثبوت ملتا ہے مگر افسوس کہ بلوچ قوم
کے پاس علم کا کوئی سرمایہ موجود نہیں اس لیے بلوچ قوم کی تاریخ پردہ تاریکی میں ہے
اور پھر جتنے بھی مغربی خواہ مشرقی مورخین ہو گزرے ہیں وہ صرف جلال الدین
کے نام سے واقف ہیں اس لیے جہاں بھی نظر دوڑائی جاتی ہے وہاں بلوچ کا دور
جدید یہیں سے آکر شروع ہوتا ہے. ایسے قحط الرجال کے زمانہ میں یہی کافی ہے. اگر
خدانخواستہ یہ نام بھی نہ ملتے تو شاید اس قوم کا وجود ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملتا.
پھر لطف یہ ہے کہ برٹش آفیشل ریکارڈ میں بلوچوں کا جو شجرہ دیا ہوا ہے
وہ تو بعد کے زمانہ کا ہے اور اعلش رومی کے بدلے میر جلال خان سے شروع
ہوتا ہے. ضرورت ہے کہ وہ بھی ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے گا. مگر بدقسمتی

نوٹ: میں جب پہلی مرتبہ سندھی زبان میں مختصر تاریخ بلوچستان سنہ ۱۹۴۱ء میں تصنیف کر کے شائع
کروائی اس میں مذکورہ شجرہ دیا تھا ڈومبکیوں کے شجرہ اور اس میں بڑی تفاوت ہے۔

جہاں یہ شجرہ دیا گیا ہے وہاں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ اس کی بنیاد محض روایتوں پر مب
ہے. غرض جہاں بھی دیکھو بلوچوں کی تاریخ محض روایتوں کا انبار نظر آتی ہے۔ ا
اے. ڈبلیو ہگس A.W.HUGHES. رائل جاگرافیکل سوسائٹی کے ممبر تھے انہوں نے
بلوچی تاریخ کے منتشر حصے جمع کئے وہ ان کو تاریخ کتاب کی صورت میں لانے میں
کامیاب نظر آتے ہیں مگر وہ خود ماتم کرتے ہیں کہ بعض اہم باتوں کا سراغ
روایتوں کے اور کہیں بھی نظر نہیں آتا.

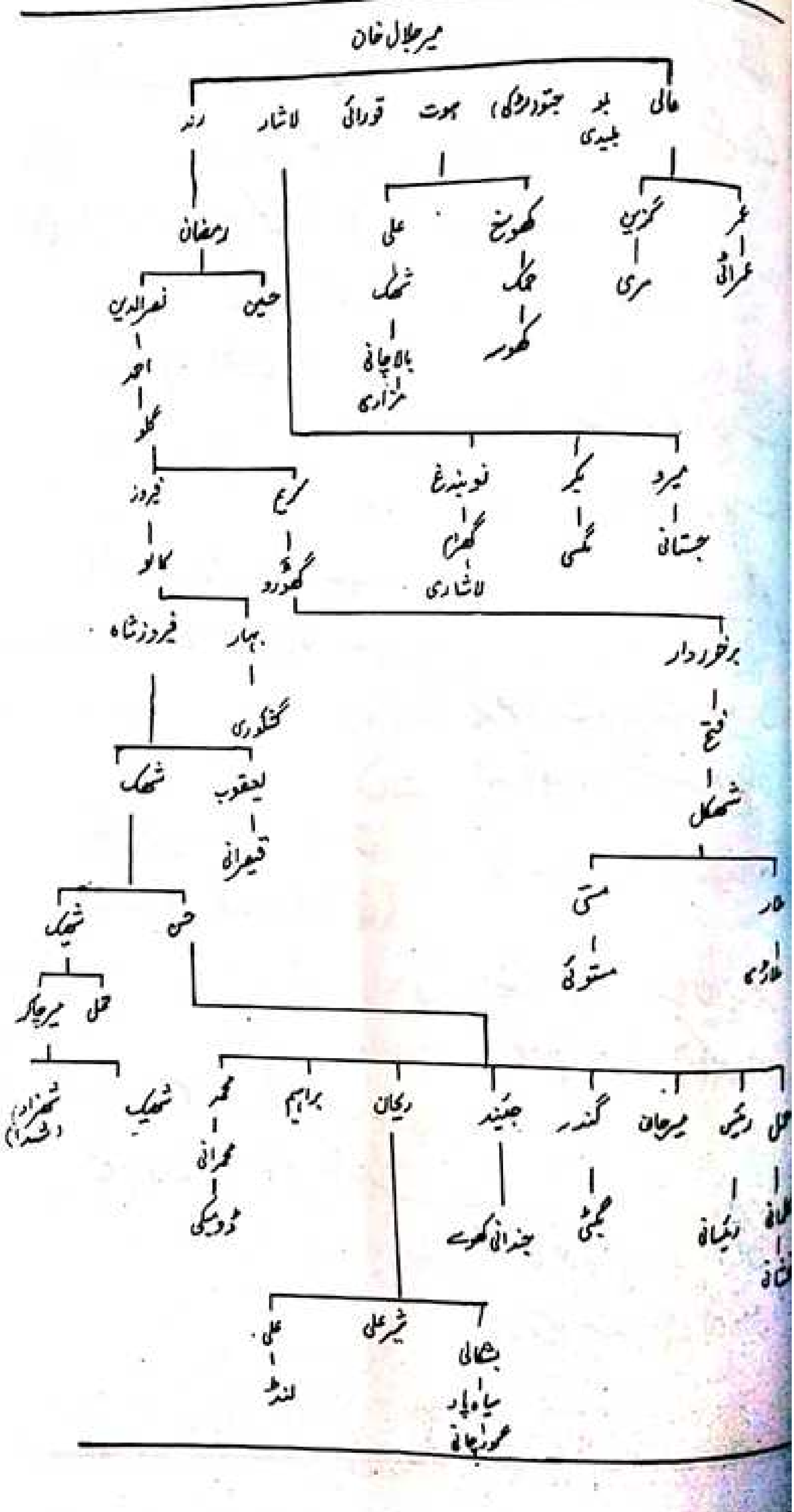
میر جلال خان
عالی
بلو
بلیدی
جتو (ڈشکی)
ہوت
قورائی
لاشار
رند
عمر
عمرانی
گزین
مری
کھوسہ
جمک
کھوسہ
علی
شہک
بالاچانی
مزاری
رمضان
حسین
نصیرالدین
احمد
گلو
میرو
جستانی
بکر
نمسی
نوبندغ
گہرام
لاشاری
کرم
گورگیج
فیروز
کالو
بہار
فیروزشاہ
گنگوری
برخوردار
فتح
شہکل
یعقوب
شہک
قیصرانی
مستی
مستوئی
حسن
شیہک
حلی
میر چاکر
شہزاد (شہید)
شیہک
محمد
ابراہیم
ریحان
جنید
گندر
میرجان
رئیس
حلی
عمرانی
ٹوبیکی
جندانی کھوسے
گیمبٹی
رئیسانی
علی
شیرعلی
بنگالی
لنڈ
سیاہ پاد
گورچانی

بلوچی نسب اور شجرہ کے متعلق ڈومبکیوں کے اشعار کے علاوہ دیگر اشعار میں بھی ذکر ہے. ایک اور فارسی شعر یہاں پیش کیا جاتا ہے جو دراصل ڈومبکیوں کے بلوچی دفتر شعر کا فارسی میں کسی نے ترجمہ کیا ہوا ہے۔

بیا ای سخنگوئی صادق سخن
بمن گوئی احوال نو و کہن

خبر دہ کہ اصل بلوچ از کجاست
حسب و ز نسب شان بگوئی زراست

کہ این فرقۂ نامی از چہ سبب
عزیز است اندر جہان در نسب

چہ طور است کاین جمع در مردمان
شدہ در سخا مشتہر در جہان

بگفتا بگویم بہ تو ای رفیق
ز اولاد حمزہ بود ابن فریق

شنیدم من از راویان این خبر
کہ بودہ پسر پنجہ از یک پدر

بنام آن یکے رند دیگر لشار
سیوم ہوت چارم جتوئی شمار

کورائی تو پنجم برادر بدان
بہر پنجہ ہند ایل ای جوان

پس از مرتے این گروہے بلوچ
بکرمان از حلب کردہ کوچ ۱؎

بلوچ قوم نے کرمان سے عیسوی دسویں صدی کے آخر اور ہجری چوتھی صدی کے آخر میں ہجرت کی کیونکہ انکی اُن کا سیاسی اور مذہبی جرم فقط یہ تھا کہ وہ مصر کے فاطمیوں کے طرف دار تھے اس فعل سے اُن کی اہل بیت سے وفاداری کا ثبوت ملتا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ فتنہ قرامطہ ایک زبردست فساد یا انقلاب تھا اُن کے داعی دور دراز ممالک میں سفر کرتے تھے اور لوگوں کو دعوت دیتے تھے. یہ وہ زمانہ تھا کہ عضد الدولہ نے اُن کو کرمان سے مکران طرف دھکیل دیا. اور یہ بیان بالکل درست ہے کیونکہ برٹش آفیشل ریکارڈ بھی یہی بتاتا ہے ۱؎ اور عیسوی گیارہویں صدی کے شروعات سے اس عظیم الشان قوم کے دور جدید کی تاریخ شروع ہوتی ہے. انہوں نے مکران میں سکونت اختیار کی جو سرزمین ہندوستان کی تجارت کا دروازہ تھا. یہاں آکر بلوچ ایران قندھار اور دہلی سے لڑتے ہیں.

مکران میں بلوچی آبادیاں

بلوچ جب مکران میں وارد ہوئے اُس وقت عربی ریاستوں کا اقتدار کمزور ہو رہا تھا. اس لیے اُن کو نوآبادیاں قائم کرنے میں آسانی ہوئی میر جلال خان کے لڑکوں سے پانچ بلوچی قومیں نامور رہی ہیں. وہ یہ ہیں (۱) رند (۲) لشار (۳) ہوت (۴) قرائی (۵) جتوئی

۱؎ مختصر تاریخ بلوچستان (بلوچی سیریز نمبر اول) ص ۱۰. ۱۹۴۱ء سکھر ریلوے الیکٹرک پریس

اس بارے میں رندوں کا بیان ہے کہ میر جلال خان کی دو بیویاں تھیں، ایک فاطمہ بنت مرزا جہان بیگ جس سے پہلے چار بیٹے ہوئے۔ دوسری عجوبہ نامی رقاصہ تھی جس کے بطن سے ایک لڑکا ہوت تھا اور سب سے چھوٹا تھا کیونکہ میر جلال خان جب فوت ہوا اُس کی عمر سات برس تھی اور حکومت کرنے کے لیے ابھی نابالغ تھا جب میر جلال خان کے جنازہ کو اُس کے لڑکے دفنا کر واپس لوٹے تو رقاصہ عجوبہ نے قلعہ کا دروازہ بند کر دیا اور کہا کہ اگر ہوت کے بھائی کیچ کی سرداری اس کے لڑکے کے حوالے نہ کریں گے تو وہ اپنے قبیلے میں واپس چلی جائے گی۔ غرض کہ جلال خان کے بیٹیوں نے یہ منظور کیا اور قلعہ کے باہر اپنے اپنے ڈیرے وہ CAMP بنا کر بیٹھ گئے حالانکہ سرداری کے لیے وہ زیادہ حق دار تھے مگر سوتیلی ماں کی دھمکی سے متاثر ہو کر انہوں نے کیچ کو چھوڑ کر براہویوں سے قلات چھین لیا[1]۔ زمانہ قدیم سے افغانستان اور بلوچستان پر ہندوؤں کی حکومت تھی۔ اور بدھ کے زمانہ میں وہ یہیں سے وسط ایشیا اور چین تک پھیل گیا۔ اُن کے آثار ہر دو ممالک میں اب بھی موجود ہیں۔ افغانستان میں غزنی سے نوے میل شمال و مغرب میں بامیان ایک مقام ہے جہاں پہاڑوں میں بے شمار بت ہیں۔ قردنی اسکو "بیت الذہب" کے نام سے لکھتا ہے۔ اور بعض بتوں کا احوال بھی دیا ہے۔ حجاج کے زمانہ میں عربوں نے اس کو فتح کیا اور ان کے یہاں سے بہت سا سونا ملا تھا[2]۔ سندھ کا دیبل اور اُس کا سمندر کے ساحل پر بت خانہ جس کے گنبد کی چوٹی پر سرخ جھنڈا ہوا میں لہراتا تھا۔ اس گنبد کو عربوں نے منجنیقوں سے اُڑا دیا

۱۔ بلوچی نامہ از ہیتورام ص ۱۱ نولکشور ۱۹۰۷ء لاہور از یادداشت آخوندزادہ محمد صدیق ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء

۲۔ یہ تمام کیفیت البیرونی از سید حسن برنی بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی، علیگ میں درج ہے۔

اور یہ شہر فتح ہوا. آج بامیان کا بت خانہ موجود ہے. مگر دبیل کا بت خانہ تھوڑا عرصہ قائم رہا۔ ۲۲۷ھ میں خلیفہ معتصم تک بطور جیل خانہ رہا. اُس کے بعد سیوطی کا بیان ہے کہ زلزلے سے تباہ ہوگیا. یہی حال خراسان کا تھا. یہاں کا مشہور بت خانہ بلخ میں تھا جو "نوبہار" تھا. علامہ ابن ندیم خراسان کی قدیم تاریخ کے حوالے سے بیان کرتا ہے کہ اسلام سے پہلے خراسان والوں کا مذہب بدھ تھا[1]. قندھار کے بارے میں رائے بہادر ہیتو رام صاحب اس شہر کی قدامت کو مہابھارت تک بتاتے ہیں. اور فرماتے ہیں کہ یہ شہر ایک شہزادی گندھاری کے نام پر یہاں کے ہندو راجا نے تعمیر کروایا تھا. اور اسی لفظ کے معنی ہیں" خوشبودار" پھر فرماتے ہیں کہ یہاں کے ہندو حکمران "سیوا" خاندان والوں نے موجودہ سیوی (سبی) کا شہر آباد کروایا جو آج بھی ان کی یادگار ہے اور قلات کا شہر "قلات سیوا" تھا. ان کی تصدیق کا اندازہ یہ ہے کہ قلات میں اب بھی ایک فرقہ سیوازئی موجود ہے. زیادہ تفصیل دینے سے یہ بندہ عاجز ہے[2]. دراصل ہیتو رام صاحب درست کہتے ہیں کیونکہ چاروں طرف بت پرستی کا رواج تھا. اسلام سے پہلے کچھی کا علاقہ نودھایا بدھا کہلاتا تھا. چچ نامہ کا بیان ہے یہ چچ کے ماتحت تھا. جنوبی بلوچستان کا حصہ مکران تو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا. اور قزوینی یا دیگر سیاح جو گزرے ہیں ان کا بیان ہے کہ ان ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں مندر اور مساجد دونوں موجود تھے. ملتان

---

(۱) کتاب الفہرست ابن ندیم ص ۳۴۵، یاقوت کا بیان ہے کہ نوبہار کا متولی برمک حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں خود آکر اسلام لائے۔

(۲) دیکھو بلوچی نامہ از رائے بہادر ہیتو رام ص ۱۲، ۱۳.

کے عرب حاکموں کو وہاں کے بت خانہ سے بڑی آمدنی تھی۔ حقیقت میں یہ درست تھا۔ قزوینی کا بیان ہے کہ یہاں یہودی آتش پرست، عیسائی اور بت پرست بھی رہے اور یہ غیر ممکن تھا کہ یہاں کے بلوچوں پر ان کا تمدن اثر نہ کرتا کیونکہ بلوچوں نے کیچ کی حکومت اپنے بھائی کے سپرد کی اور دور دور تک پھیلے مکران اُن کا مرکز رہا۔

رائے بہادر ہتورام آخوندزادہ صاحب کا حوالہ دیتے ہیں کہ میر شہک میر چاکر کے والد نے میر عمر براہوئی سے قلات چھین لیا۔ یہ ایک بڑی غلطی ہے جس کو ملانے سے آخوندزادہ اور رائے بہادر ہتورام صاحب عاجز نظر آتے ہیں حقیقت میں اس قسم کے شکار حق تعالیٰ نے شیدائی کے لیے محفوظ کر رکھے تھے۔ میر جلال خان اور میر شہک اور میر چاکر میں پانچ پشتوں کی تفاوت نظر آتی ہے۔ اس تفاوت کے لیے فقط اس قدر سوچنا چاہیے کہ گنداواہ سے لے کر قلات تک ایک وقتی آزادریاست تھی۔ جنوب میں میر جلال خان کے لڑکوں نے یہاں زبردست نوآبادیاں اور بستیاں پیدا کیں جن کے آثار آج بھی ہر صدی یہی کہتی ہے کہ یہ بلوچ مکران کے ہیں اُن میں نفاق کی جڑ ڈومبکیوں نے پہلے دن سے جاری کی اُن کا دعویٰ ہے کہ رند وہ بلوچ ہیں جن کا خون آلائش سے پاک ہے۔ باقی سب غلام قومیں ہیں یہ ڈومبکی حضرات اپنے قبائلی شان اور معیار کو بلند کرتے جن لفظوں میں اپنی تعریف کرتے ہیں اس اندازہ کیجئے:۔

ڈومبکی گفتاران بزین مران — بھتراش ہر تھنگوین شران

ڈومبکیوں کی روائیں بڑی شان والی تھیں — وہ سونے اور چاندی اور جواہر سے قیمتی ہیں

ا پھر یہ ڈومبکی حضرات گوُرگ، گوپانگ اور دشتی جیسی قوموں کو تو اپنے فوجی چھاؤنیوں کے غلام سمجھتے ہیں

ان صاحبوں سے اگر قزوینی اور البیرونی کی کتاب "الآثار الباقیہ" کے علمی آثار سے بحث کی جائے تو اُن کے شکوک مٹ سکتے ہیں. مگر غرض یہ ہے کہ کامل ساٹھ برس میں بلوچستان یا بلوچستان سے کوئی ایسا اہل قلم پیدا ہو نہ سکا جو اس قوم کی نقاب کشائی کی رسم ادا کر سکے اور پھر بلوچ جیسی لاپرواہ قوم کے لیے ایک بلوچی فرزند مورخ بن سکتا ہے. اُن کا ماضی ایام جو بالکل تاریکی میں ہے وہ بلیدیہ کی وادی نخلستان سے پورے اوج پہ درخشاں رہے اور خدا سے دعا ہے کہ اس کی شاعیں قومی خدمت کرنے کے لیے مشعلِ ہدایت بن سکیں. غرض میر جلال کے بعد وہ مکران میں رہے اُن کی کون سی بیٹھکیں تھیں.

اس کے متعلق ہم پھر ایک بار عرض کرتے ہیں کہ ڈاکٹر بیلو DR. BELLEW کا بیان ہے کہ افغان اور بلوچ قومیں خانہ بدوش تھیں. اُن سب کا پیشہ لوٹ مار کرنا تھا[1]. ہم نیچے تمام مکران اور بلوچستان کے بعض نام دیتے ہیں تاکہ میر جلال خان اور دیگر تمام بلوچوں کو وضاحت معلوم ہو سکے.

بعض بلوچی اقوام	آبادی کا نام	انگریزی میں	جائے وقوع	تبصرہ
ڈومبکی	ڈومبک	DOMBAK	مکران	ہیوجس جی بیان موجب
منڈ	منڈ	MAND	″	رند و لاشار نے قلات اس قوم کو دیا
گشکوری	گشکور	GISHKORE	″	کیچ میں غالباً کوئی ندی تھی۔
بلیدی	بلیدہ	BOLEDIA	″	یہ ایک وادی ہے یہاں کے بلیدی

۱۔ تاریخ افغانستان از کرنل جے بی مالیسن سی. ایس. آئی ص ۵۱.

بعض بلوچی اقوام	آبادی کا نام	انگریزی میں	جائے وقوع	تبصرہ
				اولین بلوچ تھے۔
مگس	مگس	MAGAS	مکران	ایک گاؤں تھا۔
بگ	بگٹی	BUG	〃	ایک گنبد دار جبل تھا۔
لغاری	لغار	LAGHAR	〃	شاید کوئی دریا تھا۔
کلاچی	کلانچ	KALANCH	〃	یہ قوم سندھ میں زیادہ ہے کلانچ مکران میں ایک قصبہ ہے۔
دشتی	دشت	DASHT	〃	صاف ظاہر ہے کہ صحرا تھا۔
کلمتی	قرامط/کراماتی	KARAMAT	〃	یہ عراق و عمان سے آئے اور ملتان تک پھیل گئے۔
کلوئی	کولوہ	KOLWAH	〃	ایک گاؤں ہے۔
دریشک	دیز	DIZ	〃	اب بھی ہوگا۔
لوڑی	لودی	LURSTAN	ایران	شاید انکو اپنے ساتھ چاکری کے لیے لایا ہوگا۔
خشک	قواشک	QUASHAK	〃	ایک گاؤں ہے۔
کرد	کرد	KURD	سراوان	ایک قدیم قوم دشت بیدولت میں اب بھی ہے۔
سنجرانی	سنجرانی (مغربی)	SANJRANI WEST	چاغی	یہ ایک بلوچ قوم اور علاقہ ہے
زہری	زہری	ZAHRI	جھالاوان	ایک قوم جو آج بھی یہاں سردار ہے

اصل بلوچی اقوام	آبادی کا نام	انگریزی میں	جائے وقوع	تبصرہ
میردئی	میردئی	MERUI	بلوچستان	کوئی شہر ہوگا۔
کیانی	خارانی (نوشیروانی)	KHARAN	〃	بڑی قوم ہے۔
لوطی	لوط	LUT	ایران	ایک شہر اور صحرا ایران میں ہے۔
لاشاری (لش)	لاش	LASH	〃	ایک گاؤں موجود ہے۔
برگر	بھرگری	BURGARI	افغانستان	یہ بھرگڑی سندھ میں زمیندار قوم ہے۔

وہ مکران کے ساحل سے لے کر افغانستان کے ہلمند دریا اور فرح FARAH علاقہ اور ہلمند اور ہرات تک پھیلے ہوئے تھے اور یہی آج بھی اُن کا حال ہے[1]۔

انہوں نے کوئی فتوحات نہ کی عباسی خلافت کے بعد ناصر الدین سبکتگین کے زمانے سے لے کر محمود کے زمانہ تک جو عیسوی ۱۱ صدی کے آغاز کا زمانہ ہے تمام بلوچی قبائل محمود کے جھنڈے تلے نظر آتے ہیں۔

عیسوی ۱۱ صدی میں اگر سرسری طور پر بلوچ اور براہویوں کی آبادیاں تلاش کی جائیں جن کے لیے قلات و دیرہ کو بلوچی سمجھا جائے تو ہم معلوم کر سکیں گے کہ یہ بلوچ بحیرہ خزر اور جیحون (OXUS) سے لے کر کرمان اور رود سندھ INDUS RIVER از سندھ

۱: رضا شاہ پہلوی کے زمانہ میں بعض خانہ بدوش بلوچی قبائل مویشیوں کو چراتے روسی حد میں داخل ہوئے روس کا قونصل مقیم مشہد نے حکومت ایران کو اطلاع دی ایرانی مجلس نے جب بلوچوں سے سوال کیا تو انہوں نے کہا "یہ ساری زمین خدا کی ہے ہم کو کیا معلوم کہ روسیوں اور ایرانیوں نے اس پر قبضہ کر رکھا ہے"۔

دریا تک اُن کی سرداریاں قائم تھیں۔ عربوں کی ریاستیں خود مختار تھیں مگر اُن کو بدیگر باشندے بیگانے سمجھنے لگے۔ آخر یہ سب بلوچی سرداریاں اور ریاستیں غزنی کے ماتحت ہوکر رہتی ہیں۔ یہ مسئلہ یہیں رہنے دیجئے۔ یعنی عربوں کی کمزوری سے وہ طوائف الملوکی ہوکر رہتے ہیں مگر بعد میں وہ غزنی کے ماتحت ہو جاتے ہیں۔ بلوچ سلطان کے ماتحت تھے اُن میں سے مکران والے تازہ دم تھے وہ اپنی آزادی کے لیے سلطان محمود کے زمانہ تک لڑتے رہے۔ اور مکران بھی ماتحت ہوگیا۔

غزنوی خاندان اور بلوچ

مکتفی باللہ عباسی کے زمانہ میں عباسی خلافت کا آفتاب نصف النہار سے گزر کر غروب ہونے کو تھا۔ سلطنت بے شمار حکومتوں میں تقسیم ہو چکی تھی جو سب کی سب خودمختار تھیں وہ برائے نام بغداد کے خلیفہ کا احترام کرتی تھیں۔ اُن کو بارگاہ خلافت سے سندیں ملتی تھیں۔ وہ جائز سلاطین مانے جاتے تھے۔ اُس زمانہ کے سیاسی مذاق کے مطابق عام مسلمان سند یافتہ سلاطین کی حکومت کو ہر دلعزیز حکومتیں سمجھتے تھے۔ اُس زمانہ میں سامانیہ خاندان کے چشم و چراغ اسماعیل نے بخارا میں ایک زبردست سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ یہ بھرام چوبین کی اولاد میں سے تھا۔ اس خاندان کے نوآمداروں نے بڑے دبدبہ کے ساتھ بخارا کی حکومت کی۔ ان کی شان و شوکت کا زمانہ ۲۹۰ھ سے لے کر ۳۱۶ھ یعنی ۸۷۴ء سے لے کر ۹۹۹ء تک رہا۔ اس خاندان کے آخری فرمانروا منصور بن عبدالملک نے ۳۶۵ھ میں وفات کی اُس کے ایک ترکی غلام الپتگین نے غزنی میں ایک زبردست حکومت قائم کی اُس کے مرنے کے بعد اُس کا لڑکا ابو اسحاق تخت نشین ہوا مگر اس میں لیاقت نہ تھی ۳۶۶ھ/۹۷۶ء امیروں نے مل کر الپتگین کے لائق غلام اور اس کے داماد ناصر الدین سبکتگین کو

غزنی کے تخت پر بیٹھایا. دراصل یہ غلام ایران کی شاہی نسل سے تھا اور اُس کا نسب نامہ نوشیروان تک ملتا ہے[1] ۳۹۱ھ ۱۰۰۰ء میں سلطان محمود غزنی کے تخت پر بیٹھا وہ ایشیا کا زبردست بادشاہ تھا اور خوارزم، ایران، عراق، خراسان، قصدار، زابلستان سندھ، ہندوستان، جرجان اور طبرستان اُس کے قلمرو میں شامل تھے جیسا کہ طبقات ناصری، بیہقی اور تاریخ یمینی کا بیان ہے کہ خلیفہ قادر باللہ عباسی نے سلطان فاتح کو "امین الملت اور یمین الدولہ" کا خطاب دیگر مشرقی ممالک کا سلطان تسلیم کیا ۳۶۱ھ میں جب فاطمیوں نے مصر کو تخت گاہ بنایا تو اسلامی دنیا دو فرقوں میں بٹ گئی (۱) سنی جو بغداد کے عباسی خلیفوں کا خطبہ پڑھتے تھے (۲) شیعہ جو مصر کے فاطمی خلیفہ کا خطبہ پڑھتے تھے. ان کی رقیبانہ چالیں ہر جا موجود تھیں غرض فاطمی خلافت کا عہد شباب کا زمانہ تھا اور عباسی خلافت ضعیف ہو چکی تھی مگر مشرق میں جتنی بھی زبردست قوتیں نمودار ہوئیں مثلاً سمانیا، غزنویہ، سلجوقیہ، تیتسیہ کے سب فوجی طاقت رکھتے تھے تاہم وہ برائے نام بغداد کے خلیفہ کے ماتحت تھے. یہ وہ زمانہ تھا کہ مکران میں قرمطی، جھلاوان کی خارجی ریاست منصورہ اور ملتان کی عرب ریاستیں سب قرامطہ تھیں ملتان والے قرمطی مسلمانوں کی گذشتہ زمانہ کی قائم شدہ مساجد گرانے لگے ۴۰۱ھ میں سلطان نے ملتان پر حملہ کر کے قرامطیوں کا خاتمہ کر دیا. ملتان غزنی کا حصہ بن گیا[2] علامہ البیرونی کتاب الہند میں اس حملہ کا سبب قرامطیوں کا خاتمہ کرنا تھا.

[1] دولت غزنویہ در سبکتگین از مولانا محمود الرحمن ندوی ص ۳۳،

[2] عرب و ہند کے تعلقات از سید سلیمان صاحب ندوی ذکر ملتان، کتاب الہند البیرونی ص ۵۰۱.

سومناتھ کا حملہ اور بلوچ

بلوچ اقوام غزنی کے ماتحت تھے عیسوی کا آخر
کی آخر اور پندرہویں کی شروعات میں وہ
قلات پر حملہ کرتے ہیں ؎ اس لیے غزنیوں کے بعد وہ غوریوں کے بھی ماتحت رہے

سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر ۱۷ حملے کئے ان کا سب سے مشہور حملہ سومناتھ کا تھا۔ سومناتھ کا مندر ہندوستان کے مغربی ساحل گجرات میں سمندر کے کنارے پر تھا۔ یہ بت خانہ مہادیو کہلاتا تھا۔ اس بت خانے کے پوجاریوں کی تعداد دو ہزار تھی پانچ سو گانے والی عورتیں (دیوداسیاں) ۳ سو فن موسیقی کے ماہر موجود رہتے تھے۔ ۳ سو حجام براہمنوں کی روزانہ حجامت کرنے پر مامور تھے اس مندر کے ۹۶ ستون تھے اور بت ۵ گز لمبا۔ اور ہر روز ۶ سو میلوں کے فاصلے سے گنگا کا پانی بت کو غسل دینے کے لیے آتا تھا بقول فرشتہ مندر کی دیواروں کو مقناطیس لگا ہوا تھا اور بت لوہے کا تھا جو مقناطیس کی کشش سے زمین سے اوپر کھڑا ہوا تھا اور یہ راز ایک طلسم تھا۔ ہزار ہا یاتری روزانہ زیارت کرنے آتے تھے اور بت خانہ کے اخراجات کے لیے راجاؤں نے ۲ ہزار گاؤں کی آمدنی وقف کر رکھی تھی ۴۱۵ھ مطابق ۱۰۲۶ء میں اس نے جہاد کے لیے عام دعوت دی گئی اور

نوٹ ۱۔ سلطان محمود کے پاس فاطمیوں نے ایک سفیر بھی روانہ کیا تھا جسکو سلطان نے مروا ڈالا ملتان کے آخری حاکم کا نام داؤد بن نصیر بن شیخ حمید تھا جسکو سلطان نے شکست دیکر غور کے قلعہ میں قید رکھا جہاں اُس نے قید میں انتقال کیا۔ زین الاخبار گردیزی ص ۱۷۔

تیس ہزار مجاہد ترکستان، افغانستان، اور بلوچستان سے آکر غزنی کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے. یاد رہے کہ یہ جہاد چشتی خانوادوں کے فیض اور برکت کا کرشمہ تھا کیونکہ چشتی خاندان کا سرخیل حضرت خواجہ ابواحمد ابدالؒ چشت کے گاؤں میں رہتا تھا جو ہرات سے دو منزلوں کے فاصلہ پر درہ کوہ میں واقع تھا[1]. سلطان نے چشتیہ مشائخ کے کہنے پر ہندوستان پر غزہ کی کمر باندھی اور اس خاندان کا امام سید محمد بن خواجہ ابواحمد سومناتھ کے حملہ میں سلطان کے ساتھ تھا. ہندوستان میں اس طریقی کا امام سید معین الدین بن غیاث الدین حسنی حسینی سنجریؒ پہلے اولیا اللہ تھے جنہوں نے اجمیر میں ولایت کا سلسلہ ۵۸۳ھ میں قائم کیا اور یہ امام ساتویں صدی کے مجدد شمار ہوتے ہیں[2]. بلوچ اس فوج میں "سیاہ جیوش" مشہور ہوئے اور سلطان کا لشکر ڈیرہ غازی خان کے راستے گجرات کو روانہ ہوا[3]. اس عظیم الشان مہم میں سلطان کے پاس تیس ہزار شتر تھے جن پر پانی لدا ہوا تھا. ہر ایک منزل پر اونٹوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت لشکر کو تقسیم ہوتا تھا اور ان کے پیٹ والا پانی گھوڑوں کو پلاتے تھے. راستہ بہاولپور، بیکانیر، اجمیر اور تارہ گڑھ کا اختیار کیا جو صحرائی تھا. آخر یہ لشکر صحرا اعظم کو عبور کر کے گجرات کے پایہ تخت انھل واڑ (پٹن) پہنچا یہاں کا راجہ پریم دیو تخت چھوڑ کر بھاگ گیا[4]. بت خانہ پر تین دن تک

---

[1] چشت کا گاؤں اس وقت شاقلاں کہلاتا ہے دیکھو تذکرہ السلوی از حکیم مولوی نجم الغنی ص ۳۲۷،

[2] ایضاً ص ۳۲۷، کہ سجز، سجستان، سیستان، کو کہتے ہیں گویا چشتیہ خاندان کا وطن بلوچستان تھا۔

[3] سلطنت غزنویہ مولانا محمود الرحمن ندوی ص ۲۲۵،

[4] مراۃ محمدی، تاریخ گجرات، از شیخ غلام محمد ص ۲۸،

اسلامی فوج کا محاصرہ رہا ۵، ہزار پوجاری قتل ہو گئے باقی سمندر میں کود پڑے پر
لہروں میں فنا ہو گئے۔ اُس کے بعد پوجاریوں نے بے شمار زر و مال و جواہرات
سلطان کو پیش کئے ان کے دیوتا کو معافی دی جائے سلطان نے جواب دیا اگر بت
کو معافی دونگا تو قیامت کے دن تک تاریخ میں بت فروش کہلاؤں گا یہ کہہ کر اُس نے
اپنا گرز بت کو مارا جو پرزہ پرزہ ہوگیا اور اس میں بے شمار ہیرے اور جواہرات
گرے۔ مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا سلطان واپسی پر گجرات کی حکومت
ایک مرتاض داشلیم کو سپرد کر کے واپس روانہ ہوا[1]۔ اس حملہ کا یہ نیجہ نکلا کہ اسلام
سرزمین گجرات تک پھیل گیا۔ ویسے بھی سلطان محمودؒ کے زمانہ میں بدھ دھرم کا
افغانستان، بلوچستان، خراسان اور سندھ میں قطعی خاتمہ ہو گیا تھا۔

سندھ غزنی کے ماتحت

منصورہ اور بیضا سندھ میں دو مشہور عربوں کے شہر اور چھاؤنیاں تھیں اُن میں
منصورہ بقول ابن حوقل ایک میل میں تھا۔ اس شہر کے بیچ میں جامع مسجد تھی
اس کے چار دروازے تھے (۱) باب الجبر (۲) باب طوران (۳) باب سندان
(۴) باب ملتان۔ علامہ مسعودی کا بیان ہے کہ تقریباً تین لاکھ گاؤں منصورہ کے
ماتحت تھے۔ اور یہ شہر علم کا مرکز تھا۔ یہاں کے امیر کے پاس ۸۰ ہزار لشکر تھا[2]۔ یہاں
کا امیر عمر بن عبدالعزیز ہباری کا خاندان حکومت کرتا تھا بقول ابن اثیر قرمطیوں
نے سلطان سے ملتان میں شکست کھا کر ہباریوں سے یہ ریاست چھین لی

ع۱: مرات محمدی ص ۲۹۔

ع۲: مروج الذہب مسعودی جلد اول ص ۲۷۹۔

۴۱۶ھ میں سلطان نے ان کا خاتمہ کر کے سندھ کو فتح کیا

کیا بلوچ سلطان محمود کی فوج میں شامل تھے؟

ہندوستان کی تاریخ کے جتنے بھی مغربی مصنفین ہو گزرے ہیں اُن کے گو کہ حالات تواریخی صحت سے ہیں مگر انہوں نے ایک بڑی غلطی یہ کی ہے کہ ہندوستان پر جتنے بھی مغرب کی طرف سے حملے ہوئے ہیں ان حملوں کو وہ فاتحین کے ناموں پر منسوب کرتے رہے ہیں مثلاً غازی محمد بن قاسم کی فتوحات کو عربوں کا حملہ تصور کرتے ہیں۔ اور یہ بالکل درست ہے کہ یہ حملہ عربی سلطنت کی طرف سے تھا اور اس کا فاتح بھی عرب تھا مگر غازی محمد بن قاسم کی فوج میں عرب، ایران اور بلوچی لشکر تھا۔ اسی طرح دوسرا حملہ افغانستان کی طرف سے ہوا تھا۔ اور یہ پہلا فاتح جس نے اسلام کی جڑیں ہندوستان میں مضبوط کردیں وہ محمود غزنوی تھا مگر اس کے حملے عام جہاد کی صورت میں ہوئے اس لیے اس کے لشکر میں ترکستان، بلوچستان، خراسان اور افغانستان کے جفاکش سپاہی تھے۔ بلوچ جیحون سے لے کر ملتان اور سندھ تک پھیلے ہوئے تھے ان کی لوٹ مار اور تجارت کا سلسلہ گجرات اور ایران بلکہ ماوراالنہر تک جاری تھا اور ان کی زبان کا بھی اثر دور دور تک تھا۔ کیونکہ اصطخری جو ۳۴۰ھ میں ملتان میں تھا اور محمود غزنوی سے ساٹھ برس پہلے کا بیان ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سندھ ملتان اور مکران میں تین زبانیں سندھی، عربی اور بلوچی زبانیں رائج تھیں عربی ریاستوں کی کمزوری سے اُن کے قبیلے کے مختلف سرداروں نے جو سب کے سب رند کی سرداری کے ماتحت تھے۔ انہوں نے کیچ مکران، سیستان میں آبادیاں قائم کیں تھیں وہ طوائف الملوک تھے۔ بلیدہ کے بلیدی تو وہاں پہلے طوائف الملوک

تھے۔ سراوان کے کردوں، قلات کچھی کے براہولیوں اور ناروئی کا تو ذکر ہی کیا وہ ہیلمنڈ اور سیستان کے شاداب اور ریگستانی علاقوں میں خود مختار تھے اسلام سے پہلے وہ ہمیشہ وقت کے طاقت ور شہنشاہوں کی طرف داری کرتے تھے اسلام کے بعد جب جہادوں میں مجاہدوں کو مال غنیمت سے حصہ ملنے لگا تو بلوچ جیسی قوم جس کا بدویانہ پیشہ تھا غیر ممکن تھا کہ ایسی دعوت کو ٹھکراتے۔ وہ آل غالب اور قریش کے ممتاز فرزند تھے۔ اس لیے ان کی سیاسی پالیسی وہی رہی جو ارض مدینہ الرسول کی پالیسی تھی۔ وہ اہل بیت اور صحابہ کبار کے بازو اور رفیق رہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت عبیداللہ بن جراحؓ کے پرچم کو اٹھاتے وہ حمص اور بیت المقدس کو پہنچے حضرت سعدؓ فاتح مدائن اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ان شہسواروں پر کامل بھروسہ تھا۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے ان کی فتوحات کی یادگار میں کوفہ میں نہر تعمیر کروائی تھی تاکہ ہتھیورام کے شاہنامہ کے افسانہ اسلام میں درست ہو کر اگر رہے۔ حبیب بن مظہر اس اہل وفا کی جماعت کا فرزند تھا جو ارض نینوی (کربلا) میں امام حسینؓ پر جان دی۔ پس یہ غیر ممکن تھا کہ یہ بلوچ غزنوی جہاد میں شامل نہ ہوں جس کا پرچم مشائخ پیران چشت کے ہاتھوں میں ہو!

یہ زمانہ بلوچی تاریخ کا نہ تھا اس میں مورخ اور محدث اور شعراء پیدا ہو چکے تھے۔ ان کا علمی اور مذہبی معیار بھی بلند تھا۔ اس فراموش شدہ بلوچی دور کو نئے سرے سے ایجاد کرنے کے لیے اصطخری کا بیان کر چکے ہیں ملتان، سندھ اور بلوچستان میں تین زبانیں رائج تھیں سندھی، عربی اور بلوچی یہ ۳۴۰ھ کی بات ہے ہمارے کرم فرما استاد سید سلیمان ندوی صاحب نہایت ہی شاندار وضاحت سے اسی ماجرے کی فاضلانہ و مورخانہ انداز میں سلطان محمود کی فوج کے متعلق فرماتے ہیں۔

"بہر حال اب وہ زمانہ ہے جب غزنیں میں آل سبکتگین کی حکومت قائم ہے اور اس کے نامور فرزند نے ہندوستان پر حملے کئے۔ ان حملہ آوروں کی زبان ترکی تھی نگران کی دفتری زبان فارسی تھی سلطان محمود ۴۲۱ھ میں گجرات تک حملے کئے اور غزنوی کی حکومت کا دائرہ سندھ اور ملتان پر دو صدیوں تک رہا اس میل جول کا یہ اثر نکلا کر ترکستان خراسان، ایران، کابل سے کھلم کھلا باشندے آکر ہندوستان میں رہنے لگے۔ پھر ہندوستانی غلاموں کی صورت میں یا فوجی سپاہیوں کی صورت میں غزنی پہنچے۔"[1]

یعنی گجرات کی مہم سید صاحب کی نظر میں وہ میل جول تھا۔ جب پہلی بار افغانی ترکی، فارسی، خراسانی، سندھی، عربی اور بلوچی زبانوں کا آپس میں میل ہوتا ہے، سید صاحب نے یہ لیکچر اردو زبان کی ابتدا کے بارے میں دیا ہے۔ اس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اردو زبان کی ابتدائی تعمیر میں مکرانی (بلوچی) اور خراسانی (براہوئی) زبان کا کتنا حصہ ہے۔ اور آج بھی اردو بلوچوں کی دوسری زبان ہے۔ ذکریا قزوینی جو اس زمانے کے بعد ۶۸۲ھ اور ۱۲۸۳ء میں ہو گزرا اُس کا بیان ہے کہ جب مرد (ترک) ہندوستان کی عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں تب اُن کو خوبصورت اولاد ہوتی ہے۔

اک زبردست انقلاب کے متعلق ہم نے افیشل ریکارڈ سے لے کر عرب جغرافیہ دان سیاحوں اور موجودہ زمانے کے محققین کے ثبوت پیش کئے ہیں۔

---

[1] نقوش سلیمانی از سید سلیمان ندوی ص ۳۲-۳۲

بلوچی تاریخ کی شیرازہ بندی کرنے کے لیے ایک زبردست کڑی ہے اس کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔

محمود غزنوی کا دربار اور بلوچ

۲۳ ربیع الاول ۴۲۱ھ ۱۹ اپریل ۱۰۳۰ء میں اس دنیدار فاتح سلطان نے دار فانی سے ملک جاودانی کو رحلت کی اور غزنی کے قصر فیروزہ میں دفنائے گئے اس کے عہد مہد میں قرمطیوں کی جڑ اُکھڑ گئی جا بجا مساجد تعمیر ہوئیں۔ صوفیائے کرام کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ غزنی کی جامع مسجد "عروس فلک" دمشق کے جامع ولید سے تمام اسلامی دنیا میں دوسرے نمبر پر تھی۔ یہاں ایک زبردست دارالعلوم تھا جہاں سرکاری خرچ پر فقیہہ، مفسرین اور محدثین دینی تعلیم دینے پر مامور تھے عالی شان دارالکتب بھی تھا۔ غرض علمی شان و شوکت کے لحاظ سے غزنی کا دارالعلوم ایشیا میں لاثانی تھا۔ ایلفنسٹن جیسے مورخ ثنا خواں ہیں۔

اس سلطان نے فارسی زبان کی سرپرستی کی۔ ایران میں ژند پاژند اور دساتیری قدیم زبانیں سیاسی اور مذہبی انقلابات برپا کر کے مٹ چکی تھیں۔ ساسانی دور میں اُس کی مردہ ہڈیوں میں روح پڑی اور خسرو پرویز کے زمانہ میں دفتری زبان فارسی ہوگئی۔ دور بنی اُمیہ میں عبدالملک بن مروان کے زمانہ سے لے کر اس پر عربی نے غلبہ کیا۔ یہ وہ صورت تھا کہ بقول استاد محمد حسین صاحب آزاد فارسی موت کی نیند میں برابر تین صدیوں تک سوتی رہی۔ عہد بنی عباس میں ہارون الرشید کے زمانہ میں برمکی خاندان کے وزیروں کی علم پروری سے وہ پہلی مرتبہ بیدار ہوئی ایران کی خاک میں فنون لطیفہ کی قابلیت تھی شاعر اس کا خمیر تھا۔ اسلام آیا اور ہزاروں جوہر اسی خاک سے پیدا ہوئے اور صدیوں تک ایرانی تہذیب اور

معاشرت کا اسلامی دنیا پر اثر رہا ۳۴۲ھ میں پہلی بار فارسی نے ایسی کروٹ بدلی کہ بخارا کے سامانی سلطنتوں کی دفتری زبان بن گئی غزنوی دور میں اس زبان نے غیر معمولی ترقی کی[۱] علم تاریخ اور ادب کی یہی زبان تھی طبری دور کی بیہقی کے فارسی ترجمہ نے عربی کو ایران سے خارج کر دیا۔ سلطان محمود خود قدردان تھا منوچہر بلخی، اسد طوسی، دقیقی، سنائی، نصری، فردوسی وغیرہ اس دربار کے شعرا تھے۔ حکیم عنصری ملک الشعرا تھا اور غزنوی دربار کا چرچا ترکستان، ایران، روم اور ہندوستان تک تھا[۲] غرض اسلام کے دور بابرکات میں سرزمین ایرانی نے بو علی سینا، غزالی، رازی، طوسی، امام بخاری اور جوہری جیسے گوہر پیدا کئے مگر بلوچوں کا کہیں نام و نشان نہیں وہ اس لئے کہ حضرت شبلی نعمانی اور حضرت آزاد صاحب جن کا یہ کام تھا وہ ایران جیسے شاداب اور کیف پرور سرزمین کی طرف زیادہ متوجہ رہے۔ تاریخی نقطہ نظر سے وہ سیستان اور خراسان کے حدود قائم کرنے میں عاجز ہیں اور اب تک پتہ لگ نہیں سکا کہ سیستان کیا ہے اور خراسان کونسا علاقہ ہے مگر جو بھی ان کو شاعر نظر آیا اسکو ایرانی شمار کرتے گئے اس بارے میں وہ ہندوستان کے فارسی شاعروں کو بھی عجم میں ٹھونستے ہیں کہ کتاب کا انداز بلند رہے۔ اگر تحقیقاتی نظر سے دیکھا جائے تو ان میں نہ بلوچستان کا کہیں نام ہے اور نہ بلوچوں کا گویا بلوچ قوم اُن کی نظر میں غائب ہے کیونکہ یہ خطہ سنگریزہ ہے[۳]

---

[۱] شعر العجم جلد اول از شبلی نعمانی تاریخ ادبیات ایران جلد اول، ایڈورڈ براؤن یہ اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

[۲] سخندان فارس، نگارستان از مولانا آزاد اور شعر العجم جلد اول کافی ہیں۔

[۳] حقیقت میں جس طرح ہندوستان کے ادیبوں نے بلوچ قوم کو نظر انداز کر دیا اسیطرح پہلے انگریز علما اور لوگ سرزمین بلوچستان کے متعلق فاتح سندھ سر چارلس نیپیر کہتا ہے "خدا نے دنیا کو بناتے وقت باقی کچرہ پہاڑ پھینکا اور بلوچستان بن گیا۔

بلوچوں کی زبان خود ایک وسیع علاقہ کی زبان تھی اور اُس کی زندگی کا بیان ہے کہ در
اُس زمانہ کی مانی ہوئی زبان تھی مگر چونکہ فارسی کو وقت کے سلاطین کے دربار میں عزت
تھی اس لیے غیر ممکن تھا کہ بلوچ اُس زمانہ کی شائستہ زبان اور تہذیب سے محروم رہتے
بہ تحقیق ان میں بڑے پایہ کے مورخ ہوئے جن کے بیانات کو اس زمانہ کے مورخوں
نے بطور سند تسلیم کیا ہے مگر طبری اور فردوسی کے یا بیہقی فن تاریخ کے امام تے
زیادہ تر اُن کی تاریخی کتابیں فارسی میں ترجمہ ہو چکی تھیں حضرت فردوسی ایرانی تھے اُن
کے شاہنامہ کو ایرانی قرآن سمجھنے لگے سلطان محمود غزنوی سیستان میں پیدا ہوا تھا اس کو
بلوچوں کے لیے قدر تھی اُس کے علاوہ بلوچ بخارا اور خراسان والوں کے مقابلہ میں بار
غزنوی کے رفیق تھے۔

حکیم عنصری اصل ریگستان کا بلوچ تھا اس کے والدین کا پیشہ تجارت تھا آغاز
شباب میں والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا ایک مرتبہ جب ڈاکوں نے اُس کا اسباب چھین
لیا تو آبائی پیشہ چھوڑ کر علم کی طرف توجہ کی اس نے تمام علوم وفنون حاصل کئے لیکن
طبیعت کو شاعری سے لگاؤ تھا اور محمود کے دربار میں ملک الشعر کے عہدے
تک پہنچا ہر وقت چار سو زریں غلام اُس کے رکاب میں چلتے تھے سفر کے وقت
اس کا ساز وسامان چار سو اونٹوں پر بار کیا جاتا تھا۔[1]

سرزمین خراسان میں کل تین آدمی صاحب کمال ہوئے (۱) سعد مہنہ عالم جو امام
غزالی کا معاصر تھا اور اُن سے ہمیشہ مباحثہ کرتا رہتا تھا۔ (۲) خواجہ ابو علی احمد

---

[1] مجمع الفصحا رضا قلی خان ہدایت طہران ۱۲۹۱ھ تذکرۃ الشعرا دولت شاہ سمرقندی بمبئی ۱۳۰۵ھ
شعر العجم شبلی جلد اول ص ۵۴، ۵۵

خاوران خاورانی وزیر طغرل (۲) اوحدین انوری جو خراسان کے علاقہ خاوران کا
ایک صحرائی مفلس بلوچ تھا. اس کا تخلص پہلے خاوای تھا مگر اُس کے اُستاد عمارہ
نے ایک دن خوش ہو کر انوری تخلص عنایت کیا. مدرسہ منصوریہ طوس میں تعلیم پائی تھی
عالم شباب میں تحصیل علم پر توجہ کی چند روز میں کمال حاصل کیا علم و فضل کی مسند کو چھوڑ
کر شاعری اختیار کی ایک رات سلطان سنجر المتوفی ۵۵۲ھ کی تعریف میں قصیدہ
کہا بادشاہ سخن شناس تھا. اُسی وقت ملک الشعرا کیا. آخر عمر میں گوشہ نشین ہوا ۵۸۶ھ
یا ۵۹۱ھ میں شہر بلخ میں مرگیا قبر سلطان مرزا احمد خضرویہ کے برابر میں اس کی قبر ہے
کلام اس صاحب کمال کا اعلیٰ مرتبہ فصاحت و بلاغت پر ہے.[1]

سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں سجستان و نیمروز (سیستان) پر خلف بانو بن
احمد کی حکومت تھی اس کا سلسلہ سلاطین آل صفار سے ملتا ہے خلف بانو اپنے زمانہ
کا سب سے بڑا علم دوست بادشاہ ہوا ہے. اس کی قدر دانی سے اطراف و اکناف
کے اہل کمال دربار سجستان میں جمع ہو گئے تھے. عرب کی کثیر جماعت اس کی دربار
میں موجود تھی. مشہور ادیب بدیع الزمان ہمدانی اس کا ندیم خاص تھا اس عہد کے
بڑے بڑے علما کو جمع کر کے اُس نے قرآن مجید کی ایک ایسی تفسیر لکھوائی تھی
کہ اس میں صرف و نحو حدیث فقہ کلام کے جمیع مسائل درج تھے. اُس کی تالیف میں
بیس ہزار دینار کا صرفہ ہوا تھا مورخ عتبی نے نیشاپور کے کتب خانہ میں اس کا نسخہ بچشم
خود دیکھا تھا ابوالشرف ناصح نے لکھا ہے کہ یہ تفسیر ۵۴۵ھ تک نیشاپور میں تھی
اس کے بعد اصفہان میں منتقل ہو گئی اور وہاں آل خجند کے کتب میں محفوظ تھی

[1] ملاحظہ نگارستان فارسی مولانا آزاد صاحب ص ۴۳، ۴۴

اور بڑی تقطیع کی ایک سو جلدیں تھیں ؀۱
فرخی اس سرزمین کا ایک صحرائی شتربان تھا اور بلوچ تھا. محمود کے دربار میں
رتبہ کا درباری شاعر تھا. علامہ شبلی نعمانی نے شعر العجم میں لکھا ہے کہ شاہنامہ ایران
آغاز فرخی سیستانی نے کیا سلطان نے ان کو انعام و اکرام سے نوازا مگر فرخی سیستانی
عمر نے وفا نہ کی فردوسی نے فرخی کی شعری بنیادوں پر شاہنامہ کی عمارت کھڑی کی
ادیبوں کا بیان ہے کہ اُس کا کلام حکیم عنصری کے برابر تھا؀۲ مورخوں میں ایک
"کرمانی" ہو گزرا اُس کا صحیح نام نظر انداز ہو گیا ہے. مگر اتنا یاد ہے کہ یعقوب حموی
ہمدانی اُس کی تعریف کرتے ہیں. ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تاریخ آل بویہ اور آل
سامان کی تاریخ کا ماہر تھا. محدثین میں امام ابو داؤدؒ سجستانی جو ہجری تیسری صدی میں
ہو گزرے اُن کی احادیث "سنن ابو داؤد" کا شمار مستند اور صحاح ستہ میں ہوتا
ہے. وہ ریگستانی بلوچ تھے. امام غزالیؒ کا بیان ہے جس گھر میں سنن ابو داؤد موجود
ہے وہ فقیہ کی محتاج نہیں. اُن کی کتاب دو جلدوں میں ہے اس میں ۴۸۸۵ حدیثیں
ہیں. بلوچی خواتین سے ریحانہ بنت الحسن جو فرغانہ کے ایک امیر بلوچ کی لڑکی
اور البیرونی کی ہم وطن تھی. علامہ نے اس خاتون کے لیے ایک رسالہ لکھا تھا سید
حسن برنی صاحب کتاب البیرونی میں ریحانہ سے متعلق جو کچھ فرماتے ہیں ملاحظہ

؀۱: روضۃ الصفا میر خوند محمد بن خاوند شاہ ہروی المتوفی ۹۰۳ھ جلد ۴ ص ۱۰ الویہ بہ ۱۸۳۲ء
یہ وہ زمانہ تھا کہ وسط ایشیا ہر گوشہ میں علمی مذاق پھیلا ہوا تھا.
؀۲: شعر العجم از شبلی ذکر فرخی سیستانی: فرخی کی کتاب "ترجمان البلاغتہ اس وقت نایاب
ہے چہار مقالہ نظامی سمرقندی ص ۴۶.

مضمون کی روشنائی کا اندازہ کریں۔

"خواتین اسلام کی فہرست میں ریحانہ موصوفہ کا نام بحیثیت شائق علوم ہونے کے اضافہ کئے جانے کے قابل ہے۔ بلاشبہ ریحانہ کی مثال اُس زمانے کے علمی شوق اور مسلمانوں کی تعلیمی حالت پر گہری روشنی ڈالتی ہے میں اسے محض اتفاقیہ مثال ماننے کے لیے آمادہ نہیں ہوں بلکہ مجھے یقین واثق ہے کہ چوتھی یا پانچویں صدی کے روشن علمی دور میں خواتین اسلام بھی علم کی دلدادہ تھیں اُس زمانے کے مردوں اور عورتوں کی حالت بلاشبہ ہماری موجودہ پست تعلیمی حالت سے بالکل جُداگانہ تھی، اور بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ہماری تعلیمی ترقی بجائے اس کے غیروں کی مثال کے محتاج ہو قومی روایات کی تقلید کی زیادہ محتاج ہی"۔[1]

ان سہل و آسان بیانوں کے علاوہ اگر روضۃ الصفا، میر خواند، حبیب السیر، خواند میر، کشف الظنون، حاجی خلیفہ اور جامع التواریخ، رشید الدین کے حوالے دیئے جائیں گے تو داستان بڑھ جائے گی۔ زلف یار کی جتنی بھی بڑھائی جائے گی ہر ایک تار مشکین پریشان نظر آئے گی۔ ایران کی قدیم تاریخ کا ذخیرہ کیومرث سے لے کر خسرو پرویز تک جب تاریخی سرمایہ یعقوب لیث نے ترجمے کرنے کے لے ابو منصور عبدالرزاق بن عبداللہ فرخ کو حکم دیا اور ۳۶۰ھ میں یہ عظیم الشان تاریخ ترجمہ ہوئی مترجموں کی صف میں دو بلوچ ہستیں موجود تھیں ایک۔ تاج بن

---

[1] البیرونی از سید حسن برنی بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی علیگ ص ۱۳۵ (باب ۴)

خراسان ہروی (ہراتی) اور یزدان داد شاپور سیستان۔ یہ وہ کتابیں تھیں جس سے شاہنامہ کی ابتدا ہوئی ۔۱ یہ بلوچوں کا اس زمانہ کا ادبی باب ہے کیونکہ بعد کے زمانہ میں بلوچ فارسی کو چھوڑ کر بلوچی پر مائل ہوتے ہیں۔

سلطان مسعود کا مکران فتح کرنا

۴۲۱ھ میں سلطان مسعود نے بھائیوں سے غزنی کا تخت حاصل کیا ۴۲۲ھ

خلیفہ القایم بامرللہ بغداد کا خلیفہ ہوا اُس نے دربار خلافت سے فقیہ ابوبکر بن محمد السلیمانی کو غزنی کے دربار میں روانہ کیا بقول البیرونی ان سفیروں کی کوئی وقعت نہ تھی اس زمانے میں کیچ و مکران کے عرب امیر نے جو برائے نام تھا انتقال کیا۔ اس کے دو بیٹوں ابوعساکر اور عیسیٰ کا آپس میں تنازعہ شروع ہوا سلطان مسعود اور بلوچی سرداروں نے ابوعساکر کی طرفداری کی چنانچہ عیسیٰ میدان جنگ میں مارا گیا ابوعساکر کیچ و مکران کا آخری عرب امیر تھا جس سے بہوت بلوچوں نے ریاست چھین لی ۲ سلطان مسعود نے بلوچی سرداروں کی طوائف الملوکی کو تسلیم کیا اور تمام بلوچستان قلمرو غزنی کے ماتحت ہوا جیسا کہ یاقوت حموی کا بیان ہے۔

وکان ملکہ عظیماً فیسحاً	اس کی سلطنت نہایت وسیع تھی
ملک اصبہان والرے	جس میں اصفہان، کرمان

۱۔ مذکورہ بلوچ مترجم پہلوی زبان کے ماہر تھے تفصیل کے لیے دیکھو شعر العجم جلد اول از شبلی نعمانی ص ۱۱۲، ۱۱۳۔ ابوالفرج سیستانی بھی بلوچ تھا جو سلطان ابراہیم کے دربار کا شاعر تھا یہ ملک شاہ سلجوقی کا ہمعصر تھا" دولت غزنویہ از مولوی عبدالرحمٰن ندوی ص ۲۸۰۔

۲۔ سلطان مسعود کے مکران پر حملہ کرنے کے لیے دیکھو فرشتہ جلد اول ص ۶۸۔

کرمان وسجستان و سندد غزنہ وبلاد غور والہند ا لنج	رے، سجستان، سندھ، غزنیہ غور اور ہند کا بہت سا حصہ داخل تھا۔

سلطان مسعود کے بعد بلوچوں نے سلوجوقیوں کا ساتھ دیا کیونکہ یہ ایک نئی طاقت مشرق میں پیدا ہوئی تھی۔ جو ۲۵۱ھ سے کر ۵۸۲ھ مطابق ۱۰۳۶ء سے ۱۱۸۶ء تک قائم رہی دوسری طرف غوری سازشیں کرنے لگے غزنی کے تاجدار کمزور تھے۔ مسعود ثالث نے جس طرح حسین بن سام کو غور کا حکمران کیا اسی طرح اس کے بعد اس خاندان کے فرمانروا ارسلان کو سلطان سنجر سلجوقی نے شکست دے کر خراسان کے بعد غزنی پر حملہ کر دیا بلوچ اس کے لشکر میں شریک تھے اس جنگ میں غزنی کے خزانے سلجوقیوں نے لوٹ لئے سلجوقی سلطنت کی حدیں کرمان تک تھیں۔

غور خاندان

غور کے سلاطین اپنے کو آل شنبب کہتے تھے ان کے دادا عباس نے ایران سے آکر غور میں اقتدار حاصل کیا وہ وزرات پر قابض ہوئے اس خاندان سے علاءالدین پہلا شخص تھا جس نے ۱۱۵۲ء میں غزنوی خاندان کے آخری تاجدار بھرام شاہ کو تخت سے اتار کر غزنی پر قبضہ کیا اس نے سات روز تک غزنی کی گلیوں میں قتل عام جاری رکھا اس لئے "جہاں سوز" کے لقب سے مشہور ہے[۲] ۱۱۵۶ء میں سلطان

---

(۱) یاقوت کی تمام عبارت کتاب البیرونی ص ۹۵ سے ۹۷ تک درج ہے۔
(۲) فرشتہ جلد اول ذکر علاء الدین۔ اسنے غزنہ کو جلادیا چار مقالہ از نظامی عروضی ص ۹۰ بمبئی ۱۳۰۵ھ

معز الدین بن بہاؤ الدین محمد سام شہاب الدین کے لقب سے غزنی کے تخت پر
پر بیٹھا مکران تک علاقہ غور خاندان کے قبضہ میں آگیا۔[1]

غزنوی سلطنت کے مٹنے کے انقلاب نے سندھیوں کو موقعہ دیا چنانچہ سلطان عبدالرشید کے زمانہ ۴۴۳ھ سومرہ قوم کے سردار ابن سومار نے سندھ میں ایک خود مختار سلطنت قائم کی بلوچستان میں کچھی کا علاقہ جو پہلے براہویوں کے ماتحت تھا وہ اب قلمرو سومرہ میں شامل ہوگیا۔ یہ بھی قرمطی تھے مگر فرشتہ کا بیان ہے کہ سومرہ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری کا مرید ہوکر تائب ہوکر سنی ہو گئے سومرہ کے تقریباً بیس فرمانروا ہوگزرے انہوں نے ۴۴۳ھ سے لیکر ۷۵۲ھ یعنی ۱۰۵۱ء سے لے کر ۱۳۵۱ء تک تین سو برس تک سندھ پر حکومت کی وہ برائے نام دہلی کے سلاطین کے ماتحت تھے ورنہ اندرونی طور پر وہ خود مختار حکمران تھے۔ ۵۷۸ھ میں سلطان شہاب الدین غور کے سپہ سالار ناصر الدین قباچہ نے ملتان فتح کیا ۱۰۹۱ء تک قرامطہ اور باطنیہ فرقوں کا اثر بلوچستان سندھ اور ملتان تک جاری رہا فاطمیوں کا خاتمہ شام اور مصر میں ۱۱۶۷ء میں سلطان غازی صلاح الدین ایوبیؒ نے کر دیا اور باطنی فرقہ جس کا بانی حسن بن صباح تھا ۱۰۹۱ء میں اُس کی قلعہ الموت والی حکومت ہلاکو کے ہاتھوں برباد

تھانیسر کی پہلی جنگ غور کے لشکر کو شکست

بکرما جیت سے لے کر سلطان محمود کے

[1] فرشتہ جلد اول ص ۹۴

تاریک کسی بیرونی قوم نے ہندوستان پر حملہ نہ کیا تھا براعظم ہند میں چاروں طرف راجپوتوں کی خود مختار حکومتیں تھیں مثال کے طور پر گجرات پر ولابھی راجاؤں کی حکومت تھی جن کا تخت گاہ انہلواڑہ تھا. مالوہ کے تخت گاہ اُجین پر بکرماجیت کے خاندان کے آخر والوں کی حکومت تھی. اُڑلیسہ پر کیسری راجاؤں کی حکومت تھی جن کا تخت گاہ پری تھا. دکن چالوکیہ خاندان والوں کی دو جماعتوں کی حکومتیں راجمہندی اور کلیان میں تھیں میسور پر بیلال خاندان کے راجاؤں کی حکومت تھی تیلیگانہ پر کاٹکی راجپوتوں کی حکومت تھی. تیلیگانہ اسلامی دور میں بدلکر گولکنڈہ ہوا. دیوگری میں یادور خاندان کے راجاؤں کی حکومت تھی اسی طرح بنگال پر پال سین خاندان والوں کی حکومت تھی. یہ دیوگری اسلامی سلطنت میں دولت آباد مشہور ہوا. راٹھوڑ، چوہان، توماراور بگھیلہ راجپوتوں کے مشہور زمانہ میں راجستانی قومیں اور حکومتیں تھیں مثال کے طور پر دہلی، قنوج اور اجمیر ان کے صدر مقام شہر تھے رائے پتھورائے دہلی اور اجمیر کی سلطنتوں کا مالک تھا اس نے دہلی کی حکومت اپنے بھائی کھانڈے رائے کے حوالے کی تھی جو اس کی فوج کا سپہ سالار بھی تھا۔

۵۸۶ھ ۱۱۹۰ء میں سلطان شہاب الدین نے اپنے سپہ سالار ضیاالدین تولکی کو ساتھ لے کر تھانیسر پر حملہ کیا سیالکوٹ، لاہور اور ملتان پر سلطان کا قبضہ ہو چکا تھا. ہندوستان کے ایک سو راجاؤں نے پرتھوی راج کو امداد دی راجپوتوں کے پاس دو لاکھ فوج اور تین ہزار ہاتھی تھے. اس جنگ میں غور کے لشکر نے شکست کھائی[1]

[1] از فرشتہ جلد اول ذکر جنگ تھانیسر:

تھانیسر کی دوسری جنگ بلوچوں کی شرکت راجپوتوں کو شکست

تھانیسر کی دوسری جنگ میں قدرت نے نیا پہلو بدلا چنانچہ قنوج کے راجا جےچند راٹھوڑ کی بیٹی راجکماری سنجوجو پیکر حسن تھی جس کے چشم فسون گر نے بہت سے راجکماروں کو مات کر دیا تھا وہ اندرونی طور پر پتھوی راج پر ہزار جان سے فدا تھی جب سوئمبر کی رسم قنوج کی راجدھانی میں ادا ہو رہی تھی اور تمام راجکمار موجود تھے۔ اس موقعہ پر پرتھوی راج نے زبردستی کمیتا کو گھوڑے پر سوار کر کے شہزادی کو لے کر دربار سے فرار ہو گیا۔ اس لیے چوہان اور راٹھوڑوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ اور یہ اچھا موقعہ تھا۔ سلطان نے خلج، خراسان، غور اور بلوچستان کے سرداروں کو جہاد کی دعوت دی جو سب نے منظور کی بعد اُن کے خلقیں برحمت کی بڑے سلطان کی فوج کی تعداد ۱۲۰۰۰۰ تھی جس میں ترکی، افغانی، اور بلوچ جانباز تھے اور ان کی فولادی زرہیں زیب تن تھیں پرتھوی راج نے اپنی تمام راجاؤں کو جنگ میں شامل ہونے کے لیے للکارا۔ اس کے پاس ۳۰۰۰۰۰ راجپوتوں کا جرار لشکر تھا۔ اس کے علاوہ ہاتھیوں کا زبردست لشکر تھا۔ مسلمانوں نے اپنی قرآن شریف کی قسم اٹھائی اور راجپوتوں نے گنگا کی قسم اٹھائی، ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا ۱۱۹۳ء سرسوتی ندی کے کنارے بڑی گھمسان کی جنگ لگی۔ بارہ ہزار بلوچ جن کے پاس یمن کی آبدار تلواریں تھیں انہوں نے نعرہ تکبیر بلند کر کے دشمن پر حملہ کیا اور ہاتھیوں کی صفوں کو چیر کر دشمن کے سر پر جا کر تلواریں برسائیں۔[۲]

۲۔ ابو فرشتہ جلد اول ذکر تھانیسر ص ۹۵

ہندو لشکر کا کھانڈے رائے میدان جنگ میں مارا گیا اور پرتھوی راج قید ہو گیا جس کو بعد میں سلطان نے قتل کروا دیا۔ اجمیر مسلمانوں نے فتح کیا ۱۱۹۴ء میں قنوج کے راجا جےچند نے بھی شکست کھائی اور جنگ میں مارا گیا، قنوج اور دہلی اسلامی پرچم کے تلے آچکے تھے۔ بہار اور بنگال کے دروازے اسلامی لشکر کے لیے کھل گئے۔ سلطان کو غزنی واپس جانا پڑا کیونکہ اس کے بھائی غیاث الدین نے وفات پائی جاتے وقت دہلی کا تخت اس نے اپنے وفادار غلام قطب الدین ایبک کے حوالے کیا جو تاریخوں میں "لکھ بخش" کے لقب سے مشہور ہے۔ تھانیسر کی دوسری جنگ میں خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اسلامی لشکر کو دعا دی تھی۔

۶۰۲ھ ۱۲۰۶ء میں سلطان شہاب الدین دارِ فانی کو چھوڑ کر دارِ بقا کو روانہ ہوا۔ یہ سلطان گکھڑ قوم کے ہاتھوں سے شہید ہوا اس کی وفات کے بعد افغانستان اور بلوچستان خوارزمی سلطنت کے ماتحت ہو گئے[۱]۔ اس کا تخت گاہ خوارزم (خیوا) تھا۔ یہاں سلاطین کی نسل نوشتگین گرتشا سے ہے جو دراصل غازی ملک شاہ سلجوقی کا طشت بردار تھا۔ اس کو فیاض سلطان نے خیوا کی حکومت مرحمت کی تھی ۴۹۱ھ ۱۰۹۸ء میں اس نے وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد قطب الدین خیوا کا بادشاہ ہوا۔ اس نے خراسان پر بھی قبضہ کیا ان سلاطین میں سے قطب الدین ثانی نے ۶۰۰ھ ۱۲۰۳ء میں سلطان شہاب الدین غوری کو سخت شکست دی۔ اس کے مرنے کے بعد دریائے سندھ اور مکران تک علاقہ خوارزمی جھنڈے کے تلے ہو گئے۔

مغلوں کے حملے

مغل قوم جس کو تاتاری بھی کہتے ہیں اُس نے ۶۰۳ھ ۱۲۰۶ء میں قراقرم سے چنگیز کی سرکردگی میں بیرونی دنیا پر حملے کرنے شروع کئے۔ ہزاروں آبادیاں ویران اور لاکھوں انسانی جانیں فنا ہوگئیں ۱۔ یہ مغلوں کا ظلم تھا کہ چنگیز کو مورخین "قہر خدا" کے لقب سے لکھتے ہیں اس وقت دنیا میں سلطنتیں موجود تھیں۔ دجلہ ندی سے لے کر مکران اور پنجاب تک ملک خوارزمی سلطنت کے ماتحت تھا۔ ایشیا کوچک پر سلجوقیوں کی حکومت تھی، سندھ پر سومریوں کی حکومت تھی، ملتان ایک جدا علاقہ تھا جس پر شہاب الدین کا غلام ناصرالدین قباچہ حکومت کرتا تھا۔ ہندوستان (دہلی) پر غلام خاندان والوں کی حکومت تھی۔ چین پر سنگ SUNG خاندان والوں کی حکومت تھی؛ چینی ترکستان پر یوجری خاندان کے سلاطین کی حکومت تھی۔ جن کو قطب الدین ثانی نے شکست دے کر سمرقند پر بھی قبضہ کیا تھا۔ یہ قطب الدین اپنے کو اسکندر ثانی کہلاتا تھا۔ ۶۱۸ھ ۱۲۲۱ء میں مغلوں نے بخارا کو ویران کر دیا محمد خوارزم شاہ شکست کھا کر اُسترا خان کو بھاگ گیا جہاں وہ مفلسی کی حالت میں مرا۔ یہ بڑے دبدبہ کا دلیر خوارزمی بادشاہ ہو گزرا ہے۔ بغداد کا خلیفہ ناصرالدین باللہ بھی اس کی قوت کو تسلیم کرتا تھا ۲۔ ترکستان کے بعد خراسان جو علم و ادب و فنون کا مرکز تھا، مغل کفاروں کے ہاتھوں سے برباد ہو گیا۔

---

۱ :۔ چنگیز از ہیرلڈ لیمب اُردو ترجمہ ص ۱۴۶، ۱۴۷۔

۲ :۔ جس طرح ابوالفضل بیہقی نے سلاطین غزنیہ کی تاریخ تیس جلدوں میں تیار کی اسی طرح بیرونی نے تاریخ خوارزم لکھی۔

بلوچوں کی خوارزمیوں کو مدد

سلطان محمد خوارزم شاہ کے بعد اُس کا بیٹا جلال الدین خوارزمی، ہرات، غزنی اور خراسان سے بڑا لشکر لے کر چنگیز کے مقابلہ کو روانہ ہوا. اب چونکہ خراسان ویران ہو چکا تھا. اس لیے بلوچوں نے دل کھول کر مغلوں کے طوفان کو روکنے کے لیے سلطان جلال الدین کا طرف لیا. اس لشکر میں خوارزمی، ایرانی اور بلوچ تھے. اس جنگ میں سلطان نے مغلوں سے شکست کھا کر دریائے سندھ کے پار ناصر الدین حاکم ملتان اور شمس الدین التمش دہلی کے سلطان سے امداد طلب کی مگر انہوں نے ٹال دیا. آخر مغلوں سے لڑتے اس کا صغیر شہزادہ شہید ہوا[1]. اس کے بعد جلال الدین ایران اور آذربائیجان میں چنگیز سے شکست کھا کر کردستان کو بھاگ گیا جہاں اُس نے کی ۱۲۲۱ء میں خوارزشاہی سلطنت کا خاتمہ ہوا.

مغلوں کا بلوچستان پر حملہ

بلوچوں نے اسلامی دنیا کو بچانے کے لیے خوارزم کی طرف داری کی تھی اس لئے اُن کو خمیازہ بھگتنا پڑا. ۱۲۲۲ء میں چنگیز کے بیٹوں میں سے چغتائی خان نے تمام بلوچستان کو مکران تک لوٹ کر ویران کر دیا. اس کے بعد جنوبی بلوچستان پر سلطان التمش نے قبضہ کر لیا مگر جلد دوبارہ دریائے گومل سے لے کر مکران تک مغلوں نے قبضہ کر کے قتل عام جاری کیا اور آج تک

---

[1] فرشتہ جلد دوم ص. ۵۰۴، ۵۰۵

مغلوں کے قتل و بیداد کی کہانیاں بلوچوں کو یاد ہیں۔[۱] ۶۲۴ھ ۱۲۲۷ء میں چنگیز نے وفات کی۔ اُس کے تین لڑکے تھے۔ جوجی، چغتائی، طولی۔ طولی کے تین بیٹے تھے۔ منگو، قبلائی اور ہلاکو۔ جوجی کے لڑکوں میں سے برقا پہلا چنگیز کی اولاد سے مغل تھا جس نے اسلام اختیار کیا تھا۔ اُس کی سلطنت روس کے ولگا دریا سے لے کر بحیرہ خضر تک وسیع تھی اور تخت گاہ کا نام سرائے SARAI۔ اس کا ذکر مارکوپولو مغربی سیاح نے کیا ہے۔[۲]

۲۰ محرم الحرام ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء میں ہلاکو نے بغداد پر حملہ کر کے خلیفہ المستعصم باللہ کو اس کے بھائیوں اور وزیروں سمیت شہید کر کے دارالخلافہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہوا۔ سعدی شیرازی نے زوال بغداد پر ایک پُر درد مرثیہ کہا ہے عباسی خلفاؑ نے ۵۲۴ برس حکومت کی۔ ایران، آرمینیا، بابل، عراق ہلاکو سلطنت میں شامل ہو گئے۔ مغلوں نے ایشیا کوچک، شام، مصر اور یورپ میں پولینڈ اور جرمنی تک کرۂ ارض کو لوٹ کر جلا کر برباد کر دیا بخارا، سمرقند، بلخ، نیشاپور، مرو اور عروس البلاد بغداد جو اسلامی دنیا میں علم اور فنون کے مرکز تھے۔ وہ برباد ہو گئے۔ ازاں سوائے بے شمار بزرگ اور علماؤں نے ان کفاروں کے ہاتھوں سے شہادت کا جام نوش فرمایا۔[۳] حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ نے یہ تمام چشم دیدہ حالات بیان کئے ہیں۔

[۳]: مراصد العباد از خواجہ نجم الدین کبریٰ اس بزرگ نے قونیہ تک اسلامی دنیا کے حالات
باقی اگلے صفحہ پر

بلوچوں کا سندھ میں دخل

عیسوی دسویں صدی کے آخر اور گیارھویں کے آغاز میں کرمان سے ہجرت کرکے مکران میں سکونت اختیار کی۔ اور یہی زمانہ انکی آخری ہجرت کا درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ آل بویہ کرمان کی حکومت ۴۰۳ھ ۱۰۱۲ء سے لے کر ۴۴۸ھ ۱۰۵۶ء میں ختم ہوتا ہے۔ شمس الدین اور بدرالدین بھی کرمان کے حاکم نظر آتے ہیں میر جلال خان نے مکران پہنچ کر سب سے پہلے یہاں کے عرب طاقتور امیروں اور ساحل مکران کے عربوں سے جنگ شروع کی۔ اُس کی اولاد کو ہم مکران کے جبل سیاہان کی زرخیز وادیوں میں کیچ، کلانچ، دشت، نگوار اور پنجگور میں آباد دیکھتے ہیں۔ اُن کی سیاسی ماہیت اس طرح تھی کہ وہ اس شاہراہ کے مالک تھے جو ایران اور ہندوستان کا کلیدی تجارتی راستہ تھا۔ اُن کی آبادیوں کی مختصر فہرست دے چکے ہیں۔

سلجوقیوں نے جب کرمان فتح کیا تو باقی بلوچ بھی کرمان میں تھے انکو سیستان اور مکران میں جانے کی اجازت ملی۔ پھر ان قبائل نے سلجوقیوں کی لوٹ مار میں ان کی طرف داری کی۔ میر جلال خان کی اولاد کو مکران کی وادیاں پنجگورہ، بلیدہ کیچ اور دشت زیادہ پسند تھیں کیونکہ ان وادیوں کو جنوب میں دشت ندی سیراب کرتی تھی اور شمال میں رخشان اور مشکیل آباد کرتی تھیں۔ اس لیے یہ علاقہ

نوٹ:۔ سلجوقیوں کو سلطان محمود غزنوی نے دربار جیحون سے نکل کر خراسان میں آباد کیا تھا معلوم کئے تھے۔ خاندان آل بویہ کرمان کے زمانہ میں ان کے دس ہزار خاندان خراسان سے جلاوطن ہو کر مکران میں پہنچے پھر یہاں سے ویلم اور آذربائیجان پہنچے۔ رسالہ دلگداز از عبدالحلیم شرر فروری ۱۹۱۳ء ص ۹

زیادہ زرخیز تھا۔ صلح کے وقت یہ اس علاقہ کے نخلستانوں میں بے خوف رہتے تھے اگر کسی سے جنگ کرتے تو تمام قبائل آل و اولاد سمیت جبل سیاھان کو چلے جاتے جن کی بلند چوٹیاں سطح سے سات ہزار فٹ کی بلندی پر تھیں۔ یہاں پہنچنا انہیں شاہین بچوں کا کام تھا۔ عیسوی تیرہویں صدی کے آغاز میں جب مغلوں نے بلوچستان کو تاراج کیا تب بعض بلوچی قبائل سندھ میں داخل ہوئے اور مستقل طور پر آبادیاں قائم کیں کیونکہ یہ ایک پہاڑی اور صحرائی تازہ دم قوم تھی اور اس میں سپاہیانہ اوصاف تھے اس لیے یہاں کے بڑے بڑے زمینداروں نے ان سے دوستانہ تعلقات پیدا کیئے اور سندھ میں سومریوں کی حکومت تھی۔ بلوچستان میں وہ اس انقلاب کی وجہ سے وادی حب اور مولا تک پھیل گئے۔ اور یہ تمام بیان آفیشل ریکارڈ ہیں[1]۔ اب غور کیجئے میر جلال خان کی اولاد کو مکران میں کتنی صدیاں گزارنی پڑیں۔ اور یہ امر ضروری تھا کہ ان کو مکران کے جاٹوں اور وہاں کے عربوں، سندھی وغیرہ قوموں سے ہم وطن ہو کر آخر رہنا تھا۔ بعض حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسوی ۱۲ ویں صدی میں بلوچ سندھ میں وارد ہوئے اور سومر تاجداروں نے انکو شاہی لشکر میں بھرتی کیا۔ کیونکہ یہ تاجدار دہلی کے سلاطین سے بھی لڑے تھے۔

بلوچستان پر قندھار کے مغل شہزادوں کی حکومت

مغلوں کے حملے کے بعد

بلوچستان پر جن جن مغل شہزادوں نے حکومت کی اُن کی حکومت بلوچستان پر بھی قائم رہی۔ قلات کے گرد نواح کا علاقہ براہویوں کے قبضہ میں تھا۔ کچھی کا علاقہ سندھ

کے سومریوں اور سمہ حکمرانوں کے قبضہ میں آیا. جب وہ دہلی کے سلاطین کے ماتحت ہوجاتے تھے تو یہ علاقہ بھی برائے نام دہلی کے ماتحت رہتا تھا. ورنہ عیسوی ۱۰ اردیں صدی میں اس علاقہ پر براہویوں کی حکومت تھی جیسا کہ ابن حوقل بیان دے چکا ہے. اور اُس زمانہ میں گنداواہ براہویوں کا کچھی میں صدر مقام تھا جس طرح اُن کے بلوچ بھائی جنوبی بلوچستان میں ہندوستان اور ایران کی تجارتی شاہراہ پر قابض تھے. اسی طرح براہویوں کے قبضہ میں بولان اور مولا کے سراوان جانے والے درے تھے. مگر اُن کی ریاست برائے نام تھے.

باب پنجم

۱۲۵۸ء سے لے کر ۱۵۵۵ء تک

تیمور سے لیکر ہمایوں تک

شہاب الدین غوریؒ نے دہلی کی سلطنت اپنے غلام قطب الدین ایبک کو سپرد کی اور ملتان دوسرے غلام ناصرالدین قباچہ کے حوالے کیا سندھ میں عربوں کے بعد سومرہ کی سلطنت تھی جس کی حدود دیبوی تک تھے مگر بعض سندھ کی ریاستیں جن کو تحفۃ الکرام ہفت رانہ کے نام سے لکھتا ہے۔ وہ ملتان کی حکومت کے خراج گزار تھے۔ یہ رانے نومسلم ہندو راجپوت تھے۔ صاحب تحفۃ الکرام نے اُن کے

رانوں کی قومیت اُن کی ریاستوں کے حدود اس قدر دکھائے ہیں کہ گو اس مورِّخ نے بیان کا تاریخ بلوچستان سے کوئی تعلق نہیں مگر اُن ریاستوں میں بعض کی حدِ بلوچستان سے ملتی تھی اس لئے ان کا ذکر دینا بے جا نہ ہوگا کیونکہ یہی تاریخی بیانات ہیں جن سے تاریخ بلوچستان کے گم شدہ اوراق پریشان جمع ہو سکتے ہیں۔[۲]

(۱) رانہ بہنر سعتہ راٹھوڑ ساکن دبہرہ تعلقہ دربیلہ یہ راٹھوڑ راجپوت تھے اور نومسلم تھے۔ آج سعتہ قوم سہتہ کہلاتی ہے اور دربیلہ موجودہ تعلقہ نوشہرہ فیروز میں ہے، اور یہ تمام علاقہ ساہتی کہلاتا ہے۔ ان کا پیشہ کاشت کاری تھا۔

(۲) رانہ راند سیر ولد دہما چہ کوریجہ ساکن تونک۔ نہ معلوم یہ تونک کہاں تھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روپاہ کے علاقہ میں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریاست موجودہ شکارپور اور جیکب آباد کے درمیانی علاقہ میں تھی۔

(۳) راجہ جبیر ولد چھیچہ اُس کی ریاست ہانگتارہ میں تھی نہ معلوم ہانگتارہ کہاں تھا مگر سونگی ماچھی لاڑکانہ قمبر اور نصیر آباد میں رہتے تھے۔

(۴) رانہ وکیہ ولد بنوں چنوں مقیم درہ سیوی۔ یہ چند قوم سیوی میں مقیم تھی جو علاقہ سندھ سے خارج اور بلوچی علاقہ شمار ہوتا تھا۔ یہ کاشت کار تھے۔

(۵) رانہ چنوں بن ڈہتہ چنوں ساکن بھاگ ناڑی۔ یہ کچھی میں تھے۔ اور یہ بھی بلوچی علاقہ تھا۔

(۶) رانہ جبر بن دریاہ ساکن جہم یعنی وگھیہ کوٹ یہ ریاست سندھ کے نچلے

---

[۱]: سندھ کے سات رانہ ہائے دیکھیں لب تاریخ از خان بہادر خداداد خان ص ۲۱.

[۲]: یہ تمام بیان خان خداداد خان نے اپنی تاریخ میں تحفۃ الکرام سے نقل کئے ہیں۔

حصہ تعلقہ بدین میں تھی۔

(۷) رانہ معبوہ بن اکرہ تعلقہ بھانبرہ، یہ بھانبرہ شاید منصورہ کے نزدیک موجودہ

حال تعلقہ شہدادپور میں تھا۔

اب اِن بیانات سے معلوم ہوگا کہ مغلیہ انقلاب کے زمانہ میں جن جن بلوچی اقوام نے سندھ میں جاکر سکونت اختیار کی تھی اُن کو سندھ کے ان قدیم باسندوں میں سے سونگی، ماچھیوں، چنہ، ڈیہتہ، بھانبرہ، سہتہ، جاٹ اور جاڑیجا سے تعلق ہوگا کیونکہ انہی اقوام کا نشان مل سکتا ہے۔ سومرہ قوم تخت گاہ بقول ابن بطوطا سیون موجودہ سہون تھا۔ ان کی سندھ میں مستقل حکومت تھی اور دہلی کے سلاطین کی طرف سے اُن کی دربار میں سفیر رہتا تھا جیسا کہ آجکل ہندوستان کی ریاستوں میں انگریزی ریذیڈنٹ رہتا ہے۔ کوئی کہتے ہیں عرب تھے اور کوئی اُن کو راجپوت کہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرب اور نومسلم ہندو تھے ع۱۔

اور تاریخ طاہری کا حوالہ دیتے ایلیٹ صاحب لکھتا ہے کہ اُن کا دارالحکومت الور کے قریب محمد تور تھا ع۲۔ محمد شاہ تغلق کے زمانہ تک ان میں پہلے باہمی آویزش

ع۱۔ شیخ ابن بطوطا اندلسی مشہور عرب سیاح ۷۳۴ھ میں غزنی، کشمور اور ڈیرہ غازی کے راستہ سے سندھ میں وارد ہوا اس وقت سومرہ قوم کا اونار بادشاہ تھا دیکھو عجائب الاسفار جلد ۲، ترجمہ مولانا عطاء الرحمن۔

بلوچستان کے متعلق افسوس ابن بطوطا نے بلوچستان کے متعلق کوئی بیان نہیں دیا۔

ع۲۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے کتاب عرب و ہند کے تعلقات میں ص ۲۵۸ سے بیکرہ ۲۶۲ سومری قوم کا مفصل بیان دیا ہے۔

عروج ہوئی ہے اور فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں سندھ میں ایک دوسری قوم سمہ کا عروج ہوتا ہے۔ یہ ہر دو قومیں عربی اور ہندی مخلوط نسل تھیں۔ اسی طرح مسعودی اور علامہ بشاری مقدسی کا بیان ہے کہ سندھی، عربی اور مکرانی (بلوچی) زبانیں ہندوستان کی دیگر زبانوں سے علیحدہ ہیں ناصرالدین قباچہ کا سندھ میں پایۂ تخت بھکر تھا۔

التمش کا سندھ، غزنی اور بلوچستان پر قبضہ

۱۲۰۶ء سے لے کر ۱۲۹۰ء تک دہلی پر غلام ترکی خاندان والوں کی حکومت قائم رہی اُن میں سے قطب الدین ایبک کے بعد ۱۲۱۰ء میں سلطان شمس الدین التمش دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ اُس وقت بغداد کی عباسی خلافت چراغ سحری کی مانند تھی خلیفہ بغداد نے اس کو ہندوستان کا سلطان تسلیم کیا۔ اس نے تاج الدین یلدوز سے غزنی لاہور اور ناصرالدین قباچہ سے اوچ سندھ اور کیچی تک کا ملک سر کر لیا مگر مغلوں کی غارت گری حملوں کا سلسلہ اب تک جاری تھا اس لیے شمس الدین التمش کی حکومت بلوچستان پر زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔

غیاث الدین بلبن کا زمانہ

قونیہ (ایشیا کوچک) سے لے کر دُنیائے سندھ تک جتنے بھی اسلامی ممالک تھے وہ مغلوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن ۱۲۶۶ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا تب اسلامی دنیا کے بہت سے شہزادوں نے آکر دہلی میں سلطان کے پاس پناہ گزین ہوئے۔ سلطان نے ان شہزادوں کی بڑی عزت کی اور دہلی کے شہر کے جتنے بھی محلے اور دروازے تھے اُن پر بطور یادگار کے ان کے نام رکھے۔ جیسے محلہ عباسی، محلہ سنجری، محلہ خوارزمی، محلہ دیلمی، محلہ علوی

مغلوں کا سیستان پر حملہ

یہ وہی تاتاری تھے جن کو مورخین نے مغل لکھا ہے۔ یہ دونوں نام صحیح ہیں مگر اب یہ حملہ آور قوم جس نے کچھ عرصہ پہلے بلاد اسلامیہ کو برباد اور تباہ کیا تھا اب حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ اور یہ تاریخ کا زمانہ شور و شر کا زمانہ تھا۔ ۱۲۹۷-۹۸ء میں مغلوں کا ایک جرار لشکر قتلق خواجہ ابن داؤد خان کے زیر حکم سیستان سے نکل کر وادی سندھ کا رخ کیا یہ ایک زبردست حملہ تھا۔ چنانچہ مغلیہ فوج میں دو لاکھ سوار تھے ملک نصرت خان نے سندھ کے علاقہ کو بچانے میں کمال جوہر مردانگی کا ثبوت دیا تاہم یہ فوج سندھ کی موجوں کو چیرتی ہوئی دہلی کے دروازوں تک جا پہنچی سراوان اور کچھی کے علاقے خس و خاشاک کی طرح جل گئے۔ سلطان علاؤالدین نے تین لاکھ سوار فوج اور دو ہزار ہاتھیوں سے مغلوں کا مقابلہ کیا اور مغلیہ لشکر نے سخت شکست کھائی ۱۳۰۳ء میں مغلوں نے دوبارہ طرغی خان کی سرکردگی میں دہلی پر حملہ کیا اب دوبارہ انہوں نے شکست کھائی چنانچہ سلطان نے آٹھ ہزار مغلوں کی سروں کا برج بنوایا۔ ملک نصرت نے جب وفات کی تو اس کے لڑکے غازی الملک کو سلطان نے پنجاب و ملتان کا حاکم مقرر کیا اور ملک نصر کی بہادری کے صلہ میں اُس کو سندھ بطور جاگیر میں دیدی[۱]۔ ۱۳۱۶ء میں علاؤالدین نے وفات کی اُس کی اولاد کی کمزوری کی وجہ سے ۱۳۲۰ء میں تغلق شاہی خاندان والوں کی حکومت دہلی میں قائم ہوئی۔ یہ دراصل سلطان غیاث الدین کے غلاموں میں سے تھے۔ اصل ترکی لفظ قتلغ ہے مگر ہندوستان میں زیادہ تغلق مشہور ہوا۔ غیاث الدین تغلق نے ۱۳۲۰ء میں سندھ اور ملتان کے

---

[۱] فرشتہ جلد اول ص ۹۷، لب تاریخ

سوبے کشو خان یا خسرو خان کے حوالے کئے اُس زمانے میں کبھی بالائی سندھ میں شمار ہوتا تھا اس لئے اُس کا زیادہ تعلق یا سندھ یا دہلی سے رہا ۱۳۲۵ء میں غیاث الدین کا بیٹا محمد تغلق تخت پر بیٹھا جس نے تغلق آباد کا شہر تعمیر کروایا۔

سندھ میں سندھیوں کا عروج

سمہ قوم عربی اور ہندی مخلوط قوم ہے مورخین ان کے بارے میں جدا جدا بیانات ہیں کوئی کہتا ہے کہ یہ نو مسلم راجپوت تھے تحفۃ الکرام کا فاضل مورخ ان کو جمشید کی اولاد بتاتا ہے[1] تاریخ معصومی کا مصنف بیان کرتا ہے کہ یہ کچھ سے سندھ میں وارد ہوئے تھے۔ چچ نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد بن قاسمؒ سے پہلے سندھ میں موجود تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس قوم نے سندھ کے ساحلی علاقے کو فتح کیا۔ علامہ بلاذری کی نظر میں وہ عرب ہیں اس کا بیان ہے کہ سمہ قوم کا دادا سمہ عرب کے کندہ قبیلے کا آزاد کردہ غلام تھا[2]۔ غرض کہ سومرہ اور سمہ قوم کو بعض مورخ عرب اور بعض راجپوت لکھتے ہیں یہی حال مغربی مورخین کا ہے۔ ایلیٹ اور ڈاکٹر ارنولڈ کو دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ عرب اور ہند کی آمیزش کا نتیجہ ہے۔ اور پھر لطف یہ کہ خود سمہ کہتے ہیں کہ وہ راجپوت تھے سومرہ خاندان کا آخری تاجدار حمیر سومرہ ظالم تھا ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ یہ شورش کا زمانہ تھا سندھ کے زمینداروں نے سموں کے سردار جام اُنڑ کو سندھ کا حاکم مقرر کیا۔ اس خاندان کے فرمانرواؤں نے ۷۵۲ھ مطابق ۱۳۵۱ء سے لیکر ۹۲۷ھ مطابق ۱۵۲۱ء تک

---

[1]: تحفۃ الکرام جلد ۳، ذکر سمہ جام۔

[2]: فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۵۔

بڑے دبدبہ سے حکومت کی. اُن کے جملہ ۱۸، حاکم ہوئے ان کا لقب "جام" تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کی ایک قدیم قوم تھی جن کے آگے میدٹ قوم بھی دم مار نہ سکتی تھی[1] سومرہ قوم کی طرح اس قوم کے سلاطین کبھی دہلی سے جنگ کرتے اور کبھی اس کے مطیع رہتے تھے. سندھ کا بالائی حصہ قندھار تک ان کے قبضہ میں تھا. ان کا تخت گاہ پہلے سیوہن کے نزدیک سامونگر تھا بعد میں انہوں نے ٹھٹھہ کے قریب مکلی پہاڑی پر ساموئی تعمیر کروایا تھا۔

محمد تغلق کی سلطنت میں بلوچوں کے عہدے

۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء میں جب سندھ میں انقلاب آیا اور اس کی بادشاہی بدلنے کے موقعہ پر سلطان محمد تغلق سومریوں کے خلاف بمعہ لشکر براہ سندھ دریا ٹھٹھہ پہنچا یہاں اچانک بیمار ہوا اور وفات کی. بقول فرشتہ یہ علم پرور اور فیاض تھا اُس کے دربار میں شعراٗ اور علماٗ کو بڑی عزت تھی مثلاً سعد منطقی، شاعر عبید، نجم الدین انتشار، مولانا علم الدین شیرازی کو دربار میں بڑے رتبے حاصل تھے. اس صف میں ہم کو دو بلوچ سیستانی بھی نظر آتے ہیں. قاضی اقوام الدین صدیقی اور ان کے بھتیجے شیخ موسیٰ یہ اس ہی زمانہ میں سیستان سے دہلی پہنچے اور اپنی دینی علوم کی لیاقت کی وجہ سے عہد قضاۃ کے ممتاز عہدوں پر مامور رہے[2] اور

نمبر ۱:۔ بلوچستان میں لس بیلہ کا جام اور نوانگر کے راجا صاحب کا لقب "جام" ہے.

نمبر ۲:۔ یہ تمام کیفیت فرشتہ جلد اول سے نقل کی گئی ہے.

نوٹ:۔ سمہ خاندان کا بیان سندھ کی فارسی تاریخوں کے علاوہ تاریخ فیروز شاہی طبقات ناصری اور سراج عفیف میں بھی ہے. ابن بطوطا عرب کا آخری سیاح جب سندھ میں وارد ہوا اسوقت وہاں سموں کا قبضہ

ٹھٹھہ کے دربار میں بلوچ فوجی عہدے پر ممتاز تھے جب سندھ کے عام مسلمان سومریوں کے خلاف ہوئے تو بلوچ بھی سموں کے طرفدار ہو گئے کیونکہ سلطان محمد تغلق بھی سموں کا طرف دار تھا اور انقلاب میں اس کا خاص ہاتھ تھا[۱]

سمہ اور بلوچ

سندھ کے فرمانروا جب کمزور ہوتے تھے تو دہلی کے فرمان بجالاتے تھے مگر جوں ہی کوئی کمزوری دیکھتے تو دہلی کے خلاف ہو جاتے تھے۔ ٹھٹھہ کو جام اُناڑ نے بزورِ شمشیر چھین لیا تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں سموں نے دہلی کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ اس جام کا نام مانی تھا۔ اور تاریخ فیروز شاہی میں اس کا نام بابنیہ لکھا ہوا ہے۔ اگر فرشتہ کا بیان درست ہے تو یہ جام مانی جام خیر الدین ہوگا۔ فیروز شاہی عہد کے چشم دید مورخ سراج عفیف کا بیان ہے کہ جام کی فوج میں چالیس ہزار پیادہ سپاہ اور بیس ہزار سوار تھے۔ ان پیدل اور سوار دستوں میں بعض بلوچ جاں باز تھے سلطان فیروز شاہ نے پہلی مرتبہ شکست کھائی اور سندھ چھوڑ کر گجرات چلا گیا وہاں سے دوسرے سال واپس آکر اس نے جام پر حملہ کیا اگلی طرفین میں صلح اوچ شریف کے مشہور با خدا بزرگ سید جلال الدین حسین بخاریؒ نے کرائی[۲] سید صاحب جب دربار میں وارد ہوئے تو ہر دو سلاطین نے عقیدت مندی سے خیر مقدم کیا اور صلح

ح ۱: شمس سراج عفیف ص ۲۴۰، ۲۴۱، کلکتہ

ح ۲: اس کی تمام تفصیل کے لیے دیکھو تاریخ فیروز شاہی فرشتہ جلد اول سراج عفیف اُچ ناصر الدین قباچہ کے دور میں سندھ کا پایۂ تخت تھا یہاں کے جیلانی اور بخاری سادات سے سومرہ اور سمہ فرمانرواؤں کو عقیدت تھی یہ شہر آج بھی موجود ہے مگر قدیم شہروں میں سے ہے۔

کی شرائط کا فیصلہ ہوا ۱۳۸۸ء میں فیروز شاہ نے انتقال کیا۔ اس کے بعد تخت و تاج کے پے پسماندگان میں تکرار ہوتی رہی تغلقی حکومت ٹوٹ کر پرزا پرزا ہو گئی امیر تیمور صاحب قرآن نے ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی اُجڑ گئی کچھی کا علاقہ سندھ سے وابستہ تھا جو بلوچوں نے بعد میں آکر سموں سے فتح کیا۔

امیر تیمور صاحب قرآن

چنگیز کے بعد ہلاکو کی ایران پر حکومت تھی یہ حکومت تاریخ میں زیادہ تر ایلخان حکومت کہلاتی ہے۔ اس کی حدود مشرق میں ہندوستان سے لے کر عراق اور جبل قفقار تک مغرب میں وسیع تھی اس کا تخت گاہ شہر تبریز تھا بلوچستان اس کا حصہ تھا۔ اس کے بعد امیر تیمور کا زمانہ آتا ہے۔ ایشیا کا یہ سب سے بڑا فاتح چنگیز کی ۹ ویں پشت میں برلاس خاندان میں سے تھا ۷۷۱ھ اپریل ۱۳۶۹ء میں سمر قند کے تخت پر بیٹھا تمام ترکستان اس کے جھنڈے تلے تھا۔ ایلخانی حکومت کے ٹوٹنے کے بعد خراسان دو حصوں میں بٹ گیا اُس پر دو امیر حکمرانی کرتے تھے (۱) شمالی حصہ جس کا امیر کبیر شہاب الدین تھا جس سے تاتاریوں کے زوال کے بعد اس شمالی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا تھا یہ اپنے کو امام حسنؓ کی اولاد سمجھتے تھے شہاب الدین کے پانچ بیٹے امیر الدین، واسط الدین، نصر الدین، شمس الدین اور عبدالرزاق تھے اس خاندان نے جملہ ۲۵ برس حکومت کی یہ امیر "سربدار" کا لقب رکھتے تھے۔ عبدالرزاق آخری امیر تھا جس نے امیر تیمور کی اطاعت منظور کی (۲) جنوبی حصہ کا امیر غیاث الدین اور پیر علی دو آخری امیر تھے۔ ان کا لقب "کیراتی" KERATI تھا اور ان کا تخت گاہ ہرات تھا۔

بلوچوں کی مدد سے امیر تیمور کا خراسان فتح کرنا

۱۳۸۰ء میں امیر صاحب قرآن نے اپنے بیٹے میران شاہ مرزا کو خراسان فتح کرنے کا حکم دیا سربیدار امیر نے اطاعت منظور کی باقی ہرات کے امیروں غیاث الدین اور پیر علی نے مقابلہ کیا اس دفعہ وادی ہیلمند اور سیستان کے بلوچوں نے قدیم سیاسی چال اختیار کر کے بغاوت کا علم بلند کیا اور میران شاہ کے طرف دار ہو گئے اس مہم میں دو جنگیں ہوئیں آخری جنگ کا نام جنگ قلات تھا اور یہ قلعہ نیشاپور کے شمال مشرق کی طرف ۸۰ میل پر تھا بلوچوں کی بغاوت کی وجہ سے مغلیہ فوج دریا مرغاب سے لے کر گرم سیل اور رود بار تک کامیابی سے داخل ہو کر افغانستان، سیستان، خراسان اور بلوچستان پر قبضہ کر لیا۔[1]

بلوچوں کی تیموری لشکر میں شرکت فتح دہلی

۱۳۹۳ء میں عراق ایران، دیار بکر، آذربیجان آرمینیا کو سر کر[2] امیر صاحب قرآن سمرقند میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوئے اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔ پانچ برس سمرقند کے مرغزاروں میں آرام لے کر تازہ دم ہو کر ۸۰۰ھ ۱۳۹۸ء میں بلخ سے ایک جرار لشکر لے کر ہندوستان کو روانہ ہوئے اس لشکر نے پہلی منزل میں دریا اٹک کو پار کر کے ستلج کے کنارے پر جا کر خیمے گاڑے چنگیز کے بعد امیر دوسرے نمبر کا ایشیائی فاتح ہو گزرا ہے۔ غرض تیموری برق انداز

---

[1] امیر تیمور از ہیرلڈ لیمب مترجم محمد عنایت اللہ صاحب ص ۱۹۹۔

[2] ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء میں امیر تیمور نے اصفہان اور شیراز فتح کئے جہاں مظفری امیروں کی حکومت تھی۔

شہسوار جنہوں نے ماسکو، اصفہان اور قفقاز تک برق اندازی کر کے وہاں کو پائمال کر کے چھوڑا تھا. اب ان کی آنکھوں کے سامنے ہندوستان کی دولت لوٹنا منظور تھی امیر کا پوتا پیر محمد مرزا جو اس وقت سیستان اور بلوچستان کا حاکم تھا جرار بلوچی لشکر لے کر مری پہاڑوں سے ہو کر ملتان اور اوچ پر ٹوٹ پڑا دونوں مقام سر ہوئے. سلطان محمود ثانی جو اس وقت دہلی کا بادشاہ تھا وہ خوف سے بھاگ کر گجرات گیا ترکمان اور بلوچی اُرڈو نے مل کر دہلی کو لوٹا. بعد یہ ہر دوار، متھرا کے مندروں کو لوٹتے ہوئے گنگا کا کنارہ لے کر نبدیل کھنڈ میں داخل ہوئے یہ پہلی باری تھی کہ بلوچ نے ہندوستان کے قلب و جگر تک واقفیت پیدا کی نبدیل کھنڈ میں تھوڑے دن شکار کھیلنے کے بعد ۸۰۱ھ ۱۳۹۹ء میں امیر سمرقند کو واپس ہوا ظفر نامہ مولانا شرف الدین یزدی کو اگر دیکھا جائے تو اس قسم کے منتشر شدہ بہت سے جواہر پارے مل سکتے ہیں ۸۰۷ھ ۱۷ فروری ۱۴۰۵ء میں امیر تیمور دار الفنا کو چھوڑ کر دار البقا کو راہی ہوئے. امیر تیمور کے بعد بلوچ بھکر اور ملتان تک لوٹ مار کرنے لگے.

امیر تیمور کے بعد

امیر تیمور کی آٹھ بیگمات سے چار بیٹے میران شاہ جو شرابی تھا دیار بکر، آذربائیجان اور شام اس کے قبضہ میں تھے. ۱۴۰۸ء میں قرا یوسف ترکمان کے ہاتھوں مارا گیا دوسرا غیاث الدین جہانگیر تیسرا معز الدین عمر شیخ مرزا چوتھا شاہ رخ مرزا اس کا تخت گاہ ہرات تھا. ان سب کو امیر صاحب قرآن اپنے جیتے حکومت بانٹ کر دے گیا تھا سمرقند کے تخت دلی کے لیے اپنے پوتے پیر محمد مرزا ابن جہانگیر کے لیے وصیت چھوڑ گیا کابل

افغانستان اور بلوچستان اُس کے قبضہ میں تھے مگر یہ عیاش تھا۔ ان تیموری شہزادوں کی وسط ایشیا اور خراسان پر ایک صدی تک حکومت رہی۔ وہ تخت و تاج کے لیے آپس میں اکثر لڑتے رہے۔ سلطان احمد مرزا آخری تاجدار تھا جس نے ۱۴۹۲ء میں وفات کی اس کے بعد شمال ایشیا میں ازبکوں کا طوفان اُٹھتا ہے جس کے آگے تیموری حکومتیں پامال ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ایران میں صفویہ خاندان کے فرمانروا درویشی چوغے اصفہان کے تخت پر جلوہ گر ہوتے نظر آتے ہیں سلطان حسین مرزا بائیقرا اس تیموری خاندان کا آخری نشان تھا جس کی قندھار اور ہرات پر حکومت تھی۔ امیر ذوالنون اسی شہزادہ کی طرف سے قندہار کا حاکم تھا جس نے رند و لاشاری کی جنگ میں رندوں کی طرف داری کی تھی۔ دہلی کے مغل شہنشاہ بلوچوں کی عزت کرتے تھے چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ بلوچ قوم محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اول کے زمانہ تک حکومت کے رفیق بلکہ دست بازو ہو کر رہے۔

میر عمر میرواڑی کی قلات پر حکومت

عیسوی ۱۴ ویں صدی کے آخر میں مغل شہزادوں کی حکومت کمزور ہو گئی تب میر عمر جو براہویوں کے میرواڑی خاندان میں سے تھا آگے بڑھا۔ براہوئی قوم کے ذیل کے سات فرقے مشہور ہیں۔

(۱) قمبرانی (۲) احمد زئی (۳) میروانی (۴) قلندرانی (۵) سما علانی (۶) گرگناڑی (۷) ذکر منگل۔ اگرچہ احمد زئی، قلندرانی، قمبرانی سے نکلے ہیں مگر اب علیحدہ نام سے مشہور ہیں خصوصاً خوانین قلات خاندان احمد زئی سے ہیں میرواڑی بھی قمبرانی تھے جنہوں نے رندوں سے پہلے قلات پر قبضہ کیا یہ بھی عرب النسل بلوچ تھے کیونکہ ان میں بلوچوں کی سی بادیہ نشینوں کی صفت ہے۔ یہ پہلی باری تھی

آ ابراہیم نے سراوان کا ایک حصہ قندھار سے چھین لیا کیونکہ بلوچستان کا شمالی حصہ امیر تیمور سے لے کر قندہار کا ایک جز و بن گیا تھا' شال' مستونگ اور سیوی قندھار کے ماتحت تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ رندوں کا طوفان مکران سے اُٹھتا ہے سراوان اور کچھی پر قبضہ کرکے نہ فقط میر واڑیوں سے قلات چھیننے میں کامیاب ہوتے ہیں بلکہ افغانی قوموں کو سلیمان پہاڑ کی طرف دھکیل کر وہ پنجاب تک بڑھ جاتے ہیں۔ میر واڑیوں کی روایتوں میں ہے عربستان سے نکل کر قلات کے جنوب میں مقام سوراب۔ واقعہ جھلاوان میں سکونت رکھتے تھے۔ انہوں نے پہلے جھلاوان کے جدگالوں کو کئی معرکوں میں شکست دیکر رفتہ رفتہ قلات پر قبضہ کر لیا۔[1]

مکران کے ہوت

مکران کے ہوت بلوچ زیادہ تر تمپ اور کیچ میں سکونت رکھتے تھے۔ وہ تجارت سے باخبر تھے کیچ کے کہدان آفرین قصہ سسّی پنوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بلوچ سندھ کی تخت گاہ ٹھٹھ اور گجرات تک تجارت کرتے تھے۔ ان کے قافلوں میں مشک ختن کے علاوہ خراسان کے خشک پھل بھی ہوتے تھے۔ بقول آخوند محمد صدیق کہ یہ بڑے عرصہ تک مکران پر قابض رہے بعدازاں 'ملک' بلیدی اور آخر میں یہاں گچکیوں نے اقتدار حاصل کیا۔ اور انگریزوں کے قبضہ تک نوشیروانی' بلیدی' گچگی اور بلغت آپس میں لڑتے رہے۔ رائے بہادر ہتورام نے ۱۴ صفحے سسّی اور پنوں کے بیان میں فضول گنوائے ہیں۔ مگر قصہ کو تاریخی جامہ پہناتے میں جو ہر ایک مورخ کا فرض ہوتا ہے عاجز رہا ہے البتہ انہوں نے وہ تمام بلوچی اشعار قصے کے متعلق درج کئے ہیں پھر لطف یہ کہ

[1] یادگار تاجپوشی از مولوی دین محمد صاحب "میر واڑی حکمران" ص ۱۳' ۱۴۔

ایل ڈیمس جیسے فاضل ادیب کی معروف اور ضخیم کتاب "شعرالبلوچستان" میں یہ اشعار درج نہیں کیونکہ ایل ڈیمس صاحب مغربی بلوچی اشعار سے قطعی بے خبر ہیں ان کی کتاب میں جو بھی اشعار کا ذخیرہ ہے وہ شمالی بلوچی زبان کے اشعار کا ہے سسّی پنوں کے قصے کی ماہیت اس طرح ہے کہ پنوں کیچ کے سردار عالی ہوت کا بیٹا تھا اور وہ نانیا نامی براہمن کی لڑکی سسّی پہ عاشق ہوا تھا اور اسی طرح سسّی کا جب وہ مہمان بنا تو پنوں کے حسن و جمال کو دیکھ کر اُس پہ ہزار جان سے عاشق ہوئی نجومیوں نے براہمن کو کہدیا تھا کہ اس کی لڑکی کا عقد کسی مسلمان سے ہوگا۔ اس خوف کے مارے جب وہ بچہ تھی براہمن نے اس کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں بہادیا اتفاق سے محمد نامی ایک بے اولاد دھوبی کو جو دولت مند تھا یہ صندوق ہاتھ لگا اور اُس نے بچی کی پرورش کی اور اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر اُس پر سسّی نام رکھا اس لئے سسّی کا وطن بنبھور تھا جو شاید کراچی ضلع میں تھا تحفۃ الکرام میں یہ قصہ عجیب و غریب پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے [1] تاریخ معصومی کے مصنف میر معصوم بکری نے اس قصہ کو نظم کر کے اس پر مثنوی "حسن و ناز" رکھا۔ یہ قصہ سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں مشہور ہے۔ سندھ کے نامور شاعر سید عبداللطیف بھٹائیؒ نے اس قصہ کو رومان آفرینی اور موسیقی کا جامہ پہنایا اور یہ قصہ ان کے اشعار کے رسالہ میں "سُر سسّی ابری" کے عنوان سے موجود ہے [2] پروفیسر گربخشانی صاحب نے اس قصہ کی قدامت کو راجا دلیورائے

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳، ذکر سسّی پنوں۔

[2] شاہ عبداللطیفؒ کے اشعار کا دفتر رسالہ کی صورت میں سندھی زبان میں شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ صاحب نے ۱۹۱۲ء میں تصنیف کیا جو ۱۹۲۳ء میں مطبوع کر کے اس کتب فروش شکار نے شائع کر دیا

باقی اگلے صفحہ پر

کا زمانہ قرار دیا ہے جو ایک ہندو ظالم راجا تھا اور سومریوں کے آخری تاجدار حمیر سومرہ کا ہمعصر تھا. بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دریا سندھ نے اس کے زمانہ میں الور سے رخ بدل کر موجودہ بھکر کا رخ اختیار کیا چونکہ سومریوں کی حکومت کا خاتمہ ۱۳۵۱ء میں ہوا اس لئے عیسوی ۱۴ صدی کے بیچ میں ہم کو معلوم ہو سکتا ہے مکران کے ہوتوں کی کیا حالت تھی لس بیلہ میں اب بھی وندر کے مقام پر سیہاں عاشق و معشوق دونوں کے مزار موجود ہیں. اور ریبنی کے درہ میں ایک چشمہ بھی یادگار باقی ہے.

رند بلوچوں کا قلات پر حملہ

عیسوی ۱۴ کی آخر میں مکران کے رند بلوچوں میں میر جلال خان کی اولادیں سے میر شہک نے میر عمر میرواڑی سے قلات فتح کیا. گمان غالب ہے کہ یہ عیسوی ۱۵ ویں صدی کے آغاز کا زمانہ ہو گا کیونکہ جتنے بھی مورخ ہو گزرے ہیں صحیح تاریخ اس مشہور واقعہ کی دکھانے سے عاجز ہیں اور یہی حال آفیشل ریکارڈ کا ہے[۱]. بلوچوں میں سے رند درہ بولان کے راستے سے نکل کر سیوی اور ڈھاڈر پر قابض ہو گئے اور اوران کا دوسرا فرقہ لاشاری نے درہ مولا کی راہ سے گنج آبہ (گنداوہ) پر قبضہ کیا سیوی اور قلات قندھار کے جزو تھے باقی کچھی گنداواہ پر سموں کا قبضہ تھا رندوں نے سیوی، شوران، ڈھاڈر اور گنداواہ میں نوآبادیاں قائم کیں اور قلات انہوں نے میرواڑی براہویوں سے چھین کر مند بلوچ کے حوالے کر دیا البتہ موسم گرما میں

بقیہ جملہ بعد میں پروفیسر گربخشانی صاحب ایم اے نے شرح اور معنی کے ساتھ ۱۹۲۴ء میں چار ضخیم جلدوں میں گورنمنٹ پریس کراچی سے شائع کروایا. میرے پاس دونوں موجود ہیں.

وہ مراوان کو کوچ کرتے تھے جو سرد اور خوش گوار تھا سرما میں سیوی اور گنداوہ ان کا
مسکن تھا اور یہ علاقہ اُن دنوں میں خوب زرخیز تھا۔ میر جلال خان کی پشتوں نے
مکران میں سکونت اختیار کی۔ مگر افسوس! ہے کہ رائے بہادر ہتورام کو اتنا علم نہ تھا کہ
وہ عیسوی ۱۵ ویں۔ صدی کے حالات سے پہلے بھی بلوچوں کے متعلق کچھ روشنی ڈال
سکتا۔

مکران میں بلوچوں کے ساتھ کون کونسی غیر قومیں شامل ہوئیں

رندوں کے مکران سے نکلنے کے بعد ان کے کئی فرقے مکران میں سکونت
اختیار کر بیٹھے۔ اُن کے ساتھ اور بھی یہاں دیگر غیر بلوچ اقوام آکر شامل ہوئے جن
کے متعلق مٹر ڈے۔ ڈبلیو ھگس صاحب نے ایک نقشہ دیا ہے ہم اس کو درج کرتے
ہیں تاکہ اس کلیدی مقام کی تاریخ نظر انداز نہ ہو۔

نوٹ:۔ مکران پر کئی ایک تاریخی حقائق مصنف نے انداز کئے ہیں خصوصاً
کچل جیندات کا حال۔

شمار	قوم	کیفیت
۱	ہوت	یہ بلوچ تھے اور مکران میں ان کی ریاست تھی ان سے گکوں نے بعد بلیدیوں نے ریاست چھین لی۔
۲	بلیدی	یہ قدیم بلوچ اور رند کا ایک فرقہ ہے ۱۸ ویں صدی میں پھر مکران میں ان کے اقبال کا ستارہ چمکا۔
۳	گچکی	یہ اصل میں راجپوت میں۔ ۱۷ ویں صدی میں وہ مکران

شمار	قوم	کیفیت
		میں وارد ہوئے ؎۱
۴	نوشیروانی	ان کا صدر مقام خاران ہے پنجگوار، نودشکے اور مشکے میں ان کی جائیدادیں ہیں۔
۵	میرواڑی	مشکے، اجاڑ، اور کولوہ میں ان کی آبادیاں ہیں اور دیگر مقامات پر بھی پائے جاتے ہیں۔
۶	رند	یہ اپنے کو خالص عربی النسل سمجھتے ہیں مند، تمپ، اور مغربی مکران میں رہتے ہیں۔
۷	مولائی	انکا ضلع کیچ ہے انکی تعداد تھوڑی ہے مگر عزت والی قوم ہے
۸	کلمتی	یہ عرب ہیں شام اور عمان سے آکر شام تک پھیل گئے محمود غزنوی نے ان کو سندھ سے بیدخل کر دیا۔
۹	بیزنجو	وہ کولوہ، اورناڑہ، کیچ و مکران میں رہتے ہیں۔
۱۰	کیثوارڑی	یہ اپنے کو براہوئی کہلاتے ہیں اور کیچ میں رہتے ہیں
۱۱	نوہانی	رند و لاشاری کی جنگ میں انہوں نے لاشار کا طرف لیا اور پھر سندھ سے مکران میں وارد ہوئے ؎۲

؎۱: گچکی لوگ مارسنگھ کی اولاد میں سے ہیں ۱۳۰۰ھ سنہ ۱۸۸۲ء میں انہوں نے اسلام اختیار کیا انکے نام کے ساتھ شہ شامل ہوتا ہے جس کے معنی ہیں شیخ۔

؎۲: ان مکران کی قوموں کے علاوہ اور بے شمار قومیں مکران میں آباد ہیں مثلاً دردلی، پھیہ، بند، بردی، شیخی، کوساگی دشت خانی، لاقی، بری، رمضی، کوردہ، میر، لنڈی، طوطی، بہادری، درزادہ، لنگوری، کودائی، بجودی، مہری، زگی، لوڑی، لاسی، جدگال، خوجہ، عرب وغیرہ وغیرہ

شمالی بلوچستان میں رندوں کی آبادیاں

تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ رند عیسوی ویں صدی میں مکران سے نکل کر دور دور تک آبادیاں قائم کیں اس بارے میں لانگمور تھ ڈیمس MR.L.DAMES کا بیان ہے کہ عیسوی ۱۵ ویں صدی میں رند ثاری، قورائی، جتوئی، سیوی، ڈھاڈر، کچھی، گنداواہ تک پھیل گئے، بلیدی، فرینی رانی وہ مکران میں رہ گئے: دودائی، مری، بگٹی اور مزاری شمالی بلوچستان کے سرحدی پہاڑوں میں پنجاب کے ڈیرہ جات علاقہ تک پھیل گئے۔ پنجاب کا ڈیرہ جات کا علاقہ حقیقت میں اس ہی قوم کی یادگار ہے[1] اور فاضل مورخ محمد قاسم صاحب فرشتہ اس قوم کو اپنی تاریخ میں "روہیلہ" کے نام سے بیان کرتا ہے اور روہیلہ کے معنی پہاڑی لوگ ہیں[2] کپتان بروس CAPT. BRUCE صاحب کو کافی واقفیت تھی مگر ای ڈبلیو ہگس صاحب جیسے جغرافیہ دان اپنی کتاب "بلوچستان" سے بروس صاحب کے حوالے سے لکھتا ہے کہ رندوں نے ۵۴۰ء میں قلات اور کچھی پر قبضہ کیا حقیقت میں یہ صاحب غلط ہیں کیونکہ بلوچوں کی اس ہجرت کو فتوحات کی ابھی تک کسی مورخ نے صحیح تاریخ نہیں دی نہ معلوم مسٹر بروس کس ثبوت پر مذکورہ سن بتاتا ہے۔ غرض بلوچ عظیم الشان قوم کے متعلق جو کچھ بھی بیان مل سکتا ہے وہ سراسر غلط ہے اور اس قسم کی غلطیوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کرنا بلوچوں کا فرض ہے۔ اس بارے میں ہم اپنا قصور دوسروں پر رکھ نہیں سکتے۔

۱: فرشتہ جلد ۲، ص ۲۲۵، نولکشور۔

یہ دوداالاشاری واپس اپنے وطن بلوچستان کو روانہ ہوا یہاں اس کے رند کے سردار میر شہک کی بیٹی سے شادی کی اور اس بلوچ خاتون سے اس کو ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام گورش تھا اور اس ہی کی نسل سے گورچانی مشہور ہوئے. اس کے دوسرے لڑکے کا نام ممند تھا ٹھٹھہ میں سمہ تاجدار کے دربار میں "ناظم" تھا اُس سے جو اولاد ہوئی وہ میرانی بلوچ کہلائے سہراب کا دودائی میر ممند کا لڑکا تھا جس کے تین بیٹوں نے فتح خان غازی خان، اسماعیل خان سے پنجاب میں ڈیرہ جات تعمیر کروائے وہ سب دودائی بلوچ مشہور ہوئے ہیں[1]

ملتان کے لنگاہ اور بلوچ

امیر تیمور گورگانی دہلی کو لوٹ کر جب سمرقند کو روانہ ہوا اُس وقت ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور تھا تقریباً ہندوستان میں ۲۴ ریاستیں تھیں بقول ملا عبدالقادر بدایونی صاحب کے امیر تیمور نے پنجاب کے حاکم سید خضر خان کو دہلی کا تخت سپرد کیا. سادات خاندان کے فرمانرواؤں نے ۳۶ برس تک برائے نام دہلی پر حکمرانی کی آخری فرمانروا سید علاؤالدین عالم شاہ تھا جس نے پنجاب کے صوبے بھلول خان لودی کو جو افغان تھا دہلی کا تخت سپرد کر کے گوشہ نشینی اختیار کی بھلول خان لودی ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا اور ۱۴۷۷ء تک اس نے حکومت کی. اس زمانہ میں ملتان پر ایک راجپوت نام لنگاہ نے قبضہ کیا چنانچہ قطب الدین لنگاہ پہلا حاکم تھا جس نے طوائف الملوکی کے زمانہ میں شیخ یوسف قریشی سے جو شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کا مجاور تھا ملتان کی حکومت چھین لی بقول فرشتہ یہ لنگاہ بھی افغان تھے[2] اس طوائف الملوکی کے دور میں

---

[1] ماہنامہ اخبار الحنیف جیکب آباد "بلوچستان نمبر" ذکر دودائی بلوچ ص ۳۳
[2] فرشتہ جلد ۲ ص ۵۲۱

بلوچ بھی خاموش نہ تھے چنانچہ سہراب خان دودائی کے فرزندوں میں سے میر غازیخان نے بھیرہ، چنیوٹ تک علاقہ پر قبضہ کرلیا قطب الدین کے بعد جب اس کا لڑکا شاہ حسین لنگاہ ملتان کا حاکم ہوا تو اس نے دودائی بلوچوں سے دوستی پیدا کر لی شیخ یوسف نے یہ تمام حالات بہلول خان لودی کے دربار میں پیش کئے سلطان بہلول خان نے اپنے لڑکے باربک شاہ کو اپنا سپہ سالار تاتار خان کے ساتھ ایک جرار لشکر دے کر شاہ حسین کے خلاف روانہ کیا شاہ حسین نے میر سہراب خان کو امداد کے لیے درخواست کی جس نے کچھی اور مکران سے بلوچوں کو بلوا کر اپنے لڑکوں سمیت لنگاہ کی طرف داری کی۔ دہلی کے شہزادہ اور اس کے سپہ سالار نے سخت شکست کھائی۔ اس کی امداد کے صلہ میں شاہ حسین لنگاہ نے کوٹ کروڑ اور دھن کوٹ میر سہراب خان کو بطور جاگیر کے عنایت کئے[1] اس کے علاوہ بلوچ سرداروں کو دریاء سندھ پر جاگیریں عنایت کیں اور بعض سرداروں کے لیے وظیفے مقرر کئے[2]

میر شہک کا سمہ جام سے کچھی اور سیوی فتح کرنا

رند اور لاشاری نے قلات اور سیوی ڈھاڈر اور گنداوہ میں اپنی اپنی نوآبادیاں قائم کیں مگر یہ کچھی کا علاقہ سمہ جام کا علاقہ تھا۔ اب سوال ہے کہ انہوں نے کچھی یا سیوی کو کیوں پسند کیا؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں سیوی اور کچھی کا علاقہ نہایت ہی زرخیز اور شاداب تھا خاص کر سیوی کے علاقہ میں کوٹ، چھتر اور خامن کے ضلعے نہایت ہی شاداب تھے

---

[1]: فرشتہ جلد ۲ ص ۵۲۲، ۵۲۳

[2]: تاریخ بلوچیاں از سردار غلام رسول خان قرائی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ص ۱۷

اور یہاں زردی کی زیادہ کاشت ہوتی تھی، اور گنداوہ تو زرخیزی کی وجہ سے گنج آبہ کہلاتا تھا سیوی سے لے کر یہاں تک بلوچوں نے نوآبادیاں اور قلعے تعمیر کئے تھے کچھی کے اوپر والا حصہ جو سیوی سے شروع ہو کر مشرق میں کشمور اور دیرہ جات تک تھا وہ "بارکھان" BARICAN کے نام سے مشہور تھا جام نظام الدین عرف جام نندہ نے جب اپنے علاقہ کے لیے بلوچ سردار میر شہک سے باز پرس کی کیونکہ ان دنوں رند ولاشاری میر شہک کے جھنڈے کے تلے تھے۔ میر شہک نے فیصلہ کیا کہ جام سے قطعی فیصلہ بذریعہ جنگ کیا جائے چنانچہ جام نندہ نے شکست کھائی اور کچھی کا علاقہ سیوی سے لے کر جبل سلیمان تک اور دریا حب تک تمام علاقہ فتح کیا جسمیں سیوی ڈہاڈہر، جھل، حب، پب، موہ، گاج، ناڑی، دہاری اور بھاگ میں بلوچوں نے مستقل طور پر قبضہ جمالیا[1] کچھی اور سیوی کا علاقہ گھوڑوں کی نسل کے لیے مشہور تھا۔ یہاں کے گھوڑے عراق کے تازیوں سے کم نہ تھے۔ جام نندہ نے ۹۱۴ھ ۱۵۰۸ء میں وفات کی اس تاریخ سے پتہ لگ سکتا ہے کہ جام شہک میر چاکر خان کے والد کا کونسا زمانہ تھا اس جام نے مکلی "ٹکہ لی" کو اپنا تخت گاہ بنایا تھا[2]۔

میر شہک کا انتقال

میر شہک جو رندوں کا مدبر اور سردار اعلیٰ تھا اس نے کچھی، بارکھان، اور جھل فتح کرنے کے بعد سیوی کے مقام پر صدر میں وفات کی اُسکا جنازہ اس کے فرزند رشید میر چاکر خان نے کچھی کے مقام پر سپرد خاک کیا۔ کیونکہ کچھی میدان میں مغرب کی جانب موجودہ

[2] لب تاریخ از خان بہادر خداداد خان فارسی نسخہ ص ۴۸ مطبع ریاض ہند امرتسر ۱۹۰۱ء

ریلوے سٹیشنوں بیل پٹ اور لنڈ کے درمیان پندرہ گنبد موجود ہیں جنکو علاؤالدین کے گنبد کہتے تھے ان میں سے بڑے گنبد کے نیچے جنازہ کو دفنایا گیا. اس دن سے یہ یادگاریں مٹ کر بلوچی ہو گئیں. مثال کے طور پر آج جب بلوچ ان گنبدوں کو دیکھتے ہیں تو بے ساختہ ان کی زبان سے یہ کلمات نکلتے ہیں "گنبد علاؤالدین رفت و گنبد شہک شد"[1]

بلوچی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فاتح درویش سیرت اور علم پرور تھا ان کی مجلس جو اکثر خیمہ میں برپا ہوتی تھی وہاں قرآن کے حفاظ موجود رہتے تھے. بلوچی اشعار میں زیادہ تر میر چاکر کی تعریف ہے مگر یہ مسلم الثبوت ہے کہ شہک پہلا فاتح تھا جس کا نام میر جلال خان کے بعد بڑے عرصہ کے بعد مل سکتا ہے اس کے علاوہ ان کی بزرگی کو آج بلوچوں کا ہر فرقہ تسلیم کرتا ہے. دوسرے الفاظ میں میر شہک کا زمانہ بلوچوں کے لیے فریڈرک اعظم FREDERIC THE GREAT کا زمانہ تھا جیسا کہ فریڈرک اعظم کے زمانہ میں جرمنی کی تمام ریاستوں نے پروشیا کی قیادت کو منظور کیا. اسی طرح شہک یا شہک اعظم کے زمانہ میں بلوچستان میں خواہ جتنے بھی خوانین تھے انہوں نے میر شہک کو اپنا امیر کبیر تسلیم کیا وہ تمام ہند کی سرداری کے ساتھ شامل ہو گئے. اس لئے میں اس کو پہلی بلوچ کانفیڈریسی FIRST BALUCH CONFEDERACY کہتا ہوں کیونکہ اس دور میں ہم پہلی بار بلوچی مستقل حکومت بلوچستان میں دیکھتے ہیں جو طول و عرض میں کم از کم سرادان سے لے کر دریائے حب تک اور مکران سے لے کر سلیمان جبل تک ہے حکومت

---

[1] تاریخ بلوچستان از رائے بہادر ہتو رام صاحب ص ۶۵ بلوچوں کا یہ پہلا مورخ سی. آئی. ای تھا.

ہرات کے قندھار علاقہ کا زبردست بازو بھی بلوچ توڑ لیتے ہیں مشرقی افغانستان کے
تمام درے ان پہاڑی خانہ بدوشوں کے شکار بن گئے ۔ سندھ کی سمہ حکومت موت
اور حیات کے بستر پر پہلو بدل رہی تھی اس کو شکست فاش دیکر ان کے لاشاری فرق
نے کبھی ہیں میر شہک کی بی بی وفات مصنف کی اس واقعہ سے لاعلمی ہے جب کرما
کے آشال نامی گاؤں میں میر شہک فوت ہوئے اور چاکر خان نے دستار پہنی ایک
زبردست ریاست قائم کر لی تھی سیوی میں رندوں نے رہ کر صاف صاف بتایا کہ وہ
قندھار کے ماتحت ہرگز نہ رہیں گے اُن کے سیتانی اور ہیلمندی خانہ بدوش بھائی کو
خاص خراسان کی سیاست میں حصہ تھا یہ گویا بلوچوں کا ایران کی طرف محاذ تھا
بلوچستان سے باہر ہوتوں کا افسانہ پیش تر خدمت میں پیش کر چکے ہیں حضرت واقدی
ہوتے تو نہ معلوم کیا کچھ لکھ بیٹھے سیاسی اور انقلابی سازشوں کے سراغ ان بلوچوں
کے معرفت مل سکتے ہیں کہ سندھ میں آتے ہی وہ سپاہیانہ مذاق کر کے پہلے فوجوں
پر قبضہ کیا پھر درباروں میں "میر ناظم" جیسے عہدے حاصل کرتے ہیں. دہلی کے
سلاطین سندھ کی سیاست کو بحال رکھنے کے لیے بلوچ قوم کے لیے تعاون رکھتے
ہیں. پہلے ملتان پر لوٹ مار شروع کرتے ہیں اور یہاں کے عجائب اور لطائف سے
اپنے رفیقوں کو ٹکران تک یاد فرماتے ہیں اور وقت پر ان سے فوجی امداد لیتے
ہیں ستلج کے دہانے سے کر اٹک تک فاتحانہ انداز میں داخل ہوتے ہیں اور
نئی آبادیاں پنجاب کے زرخیز علاقوں میں قائم کرتے ہیں، یہاں ایک بار جبل سلیمان
کو لپشت بنا کر ملتان کے فرمانرواؤں سے خراج اپنے بازوؤں کی طاقت اور خودداری
کی وجہ سے وصول کرتے ہیں اور بعض اگر بگڑ جاتے تھے تو پھر دہلی کے سلاطین
سے بھی دو ہاتھ آزما لیتے تھے. آج میر شہک کا زمانہ گزر چکا ہے وہ زمانہ

ہر ایک قوم پر آتا ہے اور "سنہری زمانہ" کہلاتا ہے۔ مگر اُن کی اولاد اور آثار آج موجود ہیں مثلاً قیصرانی، بوزدار، کھوسہ، لیغاری، گرچانی، مزاری اور ان میں بعض مری اور بگٹی قبیلے بھی ہیں۔ ان میں کھیتران بھی ہیں۔ ان بادیہ نشینوں کے لیے اتنا کہنا کافی ہو گا کہ آخری دور میں سندھ اور پنجاب میں انہوں نے رنجیت سنگھ اور انگریزوں کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ وادی سندھ کے بلوچوں کا ذکر ہی کیا اُن کی جامہ پوشی زیرِ نظر ہے ذرا عشق کو توانائی کی ضرورت ہے ورنہ ان کا انداز انشاء اللہ کچھ اور ہی ہو گا۔

بلوچوں کی تیس سال باہمی جنگ

بلوچستان میں بلوچوں کے مختلف فرقے تھے۔ مگر اُن سب میں کانفیڈرلیسی کے مضبوط ستون رند و لاشار تھے۔ رندوں کی تلوار خون آشام سے قندھار اور ہرات کی دیواریں کانپتی تھیں۔ سلطان حسین بائیقارا نے اپنے قندھار کے ارغون صوبے کو ہدایت کر دی تھی کہ جہاں تک ہو سکے بلوچوں سے تعاون اور دوستی پیدا کرے کیونکہ شیبانیوں کا طوفان ماوراء النھر میں بڑھ رہا تھا اسی طرح لاشاریوں کے تازیوں کے سامنے گجرات اور ملتان جولانگاہ بن چکا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ ہر ایک فرقہ کا سردار اپنے وقت کا خاقان اور کجکلاہ تھا۔ میر شہک کے مرنے کے بعد سب نے مل کر ان کے فرزند میر چاکر خان کو اپنا سردار بنایا۔ چنانچہ جتوئی اور لاشاریوں نے بھی اس کی سرداری کو تسلیم کیا قرائی کچھ تو رندوں سے شامل ہو گئے، باقی لاشار کے طرف دار تھے یہی حال ہوتوں کا تھا بلیدی عام طرح

رند کے بازو بن چکے تھے. مگر رند و لاشاری چونکہ ان میں ممتاز فرقے تھے اس لئے ان کی آپس میں رشتہ داری بھی تھی. مثلاً میر چاکر جو رند قوم کا مشاہیر اور ہیرو ہو گزرا ہے. اس کی دو بہنیں مسمات مدی اور مسمات بانڑی خاتون لاشاری شہزادگان میں سے میر عبداللہ خان اور میر حدہ خان بن بھرام خان سے منکوحہ تھیں حالانکہ لاشاریوں کا سردار اعلیٰ میر گھرام خان تھا. ان ہر دو خواتین میں سے بانڑی خاتون بہت مشہور اور معروف ہو گزری ہے. چنانچہ دہلی کی جنگ میں وہ خود بلوچی لشکر کی تنظیم کرنے پر فوجوں کے ساتھ ہمرکاب تھیں اس کی شادی کے موقعہ پر مختلف بلوچی اقوام میں سے کرد، گبول، ٹالپر، بوزدار، گاڈہی اور مری قوموں نے شہزادی کے ساتھ رہنے کا حلف اٹھایا مگر شادی کے ساتویں روز شہزادی نے اعلان کیا کہ آج سے کہ سب بلوچ اپنی رائے میں آزاد ہیں عہ

تیس برس تک وہ یہاں امن و امان میں رہے. یونان کی دو قوموں ایتھنز اور سپارٹا والوں کی طرح کچھ عرصہ سیر و شکار میں مشغول رہے رند جو پہلے سیوی، شوران اور ڈھاڈہر تک بستے تھے اب نرکھ، بارڑی، کرتہ، سنی اور شمالی کچھی تک پھیل گئے. ڈھاڈہر اور سیوی ان کے دو زبردست مضبوط قلعے تھے. یہاں

عہ: نوٹ:- ہتو رام صاحب نے بہت واقعات جن کا بلوچی قومیت سے خاص تعلق ہے انکو نظر انداز کر دیا ہے یہ وہ مصیبت ہے کہ بعض بلوچی فرقوں کی قدامت کا خود انکے مورخوں کو پتہ تک نہ لگا مثال کے طور پر کھوسہ، بوزدار، گبول یا ٹالپر قومیں ان میں سے ٹالپروں کی سندھ میں حکومت قائم رہی مگر شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ جیسا فاضل ادیب اور مورخ جب ٹالپروں کی تاریخ لکھتا ہے ان کی قدامت کو صرف ١٧ ویں صدی بتاتا ہے۔

پہلے ہی گولا قوم تھی جس نے رندوں کے اقتدار کو تسلیم کیا تھا[1] رندوں کی فوجی قوت کا اندازہ یہ تھا کہ اس کے جھنڈے کے تلے چالیس ہزار جبار فوج تھی سندھ، قندہار اصفہان اور دہلی کی درباروں میں ان کا ذکر جاری تھا۔ تیموری شہزادگان میں سے سلطان بابر بن عمر شیخ مرزا اس وقت کابل کا حکمران تھا وہ اپنے آبائی تخت سمرقند پر قبضہ کرنے کے لیے قسمت کر رہا تھا ہرات پر مرزا حسین بائیقارا کی حکومت تھی قندہار بھی اس کے قبضہ میں تھا سندھ کی سمہ حکومت بستر موت پر کروٹیں بدل رہا تھا ایران میں خواجہ صدرالدین اردبیلی کی اولاد درویشی چوغے میں صفویہ لقب سے بڑے شان و تجمل سے حکمرانی کر رہے تھے۔ اور ہندوستان میں دہلی کی حکومت کمزور ہو چکی تھی اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ افسوس! کہ اس زمانہ میں بلوچوں کی دو زبردست سرداریوں بڑی جنگ چھڑ گئی جس نے بلوچی کا نفیڈریسی (اجتماعی قوت) کے مرکز کمزور کر دیا۔ یہ جنگ کوئی سیاسی اہمیت نہ رکھتی تھی کیونکہ یہ ایک اندرونی خون ریز جنگ تھی۔ اور نہ یورپ کی تیس سالانہ جنگ تھی جو یورپ کی تاریخ میں مذہبی جنگ THE THIRTY YEARS WAR کی طرح تھی بلوچوں میں شیعہ بھی تھے سنی بھی تھے۔ مگران میں کمی نہ تھی۔ حقیقت میں اس بلوچی اندرونی جنگ پر اگر غور کیا جائے تو عرب کے جاہلیت کے زمانہ کی جنگ تھی۔ ایام جاہلیت میں عرب میں بڑی بڑی خونریز جنگیں ہوا کرتی تھیں اُن کے اسباب بھی مختصر تھے یہ بلوچی جنگ بھی اُس زمانہ کے مطابق عرب کے "حرب داحس" کی طرح تھا یہ جنگ ایام عرب میں ۵۶۸ء سے شروع ہو کر ۶۳۱ء میں ختم ہوئی اُس کے اسباب یہ

---

(۱) ان تمام بیانوں کو ڈومبکی شاعر "دفتر شعر" میں فخریہ بیان کرتا ہے۔

تھے کہ گھوڑے دوڑ میں کسی حریف نے میدان واحس نامی گھوڑے کو دبکا دیا تھا۔ اسی طرح رند و لاشاری کے گھوڑے دوڑ میں حضرت رامین لاشاری کے گھوڑے کو کسی حریف نے دبکا دیا پھر کیا تھا برق انداز خون آشام دمشقی تلواریں میانوں سے کود پڑیں اور ایام جاہلیت میں جیسے "درب بسوس" پہلے عرب کے دو ممتاز قبیلوں میں بنی بکر اور بنی تغلب والوں میں چھڑ گئی اور عرب کے تمام قبیلوں کو اس نے خاک و خون میں لپیٹ لیا۔ اس طرح بلوچی جنگ کا عرصہ کامل تیس برس تک رہا پہلے رند و لاشار کے دو ممتاز قبیلوں میں چھڑ گئی بعد میں سب قبیلے اس میں شامل ہو گئے یورپ والوں کے مزاج کی ستم ظریفی کا ماتم بھی دیکھو کہ اتنا بڑا حادثہ بلوچوں کے متعلق محض ایک بچوں کی کہانی FOLK LORE کے نام سے اہمیت رکھتا ہے۔ اصلی عبارت کا ملاحظہ فرمائیے۔

> "چودہویں اور پندرہویں کے زمانے بلوچوں کے لیے شاندار زمانہ تھے۔ ان صدیوں میں بلوچی اقوام قلات، کچھی اور پنجاب میں پھیل جاتے ہیں۔ میر چاکر رند اور گہرام لاشاری میں جنگ لگتی ہے جو ایک شاندار بلوچی کہانی (روایت) ہے" ۲

آخر کیا قصور تھا کہ یہ واقعہ افسانہ رہ گیا؟ کیا ہیتو رام صاحب اور بلوچی

۱: مسدس حالی از مولانا الطاف حسین صاحب پانی پتی ص ۲۸ یورپ میں رومن کیتھولک اور پروٹیسٹنٹوں کے درمیان ایک مذہبی جنگ لگی تھی۔ جو ۱۶۱۸ء سے لے کر ۱۶۴۸ء تک جاری رہی اور "تیس سالانہ جنگ" کہلاتی ہے۔

روایات کا مصنف مسٹر ایل ڈیمس صاحب اس واقعہ سے انکار کرتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں ان دونوں کرم فرماؤں نے احسان کر کے اُس کو تاریخی جامہ پہنایا ہے مگر چونکہ اُن کی کتابیں سطحی نظر سے بے ترتیب اور روایتوں کا انبار ہے اس لیے یورپین محققین ان کو افسانہ سمجھتے ہیں دراصل یہ بلوچوں کا کام تھا کہ ایک بلوچ کیا ثبوت دے سکتا ہے۔ اور یہ امر لازمی تھا کہ اس کام کے لیے علم تاریخ کی بڑی ضرورت تھی اس لیے یہ خدمت ناچیز کے حصہ میں آئی (۱)

تیس سالانہ جنگ کے اسباب

گوہر نامی ایک خانہ بدوش مگر دولت مند عورت اونٹھوں کی صحرا میں گلہ بانی کا پیشہ کرتی تھی اور جت قوم سے تھی جیسا اُس خاتون کا نام تھا ویسے پیکر حسن تھی۔ شاید اُس زمانہ میں صحرا سیوی کی آب و ہوا اس قدر موافق تھی کہ یہاں کی زمین ایسے گوہر پیدا کر سکے جس کے جمال میں جہاں آرائی کا آب و تاب بھی ہو رندوں کے سردار میر چاکر خان کی رعایا میں سے تھی۔

عرب کے صحرا نشین امیروں نے جب قیروان اور بربرہ کو فتح کر کے اندلس پر قبضہ کر لیا تو وہاں کے گاتھ قوم کے امیرزادیوں کے فریب حسن میں ایسے کچھ گرفتار ہوئے کہ سینکڑوں امیر ناز برداری اُٹھاتے لقمہ اجل بن گئے۔ اسی طرح بلوچ جانشیناں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے فوجی کامیابی مسلسل و متواتر فتوحات نے دنیا تمدن کے کسریٰ ایرانی اور قیاصرِ روم کے پرچموں کو سرنگوں کر دیا تھا اولاد

(۱) رائے بہادر ہتورام اور ایم ڈیمس صاحبوں نے تاریخ بلوچستان اور شعر البلوچستان میں اس کو تاریخی واقعہ قرار دیا ہے۔

قریش جن کی ہر حرکت سے مروت ٹپکتی تھی، جن کا مفتوحین سے سلوک نہایت ہی نرم تھا وہ قوم جس نے فارس، قفقاز، ماوراء النہر اور اندلس کے صحرائی زرخیز اور گل ریز اور کوہستانی علاقوں کو روند ڈالا جس نے اقوام ایشیا اور یورپ کی سیاست پراثر ڈالا جس نے اپنے بازوؤں کی قوت سے عظیم الشان سلطنتوں کو تہ و بالا کر دیا اس خاندان کی خانگی زندگی کو سرزمین بلوچستان میں ایک بادیہ نشین لڑکی کے حسن و جمال نے تلخ کر دیا شکر رنجی کے علاوہ خانوادوں میں خانہ جنگی کی مصیبت پیدا کی عرب کی سرزمین کو چھوڑے ان کو عرصہ گزر چکا تھا مگر بدویوں کی مغرورانہ خاصیت ان میں زیادہ تھی. ان کا خون ایک تھا مگر اب وہ ایک دوسرے کو ذلیل سمجھنے لگے. وہ ایک ہی قسم کا مذاق اور ایک ہی طرح کے مراسم رکھتے تھے اور ایک ہی طرح کا لباس پہنتے تھے ایک ہی خیالات رکھتے تھے اور ایک ہی زبان بولتے تھے. ایک ہی معبد میں عبادت کرتے تھے. ایک ہی علم کے نیچے لڑتے تھے. اکثر آپس میں شادیاں کرتے تھے ایک ہی طرح کی بلند نظری رکھتے تھے ایک ہی چیز کو نصب العین بناتے تھے اور اس کو حاصل کرنے میں اپنا جوش صرف کر دیتے تھے. قرآن مجید اور احادیث مصطفوی کا گہرا نقش ان کے دلوں پر قائم تھا ان کی محفلوں میں، ہجو گو شعرا کے کلام جو سراپا کفر میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے. جن کو شب زندہ دار عابدین پاک باز دیکھتے اور سنتے تھے تو کانپ اٹھتے تھے. امیر اپنی ایک پرجوش تقریر سے شجاعان اسلام کی طرح فوج کے دل بڑھاتے تھے. وہ اپنی تقریر دل میں نہایت ہی ہوشیاری سے فتح کے انعامات اور عاقبت کے وعدہ وعید مسلمانوں کو یاد دلاتے تھے اس سے پہلے فتح و نصرت اُن کی رکاب کو چومتی رہی تھی. مگر بلوچ قوم کی یہ پہلی شکست تھی کہ اس ملک بلوچستان میں آکر ان کو اٹھانی پڑی. خانہ بدوش چرواہے

اور قزاق اب ایک دوسرے پر فوج کشی کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ہوا کا رخ بدلنے سے ان میں قومی تعصب پیدا ہونے لگا۔ ایک کا فراد کے خون ریز غمزہ کی وجہ سے سرزمین بلخ آبِ خون ریزی کا تماشگاہ بننے کو تھی۔ قومی عداوت کی آگ جس کو اسلام نے دبا رکھا تھا وہ شہوت کی آگ سے سلگ اُٹھنے کو تھی جور وستم کی یاد دلوں سے مٹ چکی تھی مگر اب انتقام خیال نے ان کو بے ادب اور سفاک بنا دیا بیوی کا دربار جس نے دمشق اور قرطبہ کی یاد کو تازہ کر دکھایا تھا۔ اس وقت روشن دماغی اور عیش و عشرت کی تصویر بن چکا تھا۔ شاید کسی ملک کی تاریخ میں ایسی کینہ توزی کی مثال نہیں ملے گی جیسی کہ ان دو عربی (بلوچی) فریق میں۔ اُس کی شروعات نہایت حقیر سی بات سے ہوئی۔ جو کیفیتیں اس کے بعد گزریں عجیب متضاد سی ہیں اور اس کے جو نتائج نکلے ان کا اثر دور تک پہنچا۔ ہزار توضیع و تشریح ایک طرف اور یہ صاف مثال ایک طرف جو سرسری نگاہ سے یہ ظاہر کر دیتی ہے کہ قوم کی قوم اپنی ضد پر قائم رہتی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے لطف و آرام و فائدہ اور اپنی عاقبت کی امیدوں کو ایک پشتینی دشمنی کے تباہ کر دینے کی کوشش میں قربان کر دیتے ہیں وہ علم و ادب ملک گیری و ملک داری میں واقف ہیں اور دنیا شاہد ہے کہ اُن کی خودداری، مہمان نوازی اور امن و صلح کے فوائد سے دوسرے مستفید ہو سکے مگر ان کی پشتینی عداوت کم ہو نہ سکی۔

رند و لاشاری آپس میں رشتہ دار تھے۔ سیر و شکار تو بلوچی سرداروں کا پیشہ تھا وہ جنگ سے فارغ رہتے تو یہی مشغل ان کا تھا۔ ایک دن گھوڑے دوڑ کا دن تھا میر گہرام خان لاشاری کے لڑکے شہزادہ رامن اور رندوں میں سے میر چاکر کے بھتیجے میر ریحان میں گھوڑے دوڑ ہوئی میر رامن کی گھوڑی کا نام "مہل" تھا اور ریحان کی گھوڑی کا نام "سیاہ مزار" تھا دونوں شہسواروں نے جب

میدان میں گھوڑے دوڑا دیئے اور رامن کی گھوڑی نکل گئی تو ہجوم میں سے ایک نے دبدکا دیا اور پیچھے رہ گیا اس نے حاضرین سے انصاف کے لیے درخواست کی مگر حاضرین نے رند کی طرف داری کرتے فیصلہ دیا۔ رامن جگر خون پیتے ہوئے ہو کر گھر کو واپس لوٹا اور راستہ میں اس نے گوہر جتنی کے ایک اونٹ کے بچے کو تلوار کر دو ٹکڑے کر دیا۔ جتوں نے میر چاکر خان کی میری میں فریاد کی۔ میر چاکر نے انتقام لینے کا فیصلہ کیا۔[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ ۱۴۷۱ء میں شروع ہو کر ۱۵۱۱ء میں ختم ہوئی اور برابر اس کا عرصہ تیس برس تک جاری رہا۔ اس جنگ میں تقریباً ۲۵ جنگیں ہوئیں جن میں سے پہلی پندرہ جنگوں میں میر چاکر کا پرچم بلند رہا اور آخری جنگوں میں لاشاریوں کا پلہ بھاری رہا۔

میر چاکر کا قندھار سے مدد لینا

میر چاکر نے قندھار سے امداد لینے کے لیے ارادہ کیا۔ یہ بات تمام بلوچ سرداروں کو پسند نہ تھی کہ ترک اُن کے معاملہ میں دخل دیں رند و لاشاری میں بڑے بڑے بزرگ اب بھی موجود تھے جیسے کہ رندوں سے بیورغ جس کی زلف گرہ گیر نے کئی حسینوں کو قید کر دیا تھا۔ وہ گانے میں خوش گلو بھی تھا اس کے علاوہ اور رند مدبر جیسے کہ میر بہادر، میر بجار، میر رامن، اور میر بکر وغیرہ یہ تمام حضرات چاہتے تھے کہ صلح ہو اور بلوچ قوم خون ریزی سے بچ جائے میر ہان جو اپنے لمبے اور سیاہ بالوں سے مشہور تھا اور دلیر تھا لاشاریوں میں میر گہرام

---

[1] "دفترِ شعر" ذکر رامن و ریحان"

خان ولد نوبندغ جو نرم دل مہمان نوازی میں مشہور تھا لاشار کا مدبر تھا اور میر شہک کا معاصر اور مددگار تھا۔ میر عمر نوہانیوں کے سردار نے غصہ ہو کر اعلان کیا کہ میر چاکر اگر قندھار سے مدد لے گا تو وہ لاشاریوں کا طرف لے گا۔ اس پر رندوں میں سے ریحان اور جاڈے نے کہا کہ تلوار فیصلہ کرے گی۔ میر چاکر نے قندھار کو ایلچی روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ رند و لاشار کے مدبروں کو معلوم ہو گیا کہ جنگ کے طول کا سبب گوہر جتنی ہے جس کو دراصل میر چاکر اور میر گہرام اندرونی چاہتے تھے اس ضد کو مصیبت کو ٹلنے کے لیے تمام اقوام کے مدبروں نے فیصلہ خفیہ طور پر کیا کہ رند کے ایلچی قندھار پہنچنے سے پہلے میر بیورغ کو امیر ذوالنون والی قندھار کی خدمت میں روانہ کر دینا چاہئے کہ وہ امیر ذوالنون کو مداخلت کرنے سے منع کر دے۔[1]

قندھار میں حادثہ

میر بیورغ رند و لاشار کا ایلچی قندھار پہنچا۔ امیر ذوالنون نے اس کا خیر مقدم کیا اور محلات خاص کے ایک کونہ کا کمرہ جس کے اردگرد باغ تھا مہمانوں کو بٹھایا اور تسلی دی کہ سلطان ابوالغازی حسین مرزا نے ہرات کے دربار سے مجھے فرمان بھیجا ہے کہ جہاں تک ہو سکے بلوچوں سے دوستی پیدا کرو۔ مگر بیورغ اپنی بلوچی طبعیت کے موافق ہرات کو سونے سے پہلے گاتا تھا۔ معلوم امیر ذوالنون کی نونظر شہزادی گران ناز اس کے دام زلف میں گرفتار ہو چکی تھی۔ ایک رات کو شہزادی کو گھوڑے پر سوار کر کے ہوائیں ہوا ہو کر لغلان سے

---

[1] یہ تمام واقعات رائے بہادر ہتو رام نے نظر انداز کر دیئے ہیں مگر بلوچی اشعار میں یہ حقیقتیں وضاحت سے بیان ہیں پھر افسوس کہ لانگورتھ ڈیمس اور مسٹر ٹمیبل نے ان باتوں کو بطور افسانوں کے شائع کیا۔

نکل کر سبی پہنچا امیر ذوالنون کو جب دوسرے دن پتہ لگا اپنے سردار جوغا خان ترکمان کو بیورغ کے تعاقب کو روانہ کیا جونہی جوغا خان درہ بولان کے دھانے پر رہا تھا بیورغ نے اچانک اس پر حملہ کیا اور وہ لشکر سمیت مارا گیا. میر چاکر کا ایلچی ہرات میں پہنچ چکا تھا سلطان حسین مرزا نے اپنے امیر ذوالنون کی سفارش پر میر چاکر کو فوجی امداد دینے کا حکم دیدیا اتنے میں قاصد نے آکر خبر دی کہ جوغا خان کو لشکر سمیت بلوچوں نے روند ڈالا امیر ذوالنون موقعہ کی تاڑ میں لشکر جرار ترکوں کا لے کر روانہ ہوا. درہ بولان سے فاتحانہ نکل کر اس نے خیمے گاڑ دیے. اسی رات بیورغ اکیلا کسی ترتیب سے امیر کے خیمے کے اندر پہنچ کر پیش ہوا اور عرض کی بندہ نے شیلانی کام سرانجام دیا ہے. اب یہ تلوار موجود ہے حضور شوق انتقام کو پورا فرمائیں امیر ذوالنون نے بیورغ کو چھاتی سے لگایا اور اس کا قصور معاف فرمایا. ایک زین گھوڑا اس کو مرحمت فرمایا اور جاتے وقت فرمایا کہ "گران ناز سے کہدیں اپنی دختر کا شوہر بھی اچھا ہے" حقیقت میں بلوچ سردار اور امیر گہرے دوست تھے مگر افسوس! کہ جنگ رند و لاشار میں ترکوں نے بڑے بڑے مظالم بلوچوں پر برپا کیے.

جنگ میں لاشاریوں کی ہولناک شکست

بلوچ وقت کے سلاطین کو ہر وقت مدد دیتے تھے. اب اُن کی پہلی باری تھی کہ انہوں نے بیرونی سلاطین سے مدد طلب کی سلطان ذوالنون قندھار کا والی ارغون تھا صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ ارغون چنگیز خان کی اولاد میں سے تھے محمود غازان بن ارغون خان بن اباقان خان بن ہلاکو خان بن تولی خان بن چنگیز خان، امیر ذوالنون حسن بصری کا دادا ارغون خان

ذوالنون شاہ کے لقب سے امیر تیمور کی اولاد کی طرف سے پہلا قندہار کا امیر الامرا ہوا اور میر ذوالنون سلطان حسین مرزا بایقرہ کے شہزادہ بدیع الزمان کا اتالیق بھی تھا[1]۔ یہ رندوں کی طرف دار بن گیا۔ اس کے پاس زبردست ترکی فوج تھی لاشاریوں کی طرف نوہانیوں کے سردار عمر، ٹھٹھہ کے سمہ قوم اور پنجاب کے دودائی بلوچوں نے لیا۔ اب ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیا رن پڑا ہو گا۔

پہلے معرکے میں سات سو رندوں کے جوان لاشاریوں نے ذبح کر دیئے میر چاکر خان قید ہونے کو تھا مگر گہرام خان کے والد میر نوہبندغ نے اس کو اپنی برق رفتار گھوڑے پھول پر سوار کر کے ایک حفاظت کے مقام پہ پہنچا کر اپنی آخری وفاداری کا ثبوت دے کر شہید ہوا[2]۔ میر جان نوہبندغ، بیورغ اور کئی ممتاز بزرگ شہید ہو گئے ہیں کہ پچاس ایسے علمائے شہید ہو گئے جو قرآن کے حفاظ تھے اور وہ سب لاشاری تھے جن کی لاشوں کو بلوچوں نے کمال عزت سے ڈولیوں میں لے کر سپرد خاک کیا۔ اس دوران بیبرگ کے لڑکے امیر ہیبت خان نے میر چاکر کو تازہ دم لشکر دیا۔ جنگ نے پلٹا کھایا رند کا پلہ ایکی بھاری رہا۔ لاشاریوں کے سرداروں میر رامن کو گنداواہ چھوڑ کر بھاگنے کو کہا مگر اس نے جواب دیا۔ میر رامن کی قبر گنداواہ میں ہو کر رہے گی۔ آخر لاشاریوں نے شکست فاش کھائی۔ لاشاری اس شکست کھانے کے بعد گنداواہ کو چھوڑ کر سندھ، پنجاب اور گجرات میں جا کر سکونت اختیار کی۔ ان

نمبر۱: سلطان ابوالغازی حسین مرزا بایقرا نے ۱۴۶۸ء سے لے کر ۱۵۰۶ء تک ہرات پر حکومت کی۔

میں سے جو گاجان میں رہے۔ انہوں نے رندوں کی اطاعت منظور کی۔ میر
ناڑی کا علاقہ میر ہیبت خان کو فوجی امداد کرنے کے صلہ میں بطور انعام دیا۔
کے سردار عمر نے اس جنگ میں رندوں کے سات سو اونٹ اور آٹھ سو بھیڑ
ڈالیں۔

اُذبکوں سے جنگ اور سلطان ہرات کی شکست

آل تیمور
سلطنت

۱۵۰۰ء تک وسط ایشیا میں ختم ہو چکی۔ ان کے بعد شیبانی اُذبکوں نے سمرقند
کیا۔ اس شیبانی خاندان کا بنیاد اُذبیگ نے رکھی جس کی اسلامی اشاعت اور
سے کرغستان کے تمام اُذبک دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اُذبکوں کا بزرگ
جوجی کی اولاد میں سے تھا۔ اُذبیگ کے بعد اس کا لڑکا سلطان ابوالخیر کرغستان
کا حاکم ہوا۔ یہ اپنے وطن کا طاقتور امیر تھا۔ مگر اس خاندان میں سب سے نامور
ارشیبانی محمد خان ہو گزرا جو ابوالخیر کا پوتہ تھا۔ ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء میں اس نے
ترکستان پر قبضہ کر لیا۔ اسی امیر نے بابر کو شکست دیکر کابل بھگا دیا جہاں اس نے
علیحدہ حکومت قائم کی۔ اس حادثہ میں بابر کی بڑی ہمشیرہ خان بیگم شیبانی کے پاس
گرفتار ہو کر آئیں جن سے اس نے نکاح کیا تھا۔ سمرقند فتح کرنے کے بعد وہ طوفان
کی طرح ہرات پر حملہ آور ہوا۔ ترکستان کے جتنے بھی امیر تھے وہ اس اُذبک

۱۔ تاریخ بلوچستان از رائے بہادر ہتو رام ص ۱۹، ۲۰۔ رند و لاشار کی جنگ متعلق
خان صاحب میر مراد بخش مری نے ایک بیان اخبار بلوچستان جدید کراچی ۸ جون ۱۹۳۲ء
میں شائع کر دیا۔ میں ان سے متفق نہ ہوا کیونکہ ان کے پاس ثبوت نہ تھا۔

لوٹ مار میں اُس کے ساتھ شریک ہو گئے سلطان الغازی مرزا حسین ایک عادل، فاضل اور علم پرور فرمانروا تھا۔ چنانچہ اذبکوں کے مقابلے میں فارس، جرجان، سیستان، اور بلوچستان کے امیروں نے حاکم خراسان کا طرف لیا۔ گذشتہ جنگ لاشار و رند میں اس نے سیوی اور بلوچستان کے حاکم میر چاکر خان رند کی طرف لی تھی اس لیے بلوچوں نے ہرات کا طرف لیا ۱۵۰۶ء میں ہرات کے شمال میں سخت جنگ لگی۔ سلطان حسین نے شکست کھا کر بھاگ کر جان بچالی مگر دلشکستہ ہو کر مرا۔ امیر ذوالنون ارغون بھی جنگ کے میدان میں شہید ہوا سلطان کے لڑکوں میں عبداللہ مشہد کو بھاگ گیا شہزادہ عبدالباقی اور امیر محمد نے بنراور میں پناہ لی شہزادہ منظفر نے فاتح شیبانی خان کی اطاعت منظور کی ۵۸ سال کے اس پیر اُذبق نے شہزادہ کی منکوح بیٹی زردری سے اپنا نکاح کیا۔ باقی شہزادہ بدیع الزمان جو باپ کے جیتے بلخ کا حاکم تھا اس نے خوف سے بلوچوں کے پاس پناہ لی کچھ عرصہ کے بعد وہ تھوڑے دن ٹھٹھ کے ہمرجام کا مہمان رہا اور پھر شاہ اسماعیل صفوی کے پاس ایران چلا گیا۔ سلطان ابوالغازی حسین مرزا ایشیا کے زبردست امیروں میں سے تھا۔ اور اتنا علم پرور تھا کہ خواجہ عبداللہ مروارید مصنف "مونس الاحباب" ملا جلال الدین دوانی مصنف "اخلاق جلالی" شاعر سوہیلی اور مشہور ایرانی مصور بہزاد کو اس کے دربار میں بڑی عزت تھی[۱]۔ ہرات جو کچھ عرصہ سے براعظم ایشیا میں علوم اور فنون کا مرکز تھا۔ وہ اذبکوں کے ہاتھوں برباد ہو گیا۔

شاہ بیگ ارغون

۱۵۰۷ء میں شیبانی سلطان سے شکست کھانے

۱۔ فرشتہ جلد ۲ ص ۵۱۳ نگارستان فارسی از مولانا آزاد ذکر جامی ص ۹۳

کے بعد شہزادہ بدیع الزمان نے ذوالنون کے لڑکے شجاع بیگ کو قندھار کا والی مقرر کیا، یہ شجاع بیگ تاریخوں میں شاہ بیگ کے نام مشہور ہیں. قندھار کی فضا اس کے لیے سازگار نہ تھی کیونکہ شہزادہ بابر مرزا جو اس وقت کابل کا حاکم تھا اس کی نگاہیں قندھار پر تھیں. اس زمانہ میں سندھ میں سموں کی حکومت کمزور ہو چکی تھی سمہ سرداروں میں سے دو اشخاص بایزید اور ابراہیم جام نظام الدین سے ناراض ہو کر ملتان کے حاکم شاہ حسین لنگاہ کے دربار میں رہنے لگے جن کو ملتان کے حاکم نے شور اور رلوچ شہروں میں جاگیریں دیں[1].

سمہ خاندان کے جملہ ۱۸ فرمانروا ہو گزرے ان میں جام اُنار کے خاندان سے دس جاموں نے حکومت کی اس کے بعد ان کا دوسرا خاندان شروع ہوا جس کا پہلا حاکم جام فتح خان بن سکندر تھا. اس خاندان سے آٹھ فرمانرواؤں نے حکومت کی. جام نظام الدین شاہ لنگاہ ہمعصر تھا. گجرات کے حاکم مظفر شاہ سے ان کا رشتہ تھا اسی طرح ملتان کے حاکم کے بھی گجرات سے دوستانہ تعلق رکھتے تھے. شاہ بیگ ارغون سموں کی کم طاقت سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا کیونکہ بابر مرزا اسے اس کا خوف تھا. اس نے پہلے جام نظام الدین کے امیر بہادر خان کو شکست دے کر سولی کا قلعہ فتح کیا اور یہ قلعہ اپنے بھائی سلطان محمد کے حوالے کر کے واپس قندھار کو لوٹا[2]. یہ اس کی سندھ پر پہلی یلغار تھی[3]. جام نظام الدین نے اپنے ایک دوسرے سپہ سالار مبارک خان کو سولی قلعہ پر دوبارہ لشکر دے کر روانہ کیا اکی سلطان محمد

---

[1]: فرشتہ جلد دوم ص ۵۲۲.

[2]: فرشتہ جلد دوم ص ۵۱۱. ذکر جام نظام الدین المعروف جام نندہ

قتل ہوگیا، شاہ بیگ نے جام سے انتقام لینے کے لیے مرزا عیسیٰ ترخان کو روانہ کیا اس دوسرے حملہ میں جام کے لشکر نے شکست کھائی اور اُس کے بہت امیر قتل ہو گئے مبارک خان زخمی ہو گیا۔ اور بھکر تک سندھ کا ملک ارغوں کے قبضہ میں آگیا بھکر کے سمہ نواب قاضی قاضن نے امان طلب کی۔ شاہ بیگ نے بھکر پر اپنا نائب فاضل بیگ کوکلتاش مقرر کر کے سیوہن بھی فتح کیا اور سیوہن پر خواجہ بیگ کو نائب مقرر کیا جام نظام الدین شکست کے غم میں مر گیا۔[۱]

شاہ بیگ ارغون اور بلوچستان

شاہ بیگ ارغون کو ہر وقت بابر مرزا سے خطرہ تھا اور یہ خطرہ بڑھتا رہا شاہ بیگ نے بلوچستان اور سندھ پر قبضہ کرنا چاہا اس ارادہ سے اس نے قندھار چھوڑ کر شال (کوئٹہ) کو اپنا تخت گاہ بنایا۔ یہاں سے چند سالوں میں اس نے نواحی علاقے پر متعدد مہمیں بھیجیں ۱۵۱۱ء سے لے کر ۱۵۱۷ء تک وہ بلوچستان اپنی قسمت کو آزماتا رہا اور آخری مہم میں اس کی فوجیں زہری (جھلاوان) تک پہنچیں مگر وہ بلوچوں پر قبضہ کر نہ سکا[۲] آخر یہی فیصلہ ہوا کہ بلوچ فتوحات سندھ میں اُس کو امداد دیں۔

سندھ پر ارغونوں کا قبضہ

جام نظام الدین کے مرنے کے بعد اُس کا لڑکا جام فیروز تخت نشین ہوا اُس نے فوجوں کی کمان اپنے مشہور سپہ سالار دریا خان کے سپرد کی۔ جام فیروز کے مقابلہ میں سمہ خاندان کا ایک اور امیر جام صلاح الدین نے اپنے کو تخت کا وارث

۱: فرشتہ جلد ۲، ص ۵۱۲۔

۲: یادگار دربار تاجپوشی قلات "ارغونی دور" ص ۱۳۔

ظاہر کیا مگر وہ شکست کھا کر گجرات کو بھاگ گیا کیونکہ اُس کی چچا کی لڑکی سلطان مظفر شاہ سے بیاہی ہوئی تھی۔ گجرات کے سلطان نے اُس کو لشکر دیکر سندھ پر روانہ کیا۔ صلاح الدین نے دریا خان کو اپنا طرف دار بنا کر ٹھٹھ پر قبضہ کیا۔ مگر وہ قابض رہ نہ سکا کیونکہ دریا خان نے جام فیروز سے حلف وفاداری اُٹھایا۔ اس لیے صلاح الدین پھر ٹھٹھ کو بھاگ گیا سلطان مظفر شاہ خود فوجیں لے کر سندھ پر حملہ کیا اس لیے مجبور ہو کر جام فیروز نے شاہ بیگ سے امداد طلب کی۔ شاہ بیگ نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اپنے ایک غلام سنبل کو ترک اور بلوچی فوجیں دیکر سندھ کو روانہ کیا سیوہن کے قریب طرفین میں جنگ ہوئی۔ جام صلاح الدین اپنے لڑکے ہیبت خان سمیت مارا گیا۔ دریاہ خان جس نے سیوی کے مقام پر شاہ بیگ کو شکست دیکر اس کو روک کر بیٹھا تھا وہ ارغونوں کے ہاتھوں شہید ہوا[۱]

ٹھٹھ پر دوبارہ جام فیروز نے قبضہ کیا حقیقت میں اس وقت لکی سے لے کر بھکر تک سندھ کے حصہ پر شاہ بیگ کا قبضہ تھا اور لکی سے لے کر دریا سندھ کے دہانے تک سمہ جام کی حکومت تھی ۱۵۲۱ء میں سموں نے ناراض ہو کر جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ منگٹی کے مقام پر سخت جنگ لگی جام فیروز نے شکست کھائی اور تمام سندھ پر شاہ بیگ کا قبضہ ہو گیا۔ جام فیروز اہل وعیال سمیت گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ اور وہاں کے سلطان بہادر شاہ نے اس کو پناہ دی[۲]۔ سندھ کے علاوہ سیوی اور گنداواہ پر بھی ارغونوں کا قبضہ ہو گیا۔ قندھار اور غور پر ظہیر الدین بابر مرزا کا قبضہ ہو گیا۔ شاہ بیگ

بر[۱]۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۵۳۔

بر[۲]۔ فرشتہ جلد ۲ ص ۵۱۳۔

کو بھکر بہت پسند آیا اس نے وہاں الور کے ویران شدہ قلعہ کی انیٹوں سے موجودہ قلعہ تعمیر کروایا اور یہاں کے سادات کو اس نے لوہری (روہڑی) میں جاگیریں دیں[۱] ۹۲۸ھ ۱۵۲۲ء میں اس نے وفات کی۔ یہ شجاع اور علم دوست تھا۔ اُس کے بعد اُس کا لڑکا مرزا شاہ حسین سندھ کا حکم ہوا۔ بقول معصوم بھکری اس کی تاجپوشی کی رسم نصر پور میں ادا کی گئی اور بابر بادشاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔

بلوچوں کی مدد سے بابر کا پنجاب پر قبضہ

بابر مرزا نے قندھار پر قبضہ کیا، شال، مستونگ اور سیوی کے علاقے اُس کے قبضے میں آگئے۔ اس نے سیوی واپس بلوچوں کے حوالے کردی کیونکہ بلوچ اس وقت ٹھٹھہ، بھکر ملتان اور پنجاب تک پھیلے ہوئے تھے اور مغل شہزادے کو بلوچوں کی امداد کار تھی، رند قرائی، چناب اور راوی پر سکونت رکھتے تھے، ہوت سندھ کے نچلے حصہ میں سکونت رکھتے تھے، دودائی، بھیرہ خوشاب، جہلم اور شاہ پور اضلاع میں سکونت رکھتے تھے۔ یہ پنجاب کے بلوچ کسی حاکم کے ماتحت نہ تھے۔ البتہ شاہ حسین لنگاہ نے ان کو جاگیریں دیکر فوج میں نوکر رکھا تھا، باقی سب کا پیشہ لوٹ مار تھا[۲] سلطان محمود شاہ لنگاہ کی فوج میں ۱۸ ہزار ہزار بلوچی لشکر تھا، جس میں زیادہ تر جت، رند، قرائی، ٹالپر اور جابدیہ بلوچ تھے[۳] اس کا وزیر جام بایزید تھا۔ جو اس کا اتالیق بھی تھا، ملتان سے ایک فرسخ پر چناب

---

[۱] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۵۶۔ سادات رضوی خاندان کے تھے۔

[۲] یہ لنگاہ آج بھی بلوچستان میں موجود ہیں ان کو لانگوہ کہتے ہیں۔

[۳] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۵۸۔

ندی پر اُس کو جاگیر بھی دی تمام سلطنت کا کاروبار اُس کے قبضہ میں تھا کیونکہ سلطان محمود صغیر تھا۔[1] اس کے بعد اس کا لڑکا جام عالم خان وزیر ہوا۔ مگر باپ اور بیٹے کی سلطان محمود سے ناسازی ہوگئی اور بایزید دہلی کے سلطان اسکندر لودی کا خطبہ پڑھنے لگا سلطان سکندر نے اپنے پنجاب کے نائب دولت خان لودی کو بایزید کی مدد دینے کے لیے روانہ کیا اور ایک خلعت بایزید کے لیے بھی روانہ کی مگر چند مدبروں نے طرفین کی آپس میں صلح کروائی۔ اس کے بعد بایزید میر چاکر خان رند کے لڑکے شہیک کو ملتان آنے کی دعوت دی۔ یہاں فرشتہ کا بیان ہے کہ میر شہیک کے ذریعہ ملتان میں شیعہ مذہب کا رواج پڑ گیا۔[2] غرض ایک طرف مرزا شاہ حسین سلطان بابر کی طرف سے بھکر سے فوجیں لے کر روانہ ہوا مگر بقول فرشتہ شیخ بہاؤ الدین متولی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا اور مولانا بھلول نے بیچ میں پڑ کر معاملہ درگزر کر دیا ۹۳۱ھ میں سلطان محمود نے وفات کی اور اس کا لڑکا شاہ حسین ثانی ملتان کا حاکم ہوا سلطان بابر نے ہندوستان پر جملہ ۲۱ حملے کئے تھے۔ ۱۵۱۷ء میں سکندر لودی نے وفات کی اس کا تیسرا لڑکا ابراہیم خان نے دہلی سے آگرہ کو اپنا تخت بنایا۔ وہ عیاش تھا اور امیروں پر سختیں کرتا تھا اس لیے پنجاب کے حاکم دولت خان لودی نے علم بغاوت بلند کیا ستلج، جہلم اور راوی کے جتنے بھی بلوچ تھے۔ انہوں نے بابر کا طرف لیا۔ دوسری طرف مرزا شاہ حسین ارغون ملتان سے باہر فوجیں لے کر انتظار کر رہا تھا شاہ حسین ثانی لنگاہ کا سپہ سالار لنگر خان نے بغاوت کر کے ارغونوں کی طرف لی ۱۵۲۴ء

---

[1] ا۔ فرشتہ جلد ۲ ص ۵۲۶، ۵۲۷، ذکر سلطان محمود لنگاہ۔
[2] ا۔ فرشتہ جلد ۲ ص ۵۲۸ تاریخ بلوچیاں ص ۱۹

میں ارغونوں نے قلعہ فتح کیا۔ خود سلطان ابراہیم کے بھائی علاؤ الدین اور دولت خان لودی نے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی بابر نے سرہند کی جنگ میں لودیوں کو شکست دیکر پنجاب اور ملتان اپنے لڑکے میرزا کامران کو بطور جاگیر کے حوالے کئے اور لنگاہ خاندان کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔[1]

پانی پت کی جنگ اور بلوچ

بلوچوں کی اندرونی جنگ کے بعد میر چاکر نے پھر وطن کی حفاظت کی طرف خیال کیا ایک طرف درہ بولان سے اس تے چانڈکر سندھ کے پرگنہ پر حملے شروع کئے کیونکہ میر فاضل جوازغوں کی طرف سے اس علاقہ کا مالک تھا وہ فوت ہو چکا تھا اور ۱۵۱۱ء سے لے کر ۱۵۲۰ء تک اس نے پنجاب کے دودائی بلوچوں کو شکست دیکر اُن کو فرمانبردار بنا لیا۔

پنجاب فتح کرنے کے بعد بابر دو برس تک بلخ کی جنگوں میں مشغول رہا اس کے بعد ۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء میں اُسنے بلوچی اور افغانی لشکر ساتھ لے کر سلطان ابراہیم لودی کو پانی پت کی جنگ میں شکست دے کر دہلی کو فتح کیا۔ اس کا بہت مال غنیمت ہاتھ آیا جو اس نے بلوچ اور مغل امیروں میں بانٹ دیا۔ اس کے علاوہ سہراب خان دودائی کے لڑکوں کی حکومت کو اس نے سندھ دریا پر تسلیم کر لیا خاص کر گگرڈ کا علاقہ اس نے اسماعیل خان بلوچ کو بطور جاگیر کے مرحمت کیا بلوچوں کی آبادیاں اٹک سے بھی دور تک پھیل گئیں۔[2]

---

[1] فرشتہ جلد ۲ ص ۵۲۳۔ [2] یہ تمام بیان گزیٹیئر ریکارڈ میں درج ہے گگرڈ کا علاقہ جہلم سے لے کر اٹک کے پار تک ہے۔ دیکھو دربار اکبری از محمد حسین صاحب آزاد ص ۱۷۱۔

مرزا شاہ حسین کو بلوچوں کی امداد

شاہ حسین ارغون کے زمانے میں جام فیروز نے کچھ کے راستے پچاس ہزار لشکر لے کر سندھ پر حملہ کیا ارغون نے بلوچوں سے امداد کے لیے درخواست کی بلوچوں نے اُس کو مدد دی بڑی خونریز جنگ کے بعد جام شکست کھا کر گجرات کو بھاگ گیا اس جنگ میں بیس ہزار جام لشکر مارا گیا۔ مرزا شاہ حسین آخری ارغون تاجدار تھا

شیر شاہ سوری کا ہمایوں کو شکست دینا

۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء ظہیر الدین بابر نے وفات کی اس کے چار لڑکے تھے (۱) مرزا کامران جو باپ کے بعد پنجاب، کابل، ملتان اور قندھار کا حاکم تھا۔ مرزا عسکری، مرزا ہندال اور مرزا ہمایوں نصیر الدین جو دہلی کے تخت پر بیٹھا اس کے دوسرے بھائی ہندوستان کے دیگر صوبہ جات پر حکومت کرنے لگے۔ افغانوں کی سلطنت کا ہندوستان میں خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر بعض افغان امرا بھی موجود تھے ان کی یہی خواہش تھی کہ مغلوں کو ہندوستان سے باہر نکالا جائے ان میں سے ایک شیر شاہ تھا جس کا دادا ابراہیم خان بہلول لودی کے زمانہ میں گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا۔ اور اپنے کو غوری کہلاتا تھا۔ بابر نے جب ابراہیم لودی کو شکست دی اس وقت شیر شاہ، محمد شاہ لوہانی کی فوج میں نوکر تھا ۱۵۲۹ء میں جب بہار کے حاکم محمود کو بابر نے شکست دی تب ایک مغل امیر جنید برلاس کی معرفت بابر کی فوجوں میں شیر شاہ نوکر ہوا بابر کے مرنے کے بعد وہ بنگال اور پٹنہ کا خود مختار حاکم ہوا۔ اس نے ہمایوں پر اس وقت حملہ کیا جب وہ گجرات مہم پر تھا چنانچہ پٹنہ، چنار اور قنوج کے معرکوں میں ہمایوں شکست کھا کر بھاگ گیا۔ مرزا کامران ۱۲ ہزار فوج لے کر دہلی پر حملہ کیا اُس کی مرضی تھی کہ

خود بادشاہ بن جائے۔[۱] غرض ہمایوں دہلی اور آگرہ سے خزانے اٹھا کر لاہور پہنچا مگر کامران مرزا نے سب کچھ شیر شاہ کے حوالے کر کے کابل کو بھاگ گیا اور ۹۴۷ھ میں شیر شاہ ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

ڈیرہ جات کے بلوچوں کی ہمایوں سے ہمدردی

ہمایوں نے لاہور سے کابل جانے کا ارادہ کیا مگر مرزا کامران آنکھیں بدل چکا تھا۔ وہ پریشانی کی حالت میں ملتان کو روانہ ہوا مگر اس کے پاس خزانہ نہ تھا۔ اس موقعہ پر ڈیرہ جات کے بلوچ نہایت دوستانہ طریقے اس کے ساتھ پیش آئے۔ حالانکہ شیر شاہ کا ایک سپہ سالار خواص خان ہمایوں کا تعاقب کر رہا تھا۔ بلوچوں کے سرداروں میں سے بخشو خان بڑا جاگیر دار تھا اس نے ۱۰۰ کشتیاں اناج کی بھروا کر ہمایوں کی خدمت میں روانہ کیں۔ سلطان نے اناج اپنے لشکر کو تقسیم کر کے اُن کشتیوں کے ذریعہ دریا سندھ کو عبور کرنے میں کامیاب ہوا اور ایک شاہی خلعت، ایک علم اور ایک نقارہ اور ایک اسپ زریں بخشو خان کو مرحمت فرما کر اسے نے بلوچوں کا شکریہ ادا کیا۔[۲] غرض بلوچوں کی حفاظت میں وہ خیر و سلامتی سے بھکر کے قلعہ تک پہنچا مگر یہاں کا حاکم سلطان محمود جو مرزا شاہ حسین ارغون کی طرف سے قلعہ کا مالک تھا قلعہ کے دروازے بند کر دیئے۔ یہاں سے ہمایوں نے اپنے امیر سمندر خان کو مرزا شاہ حسین کے پاس روانہ کیا مگر وہ مکر وفریب

۱:۔ ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ۴۶،

۲:۔ ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ۵۵، ۵۶، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بخشو خان بلوچ ملتان کے گرد و نواح میں جاگیر دار تھا۔

سے بات کو ٹالتا رہا۔ اس دوران میں ہمایوں نے حمیدہ بیگم سے شادی کی جو حضرت احمد جام زندہ فیل اولیںؒ کی لڑکی تھی۔[1] مرزا ہندال بھی قندھار کو روانہ ہوگیا۔ ہمایوں نے جب سندھ میں تھا تو جیسلمیر کے راجا مالدیو نے ایک شتر بار اشرفیوں کا اس کی خدمت میں روانہ کیا۔ امرکوٹ کے رانا بادشاہ کو قلعہ میں لے آیا یہاں ماہ رجب المرجب ۹۴۹ھ ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء میں شہزادہ اکبر تولد ہوا۔ بیرم خان بھی جان بچاتا گجرات سے آکر بادشاہ کے ساتھ ملا اور یہاں سے بلوچستان کی طرف کوچ کیا۔

بلوچوں کا ہمایوں کو پناہ دینا

ہمایوں کو اپنے تمام بھائیوں پر اعتبار نہ تھا اس لئے وہ شال اور مستونگ کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں مرزا عسکری نے اس پر اچانک حملہ کیا۔ اور شہزادہ اکبر کو ساتھ اٹھا کر لے گیا اور شہزادہ کی پرورش کا کام مرزا عسکری نے اپنی بیوی سلطانہ خانم کی نگرانی میں رکھا۔ اس خاتون نے انتہائی احتیاط کے ساتھ پرورش کی دو سال کے بعد قندھار پھر ہمایوں کی حکومت میں آگیا۔[2] اتفاق سے ہمایوں شکار کرنے کو گیا تھا اس لیے بچ گیا۔ اس وقت بادشاہ کے ساتھ جو رفیق شامل تھے۔ اُن میں بیرم خان، خواجہ معظم، خواجہ نیازی، ندیم کوکہ، روشن کوکہ، حاجی محمد خان، بابا دوست بخشی، مرزا قلی بیگ چولی، حیدر محمد اختہ بیگی، شیخ یوسف چولی، ابراہیم ایشک آغا، حسن علی ایشک آغا، یعقوب قورچی، عنبر ناظر، ملک مختار تحویلدار، میر ہزار، خواجہ کیک، خواجہ غازی اور خواتین حمیدہ بانو بیگم اور حسن علی ایشک

۱: حضرت احمد جام زندہ فیلؒ کے لیے دیکھو مرآۃ الکونین از مولوی غلام نبی فردوسی ص ۲۷۱، ۲۷۲
۲: یادگار رتا جیوتی قلات ۱۹۳۲ء ”عہد مغلیہ“ ص ۱۴

بھی ہمراہ تھیں[۱]۔ بادشاہ کو بھائیوں کا خوف تھا اور بے سروسامان تھا یہاں تک کہ گھوڑے ذبح کر کے ان کے گوشت کے کباب پر گزر کرنے لگا۔ بلوچوں کے سردار لونگ خان نے شاہ کا خیر مقدم کیا۔ حالانکہ مرزا عسکری نے شال و مستونگ کے بلوچوں کو وعدہ دیا تھا کہ اگر وہ ہمایوں کو گرفتار کریں گے۔ تو اُن کو بہت انعام دیا جائے گا۔ خوش قسمتی سے حسن علی آغا کی عورت بلوچ تھی اور بلوچی زبان سے واقف تھی بلوچ سردار نے روبرو آکر بادشاہ کو تسلی دی اور مرزا کامران اور عسکری کا فرمان ان کو پیش کیے اور عرض کی اگر مرزا عسکری نے مقابلہ کیا تو بلوچ اس کا مقابلہ کریں گے بلوچوں نے ازحد بادشاہ کی خدمت کی۔ ہمایوں نے خوش ہو کر ایک بے بہا لعل، موتی اور بیش بہا تحفے بلوچی سرداروں کو تقسیم کیے[۲] اور شال و مستونگ کے علاقے لونگ خان بلوچ کو مرحمت کیے[۳]۔ یہ واقعہ ۱۵۴۵ء کا ہے۔

ہمایوں کا ایران روانہ ہونا

ہمایوں کو بلوچوں نے گرام سیل کے راستہ سے سیستان ایران پہنچایا۔ ایران کے صفویہ تاجدار تیموری خاندان کے دوست تھے۔ اور یہ دوستی امیر تیمور صاحب قرآن کے زمانے سے جاری تھی۔ صفویہ خاندان کا بزرگ شاہ صفی صحیح النسب سید تھے اور آذربائیجان کے شہر اردبیل میں گوشہ نشینی میں صبر و قناعت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اُس کے بعد اُس کا لڑکا شیخ صدرالدین سجادہ نشین ہوا۔ امیر تیمور نے روم فتح کرنے کے

---

[۱] ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم مترجم سید ابن حسن شارق بی۔ اے۔ بی ٹی ص ۶۵، ۶۷۔

[۲-۳] ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ۶۷۔

بعد اس سے ملاقات کی اور صدق و دل سے اعتقاد رکھتا تھا۔[۱] صفویہ خاندان اولاد میں سے شاہ اسماعیل بڑے رتبہ کا شہنشاہ ہو گزرا۔ اس کے مرید و عقیدت مند قزلباش کے نام سے مشہور ہوئے۔ قزلباش کے معنی سرخ ٹوپیں والے انہوں نے ایران فتح کیا اور شاہ اسمٰعیل نے تاج کیانی سر پر رکھا غرض قزلباش صفویہ خاندان کے بزرگوں سے ایسے وفادار رہے کہ شاید کسی پیغمبر کی امت نے بھی اتنی اطاعت نہ کی تھی۔ دوسری طرف شیبانی محمد خاں بھی توران میں اقبال کے تازی پر سوار تھا اس نے آل تیمور کی چھ پشتوں کی بنیاد کو اکھاڑ ڈالا تھا۔ ایران میں صفویہ ذوالفقار چمک رہی تھی صفوی شیعہ تھے اور ازبک سُنی تھے۔

محمود آباد کی جنگ

شیبانی محمد خان نے ایک کشتہ اور ایک عصا شاہ اسماعیل کی طرف روانہ کیا اور ساتھ کہلا کے بھیجا کہ تو درویش کا لڑکا ہے۔ جا کر گداگری کر و سلطنت سے تجھے کوئی تعلق نہیں میں آل چنگیز میں سے ہوں اور سلطنت کرنا میری میراث ہے۔ شاہ نے جواب میں لکھا کہ میں آل رسولؐ ہوں فقیر کو نعمت اور دنیا کی دولت دونوں کے لیے میرا حق ہے اگر سلطنت میراث ہوتی تو پیشدادیوں سے کیانیوں تک نہ پہنچتی اور چنگیز کے بعد تیرے تک پہنچتی۔ خط پر یہ مصرعہ لکھ دیا۔ ؎

عروس ملک کسے در کنار گیرد چست
کہ بوسہ بر دم شمشیر آبدار زند

اور لکھا کہ یہ تلوار علی اسد اللہ الغالب کی ہے جو میرے دادا سے مجھ کو

---

[۱] دربار اکبری از مولانا محمد حسین صاحب آزاد ص ۹۷

میراث میں ملی ہے۔ اگر تو مرد ہے تو میدان میں کھڑے ہو جاؤ دوسری باتیں خود ذوالفقار حیدر کرار آف کا فیصلہ کرے گی۔ ۹۱۶ھ میں شیبانی خان ایک لاکھ جرار تورانی فوج لیکر خراسان پر حملہ کیا مشہد مقدس کے قریب محمود آباد کے قریب سخت خونریز جنگ لگی ازبکوں نے شکست کھائی اور شیبانی محمد خان نے میدان جنگ میں شہادت کا جام نوش کیا۔ شاہ اسماعیل نے اس کا سر کاٹ کر آقا رستم مازندرانی کی طرف روانہ کیا جو شیبانی خان کی دوستی کا دم بھرتا تھا ہزاروں اُزبک قزلباشوں نے قید کئے جن میں سلطان سلطان بابر کی ہمشیرہ خانزاد بیگم بھی تھی بیگم موصوفہ سے پہلے شیبانی خان نے زبردستی نکاح کیا تھا اور بعد میں اس کو طلاق دی تھی۔ یہ خاتون سید هاری نامی ایک سید کے پاس غریبی اور پاکدامنی کی حالت میں زندگی بسر کرتی تھی۔ بابر اس زمانہ میں کابل میں تھا شاہ اسماعیل نے بیگم موصوفہ کو نہایت ہی عزت و احترام سے خلعتیں دے کر بابر کی طرف روانہ کیا۔ اس کے علاوہ شاہ نے بابر کو سمرقند فتح کرنے میں امداد بھی دی تھی مگر وہ کامیاب ہو نہ سکا۔ غرض شیخ صفی رحمۃ اللہ علیہ اور آل تیمور کے تعلقات مضبوط ہو گئے تھے اور بابر کا سفیر بھی شاہ کے دربار میں رہتا تھا۔ خود بابر عقیدت مندی کی وجہ سے قزلباشوں کا لباس پہنتا تھا۔

شاہ طہماسپ صفوی اور ہمایوں

ہمایوں کے زمانہ میں شاہ اسمٰعیل کا فرزند شاہ طہماسپ صفوی اصفہان کے تخت پر جلوہ گر تھا۔ ہمایوں جب بلوچوں کی مدد سے ایران پہنچا تو شاہ طہماسپ کے لڑکے نے جو ہرات کا والی تھا، ہمایوں کا تعظیم و تکریم سے استقبال کیا اصفہان کے دربار میں مخمل اور زربفت کا فرش بچھایا گیا اور جشن جمشید کے شکوہ سے دربار سجائی گئی۔ شاہ اور امرائے زر و جواہر ہمایوں پر نثار کئے

محفل میں موسیقی کے ایک صاحب کمال نے جب یہ غزل گایا ؎

زرنج وراحت گیتی مشو غمگین مرنجان دل
کہ آئین جہاں گاہے چنان گاہے چنین باشد

سلطان ہمایوں کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ عجیب منظر تھا، بادشاہ م
اور بادشاہ میزبان تھا۔ ہمایوں کی زبان سے یہ اشعار نکلے ؎

شاہان ہمہ سایۂ ہما میخواہند
بنگر کہ ہما آمدہ در سایۂ تو

غرض کچھ دن تک ہمایوں شاہ کے ساتھ سیر و شکار میں مشغول رہا بعد شاہ
دس ہزار قزلباش جان نثاروں کی فوج بداغ خان افشار سپہ سالار کے ماتحت م
کے راستے سے سلطان کے ہمراہ کر کے عزت و احترام سے روانہ کیا[1]۔ ہمایوں
واپسی پر جب مرزا عسکری سے قندھار فتح کیا تو ایک خط بلوچوں کے سردار میر چاکر
خان رند کو مدد کے لیے روانہ کیا۔ میر چاکر خان نے ایک جرار بلوچی لشکر لے کر مر
پہاڑوں کے راستے سے پنجاب کو روانہ ہوا ۱۵۴۷ء میں مرزا کامران نے شکست کھ
بھکر کا قلعہ میں مرزا شاہ حسین کے پاس پناہ لی۔ ہمایوں نے کابل فتح کر کے اپنے لڑکے
اکبر کو آزاد کروایا جس کی عمر بارہ برس تھی کامران نے شاہ حسین ارغون کی لڑکی چوچک بیگم سے
شادی کی لبعد میں مرزا عسکری اور کامران مکہ شریف کو روانہ ہو گئے اور مرزا ہندال جنگ
کے میدان میں مارا گیا، ہمایوں جب تک بھائیوں سے جنگ میں مشغول رہا میر چاکر خان
رند نے ڈیرہ جات کے علاقہ میں بلوچی فوج کو منظم کر رہا تھا اس کے جھنڈے تے

---

[1]: دربار اکبری از محمد حسین صاحب آزاد ص ۸۰۶، ۸۰۷

رند، جت، بلیدی، ناہڑ، تالپر، لانگاہ تھے۔

جنگ سرہند اور بلوچ

شیر شاہ نے بڑے دبدبہ اور انصاف سے حکومت کی اس کے بعد سلیم شاہ اور محمد عادل شاہ نے حکومت کی مگر وہ کمزور حکمران تھے۔ عادل شاہ کے زمانہ میں حکومت کی دوڑیں ایک ہندو وزیر ہیمو بقال کے ہاتھوں میں تھیں جو اپنے کو بکرماجیت تصور کرتا تھا عادل شاہ کے بعد اسکندر شاہ تخت پر بیٹھا تب ہمایوں کے پاس لاہور میں پندرہ ہزار افغان اور ایرانی فوج تھی[1]۔ یہاں میر چاکر خان اس کے ساتھ جرار بلوچی لشکر کے شامل ہوا۔ حقیقت میں شاہ طہماسپ صفوی نے ہمایوں پر بڑا احسان کیا تھا۔ کیونکہ یہ وہ وقت ہے کہ خود ایران کی صفویہ سلطنت خطرے میں تھی۔ ترکوں نے سلطان سلیمان اعظم کے زمانہ میں ایران پر حملے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ ان حملوں کا سلسلہ سنہ ۹۴۱ھ ۱۵۳۴ء سے لیکر سنہ ۹۶۱ھ ۱۵۵۴ء تک جاری رہا موصل بغداد عراق اور آرمینیا کے علاقہ قلمرو ایران سے جدا ہو کر ترکوں کے قبضہ میں آ گئے اس کے علاوہ عراق و عدن پر عثمانی ترکوں کے قبضہ ہونے سے ہندوستان تک ساحل ترکوں کے رحم پر منحصر تھا[2]۔ سنہ ۱۵۵۵ء سرہند کے میدان اسکندر شاہ سوری اور ہمایوں کا مقابلہ ہوا اسکندر شاہ کے اسی ہزار دلاور افغانوں کا لشکر تھا اس جنگ میں دودائی، تالپر اور بلیدیوں نے شکست کھائی۔ بقول مسٹر ایم۔ لانگورتھ ڈیمس

---

[1]:۔ اسکندر شاہ کے زمانہ میں افغان حکومت تین حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی (۱) اسکندر شاہ دہلی (۲) عادل شاہ بنگالہ (۳) ابراہیم شاہ سنبھل؛ تاریخ ہندوستان ای ڈبلیو تھامپسن ص ۴۶۲ھ

[2]:۔ دیکھو تاریخ دولت عثمانیہ جلد اول از محمد عزیز ایم اے ص - ۱۹۸ - ۱۹۹

صاحب کہ میر چاکر خان کی ہمشیرہ بانڑی بیگم نے بلوچوں کو سمجھایا۔ میر چاکر نے عام
کا حکم دیا اور بلوچوں کو فرمایا کہ اگر تم نے شکست کھائی تو کون سا منہ لے کر وطن
لوٹیں گے۔ بلوچوں نے عام حملہ کر دیا ان کے گھوڑے بالکل کمزور اور لاغر نظر آتے
تھے مگر ازحد جفاکش اور دلیر تھے۔ سات ہزار افغان دہلی کی دیواروں کے نیچے
بلوچوں نے قتل کر ڈالے افغانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اسکندر سوری ہمالیہ پہاڑ
کو بھاگ گیا۔ دہلی اور آگرہ پر ہمایوں کا قبضہ ہو گیا۔[۱]

بلوچی سرداروں میں سے شہزاد نوحنخ، عالی اور ریلش میر چاکر خان کے ہمرکاب
تھے۔ ان میں میر عالی بلیدیوں کا سردار تھا رندوں کے فقط تین سو جوانوں نے
شہادت کا جام نوش کیا مگر بلیدی زیادہ شہید ہوئے۔ یہ تمام بلوچی بہادری کے بیان
میر بجار ولد فیروز شاہ نے اشعار میں دیئے ہیں مگر افسوس! مغربیوں نے ان
کو افسانہ لکھا ہے[۲]۔ ہمایوں میر چاکر خان کو بادشاہ کا لقب مرحمت کر کے پنجاب
کے علاقہ دوآبہ باری میں جاگیریں دیں اور ٹالپروں کو کوہ سلیمان کے دامن میں
جاگیریں دیں[۳]۔ اس فتوحات کے بعد میر چاکر خان پنجاب کے زرخیز علاقہ میں
سکونت اختیار کی اور یہ جاگیر "ست گھرا" کے نام سے ضلع مانٹگمری (ساہیوال)
میں تھی اس کو ست گھرا اس لئے کہتے تھے کہ یہاں پانچ نوآبادیاں میر چاکر خان

۱۔ مسٹر بروس اس بات کی تصدیق دیتا ہے۔

کے لڑکوں نے آباد کیں ان کے نام یہ ہیں میر شہزاد، میر اللہ داد، میر داد، میر باگر خان اور میر نوح. ایک گھر یا ڈیرہ اُن کی ہمشیرہ بانڑی بیگم کا تھا اور ایک ڈیرہ خاص میر چاکر خان کا تھا۔ ست گھرا کا گاؤں اب بھی موجود ہے[1] میر چاکر بلوچوں کا مشاہیر ہو گزرا ہے. اُس کی دو یادگاریں اب بھی بلوچستان میں موجود ہیں ایک سیوی کا قلعہ اور دوسری پہاڑ میں ایک شاخ "چاکر تھنک" کہلاتا ہے۔ پنجاب میں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے بلوچ ڈیرہ جات، لاہور، بہاولپور، مظفر گڑھ تک نوآبادیاں قائم رہیں اور آج بھی ان کی نوآبادیاں اور سرداریاں وہاں ہیں۔

بلوچی بیانات مطابق میر چاکر کا مزار اب بھی ست گھرا میں موجود ہے۔

بلوچی تہذیب پر ایک نظر

بلوچ جب مکران کو چھوڑ کر سیوی اور گنداواہ میں نوآبادیاں قائم کیں اس زمانہ کی تہذیب کا پتہ اُن کے اشعار سے مل سکتا ہے. اور ان کی تہذیب خالص عرب کی بدویانہ تہذیب تھی. انہوں نے شہر بسائے اور قلعہ تعمیر کیا. اور یہاں جتنی بھی پہلے قومیں آباد تھیں جن کے مختلف فرقے تھے اُن کو انہوں نے اپنا غلام بنایا. وہ ان کے لیے کھیتی کرتے اور ان کے مال مویشی چراتے تھے. ان کے پاس بہترین دولت مویشی تھا. چنانچہ میر شہیک جب سیوی پہنچا تو اس کے پاس نو ہزار گھوڑے تھے اور بھیڑ، بکری اور دنبوں کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا. ان کی مستورات قلعوں میں رہتی تھیں اور وہ خود تنبو میں رہتے تھے. اور یہاں اُن کی کچہریاں لگتی تھیں. اُن کے فرش قالین سے رنگین تھے. اُن کے ہاں بالشت اور بستروں کی

---

[1]: تاریخ بلوچستان از رائے بہادر ہتو رام ص ۲۰، رائے بہادر نے شہزاد کو شہداد لکھا ہے۔

چادروں کا رواج تھا۔ یہ تمام سامان ایران سے منگواتے تھے۔ اُن کے برتن زیادہ تر پیتل اور جست کے ہوتے تھے کیونکہ ان دنوں میں مکران برتنوں کی صنعت کاری کی وجہ سے مشہور تھا۔ امیروں کے پاس سونے اور چاندی کے ظروف بھی تھے ان کے جدا جدا فرقے اور جدا جدا سرداریاں تھیں مگر وہ سب کے سب رند کی سرداری کے ماتحت تھے۔ اور وہ وقت جنگ وہ سردار بمعہ لشکر کے آخر جمع ہوتے تھے۔ اُن کے پاؤں میں چمڑے کے لمبے بوٹ، بدن پر زرہ بکتر اور سر پہ فولادی نوک دار ٹوپئی پہنتے تھے۔ اُن کے ہتھیار فولادی چمکتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کے زینوں پر پیتل کا عمدہ کام ہوتا تھا۔ ان کے کمر بند اور چمڑے کا سامان خوشبودار چمڑے کا ہوتا تھا جس پر سبز مخمل پر زردوزی کام ہوتا تھا اور یہ چمڑے کا سامان ہرات و شیراز سے منگواتے تھے۔ ان کے پاس تیر و کمان، نیزے اور دودھاری تلواریں جنگ کے میدان میں ہوا کرتی تھیں اور یہ تلواریں زیادہ تر دمشق، قاہرہ اور یمن کی ہوتی تھیں اور اسلحے کی تجارت زیادہ تر مسقط والوں کے ہاتھوں میں تھی شہسواری میں وہ کمال چست و چالاک تھے وہ باری باری حملہ کرتے تھے جب کامیاب نہ ہوتے تو ایک دم حملہ کر کے دشمن کو پریشان کرتے تھے جیسے کہ سرہند اور پانی پت کے میدانوں میں انہوں نے کر دکھایا۔ ان کے گھوڑے تو ایک دم حملہ کر کے دشمن کو پریشان کرتے تھے مگر وہ جفاکش اور تیز رفتار ہوتے تھے ان کے گھوڑوں کو نال لگے ہوئے ہوتے تھے۔ اور نال بندی کا ان میں رواج تھا جب جنگ سے فارغ ہوتے تھے تو وہ بے کار نہیں بیٹھتے تھے مگر سیر شکار اور گھوڑے دوڑ میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے پاس گینڈے کے چمڑے

کی ڈھالیں بھی تھیں. جنگ کے میدان میں ان کے ساتھ قرآن کے قاری ہوتے تھے جو قرآن کی آیتیں پڑھتے تھے اور غازیوں کے دل گرماتے تھے. جنگ رند و لاشار میں پچاس قرآن کے حفاظ تھے جن کی لاشوں کو ڈولیوں میں اٹھا کر انہوں نے سپرد خاک کیا تھا. صلح کے وقت وہ چوغے، دستار اور کمر میں قیمتی شالیں لپیٹ کر محفل میں بیٹھے تھے. اُن کی کمر میں خنجر اور طپانچے آویزاں رہتے تھے. اور وہ زلفوں اور کپڑوں پر عطر ملتے تھے جو اکثر وہ قندھار سے منگواتے تھے۔ اس لیے جب کسی سردار کی محفل گرم ہوتی تھی تو چار طرف خوشبو پھیل جاتی تھی. ان کی محفلوں میں موسیقی اور سرود بھی تھا. رباب REBECK، دنبورہ TAMBOURINES اور سرندا VIOLIN. اُن کے موسیقی ساز تھے. اُن کے ڈوموں کے اشعار زیادہ تر بہادری HEROISM کے متعلق تھے. ان اشعار میں وہ اپنے بڑوں کے کارناموں کو دہراتے تھے انکے انصاف کا طریقہ آسان اور سادہ تھا. سردار علماؤں کے مشورہ سے فیصلہ کرتے تھے. نہ کوئی دفتر تھا اور نہ کتابت اور یہی علماً قاضی کا بھی کام کرتے تھے. ان علماؤں کو جو احادیث نبوی اور شرع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاسبان تھے تعلیم کا کام اُن کے سپرد تھا. اس لئے ہر خاص و عام کو ان کے لیے عزت تھی. اوحدی کرمانی بلوچ تھے اور مشہور صوفی گزرے ہیں اپنی مثنوی جام جم میں سلطان ابوسعید کی اس طرح مدح سرائی کی ہے.

دو جہاں را صلائے عید زدند
سکہ برنام بو سعید زدند

در چمن گفتہ بلبل و قمرے
مدح این گلبن اُلو الا مرے

یہ مدح سرائی اس لئے کی گئی تھی کہ سلطان نے ۷۳۶ ھ میں وفات پائی تمام ملک نے اس کے مرنے کا ماتم کیا یہاں تک مسجد کی میناروں پر ماتمی کپڑے لپیٹے گئے اور ہر شہر کی گلی کوچوں میں کئی کئی دن تک خاک اُڑتی رہی۔ اوحدی کرمانی اس زمانہ میں ہو گزرا جب تاتاری زرد طوفان تھما شروع ہوا تھا اور علم ادب کی اسلامی دبی ہوئی چنگاریاں پھر مشتعل ہونے لگیں، علم تصوف میں اوحدی کرمانی کا درجہ شیخ عطارؒ مولانا روم اور عراقی کے برابر ہے۔[۱]

بلوچ قوم میں بعض شعرا کبار اور محدثین اور حفاظ ہو گزرے جن کا اعداد شماری کرنے کے لیے ایک جدا دفتر کی ضرورت ہے ہم ہر دور کے علمأ فضلا کا بیان ہمہ مند پیش کرتے رہیں گے۔ کیونکہ اگر ان کا بیان ہم نظر انداز کر کے بلوچی تاریخ کا معیار محض جنگوں پر ہی منحصر کریں گے تو دنیا خدانخواستہ یہی قوم دنیا میں غارت گر اور جاہل ہو کر رہیں گے۔ خاص کر ایک فاضل مورخ کے لیے یہ از حد ناانصافی ہو گی وہ ادبیات کے پہلو کی تاریکی میں رکھے۔ چونکہ بلوچستان کا سیاسی اور تہذیبی دامن ہمیشہ سے عرب و ایران اور بعد میں سندھ، افغانستان اور ہندوستان سے وابستہ رہا اس لیے اس قوم کی تاریخ کا بیشتر حصہ ان ممالک کے تاریخ اور ادبیات کے دفتروں میں پوشیدہ ہے۔ اس قسم کی کاوش کے لیے یہ امر ضروری ہے

نمبر ۱: تذکرہ اولیأ از خواجہ فیروز الدین عطارؒ مترجم پروفیسر محمد عنایت اللہ صاحب باب ۳۶، ص ۲۶۰، باب ۶۳، ص ۳۴۲

تھا کہ پہل اس قوم کے بارے میں دوسرے کریں اور پھر اُن سب کے لیے ایک پُر اثر اور زود فہم نسخہ ایک بلوچ تیار کرے کیونکہ یہ کام قوم کا ہی ہوتا ہے بلوچوں میں اس دور میں بڑے بڑے صوفیا کرام اور اولیا بھی ہو گزرے ہیں جو دراصل بلوچ ہی تھے مگر چونکہ اس وقت وہ ایران و عجم کی خاک میں پوشیدہ ہیں اس لیے ہر جگہ وہ عجمی شمار ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ شجاع کرمانیؒ جو حقائق معرفت اور مسائل تصوف کے عالم تھے۔ وہ انہیں ناچیز بلوچوں میں تھے[۱] حضرت ابو حمزۃ الخراسانیؒ جو خراسان کے نہایت ہی جلیل القدر مشائخین میں سے تھے اکابران طریقت میں نہایت رفیع القدر تھے بلوچ تھے[۲] بلوچ اس علم دینی اور ادبیات میں زیادہ تر عراق کے علمی مراکز بصرہ، کوفہ اور بغداد سے وابستہ تھے اور ان کے علم و فضل پر عربیت غالب تھی چنانچہ خراسانی، سیستانی اس قوم کا اد یہ نشین تھا مگر اس کے ضائع اور بدائع کلام عربی شاعری تھی[۳]

امیروں کی عورتیں کمخواب اور زر بفت کا قیمتی لباس پہنا کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر جب بیورغ نے قندھار کی شہزادی گران ناز کے لیے سبوی کے شہر میں لباس خرید کیا تو اس کی قیمت سات سو تموری درہم تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک ان کے ہاں تموری سکہ رائج تھا۔ بلوچستان اکثر بیرونی حکومتوں کے

---

[۱] تذکرہ اولیاء از خواجہ فریدالدین عطارؒ مترجم پروفیسر محمد عنایت اللہ صاحب باب ۳۶ ص ۲۶۰، باب ۶۳ ص ۳۴۲،

[۲] ایضاً ایضاً

[۳] شعر العجم از شبلی نعمانی جلد اول ص ۷،

ماتحت تھا۔ اس لئے مختلف اوقات وہاں بیرونی سلاطین کا سکہ رائج تھا۔ مگر بعد میں براہوئی حکمرانوں نے اپنا سکہ جاری کیا۔ بلوچی سردار نہایت ہی مہمان نواز اور فیاض تھے۔ مثلاً میر چاکر رند نوبندغ لاشاری کے سخا کی روایتیں اب بھی مشہور ہیں مثال کے طور پر ایک مرتبہ کسی فقیر نے میر نوبندغ سے خیرات طلب کی میر نے اپنا قیمتی لباس اور تمام گھر کا اسباب فقیر کے حوالے کر دیا دلیری کی مثال اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے جنگ کے میدان میں میر چاکر لاشاریوں کے محاصرہ میں پھنس کر گرفتار ہونے کی نوبت کو پہنچتا ہے مگر عین موقعہ پر دلیر نوبندغ اس کو اپنے گھوڑے پر سوار کر کے جنگ کے خطرناک میدان سے باہر نکال لے جاتا ہے۔ حالانکہ یہ نوبندغ لاشاری تھا۔ اس سے بڑھ کر رواداری کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے[1]۔ اسی طرح بلوچی مہمان نوازی کے ہمایوں کا واقعہ کافی ہے۔ مرزا کامران بلوچی سرداروں کو لالچ دیکر اپنا طرف دار بنا ہے۔ مگر بلوچ مہمان کی حفاظت کرتے ہیں اور معزول سر و سامان شہنشاہ کو منزل مقصود پر پہنچا دیتے ہیں[2]۔

اس سے پہلے ڈیرہ جات اور ملتان کے بلوچ ہمایوں کی حوصلہ افزائی اور امداد کرتے ہیں۔ جب وہ بے سر و سامان ہو کر لاہور سے فرار ہوتا ہے۔ حالانکہ اس زمانہ میں مرزا شاہ حسین ارغون جودھ پور کے فرمانروا شیر شاہ سوری کے خوف سے ہمایوں کو کسی بھی قسم کی امداد نہیں دیتے۔ اگر اس موقعہ پر بلوچ اس کو دغا دے کر قید کرتے تو شاید مغلیہ شہنشاہت کا ہندوستان میں خاتمہ ہو جاتا۔ مگر بلوچ اول

(۱) مسٹر ٹیمپل اور ایل ڈیمس نے یہ تمام بیانات بلوچی افسانوں میں دکھایا ہے۔

(۲) بلوچوں کی یہ تعریف ہمایوں کی ہمشیرہ گلبدن بیگم نے ہمایوں نامہ میں درج کی ہے۔

سے رکے آخر تک وعدہ پر ثابت قدم رہے ہے اسی طرح بلوچوں نے سلطان حسین بائقارا ہرات کو اذبکوں کے مقابلے میں امداد دیکر ثابت کر دکھایا کہ ان کو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ کمال ہمدردی تھی۔ اب رہا تجارت کا سوال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کی طرح بلوچ بھی جنگجو ہونے کے علاوہ تاجر بھی تھے۔ مثال کے طور پر مکران کے ہوتوں کا ذکر پہلے درج کر چکے ہیں کہ ان کے قافلے سندھ اور گجرات تک مشک ختن، ادویات اور کھجور کی تجارت کرتے تھے۔ بلوچستان چونکہ ایران اور ہندوستان کے درمیان ہے اس لئے یہاں کے خطرناک پہاڑی دروں سے ان ممالک کا تجارتی سامان ان خانہ بدوش ساربانوں کے قافلوں کے ذریعہ چلتا تھا۔ چنانچہ خراسان اور قندہار کے خشک وتر میوے یہی لوگ ہندوستان کی منڈیوں تک پہنچاتے تھے اور ان کا تجارتی رسوخ ماوراء النہر، نھضر، ایران اور قفقاز تک جاری تھا۔ چنانچہ اس ثبوت کے مڑایل ڈمیس کا بیان ہے کہ بلوچ لوگ ورلگا VOLGA جنوبی روس کے خوشبودار چمڑے کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر بیان ابن بطوطہ کا ہے چنانچہ اس عرب سیاح نے بلوچستان کے متعلق کوئی بیان نہیں دیا۔ مگر بلوچی تجارت پر کافی روشنی ڈالتا ہے مثال کے طور پر وہ لکھتا ہے کہ جب فصیح الدین خراسانی بلوچ جو ایک فاضل فقیہ تھا اس کو محمد تغلق نے سندھ کے لاری بندر میں جاگیریں دیں یہ دراصل تجارت کی غرض سے سندھ میں قسمت آزمانے آیا اور جاگیر اور رتبہ حاصل کیا۔ اوچ میں ابن بطوطہ کو سید جلال الدین کیچی نے شرف ملاقات بخشا جو اس شہر کا حاکم تھا

اور شجاعت اور کرم میں مشہور تھا۔ یہ سید زادہ بھی غالباً کیچ (مکران) کے تاجر تھے۔ اور یہیں بود و باش اختیار کی ہوگی[۱] کیونکہ ہم پہلے دکھا چکے ہیں کہ سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں پردیسیوں کی ہندوستان میں بڑی عزت تھی۔ ہر دیسی کو بادشاہ کے حکم سے یہاں کے لوگ "عزیز" کے نام سے پکارتے ہیں۔ ملتان بڑی تجارت کی منڈی ہے دور و دراز کے سوداگر رہتے ہیں۔ اونٹ، گھوڑے اور خراسان کے میوے وہ چیزیں ہیں سوداگر لوگ بادشاہ کو بطور تحفے کے پیش کرتے ہیں اور انعام پاتے ہیں[۲] خاص کر خراسان کے تازہ میوہ جات کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہ میوہ جات ڈاک کے ذریعے تھالیوں میں بادشاہ کی خدمت میں پہنچتے ہیں۔ جیتل، ٹنکہ نقرہ و طلائی سکون کا ذکر کرتا ہے غرض کہ آٹھویں صدی ہجری میں ابن بطوطہ کے سفرنامہ سے بڑھ کر کوئی کتاب ایسی نہیں جو مذکورہ حالات پر روشنی ڈال سکے۔ اس زمانہ میں قلات، کیچ، سیوی، غزنی، گنداواہ اور ملتان زبردست تجارت کی منڈیاں تھیں۔ مثال کے طور پر شام، عراق اور مسقط کا بیوپار کیچ سے چلتا تھا یہاں سے بلوچ ساربان اُن ممالک کی چیزوں کو ٹھٹھہ، گجرات بلکہ بڑودہ تک لے جاتے وہاں کی پیداوار سے اونٹ لاد کر لاتے۔ قلات خراسان کے میوہ جات کا مرکز تھا یہاں سے میوے تر و تازہ درہ بولان سے گزر کر ہندوستان کو جاتے تھے سیوی میں غزنی اور قندہار کا مال جس کا سلسلہ ہرات اور سمرقند و بخارا سے تھا سیوی میں اس زمانہ میں کپاس کی کاشت ہوتی تھی اس کے علاوہ بلوچستان کے دنبے یہاں سے ہندوستان اور سندھ کو کبری کے لیے جاتے تھے گنداواہ کے گھوڑے

ع۱۔ عجائب الاسفار سفرنامہ شیخ ابن بطوطہ اردو ترجمہ جلد ۲ باب اول ص ۲۰-۲۱

ع۲۔ یہ تمام بیان شیخ ابن بطوطہ نے ابن بطوطہ نے جلد ۶ میں فصل ۳ "پردیسیوں کی قدردانی" کے عنوان سے دیا ہے۔

اور اونٹ جن کی ہندوستان میں زیادہ قدر تھی اُن کی شہرت کا بیان تو ابن حوقل بغدادی نے بھی دیا ہے۔ غرض یہ وہ تمام بیانات ہیں جنکو رائے بہادر ہتو رام نے نظرانداز کر دیا ہے۔ اس لیے بلوچوں کی تاریخ کا یہ شاندار باب صفحہ تاریخ سے ملیامیٹ ہو چکا ہے غرض انگریز سرکار کے زمانہ تک وسط ایشیا، افغانستان کا بیوپار ان بادیہ نشین بلوچوں کے ہاتھوں میں تھا۔ ملتان اس زمانے میں کپڑے کی تجارت کا مرکز تھا اور بلوچستان میں زیادہ تر کپڑا ملتان سے آتا تھا۔ اس دور میں بلوچی شعر و شاعری کا بیان نہ دینا سراسر ناانصافی ہو گی۔

دور غزنوی تک جب فارسی نے نیا جنم لیا تب سارے مشرق میں فارسی کا چرچا تھا مگر میر شہیک اور میر چاکر خان رند کے زمانہ میں باوجودیکہ دفتر زبان فارسی رہی مگر شعر و سخن کی زبان بلوچی تھی۔ چنانچہ اس دور میں جتنے بھی بلوچی شعرا ہو گزرے ہیں، اُن کی زبان بلوچی نظر آتی ہے۔ اور وہ شعر اور سخن میں یہی مادری زبان کام لاتے ہیں بلوچی علماؤں کو اس دور میں ہم دہلی کی دربار سے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز دیکھتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی اور فارسی زبان اور علم دینیات کے ماہر تھے کیونکہ یہی دو زبانیں مشرق میں ممتاز نظر آتی ہیں۔ تاہم رند و لاشاری کی جنگ اور اس سے پہلے بہت بلوچ بلوچستان سے ہجرت کر کے سندھ اور بلوچستان میں نوآبادیاں قائم کرتے ہیں، اس لیے یہ امر لازمی ہے کہ بلوچی زبان مکران سے لے کر دوآبہ باری تک پھیل جاتی ہے اور آج تک ڈیرہ جات یا سندھ میں جتنی بھی قومیں بلوچ ہیں ان کی زبان بلوچی ہے۔ اگر اس زمانہ کے بلوچ شعرأ کا پتہ نکالینگے تو یہی معلوم ہو گا کہ میر چاکر کا بیٹا شہداد خود بلوچی زبان کا شاعر تھا اسی طرح بیورغ خود کمال کا شاعر تھا اور شعر و سخن اس کا مذاق تھا۔ ان کے علاوہ اس زمانہ میں رند

دلاشاریوں کے جتنے بھی مدبر تھے۔ مثلاً فیروز شاہ ریحان، جاڑو اور بجار یہ سب بلوچی اشعار کے ماہر تھے۔

بیورغ کے عشقیہ کلام قندھار کی شہزادی گران ناز کے متعلق ہے یہ ارغون شہزادی امیر ذوالنون ارغون کی چھوٹی صاحبزادی تھی۔ امیر ذوالنون کو دو لڑکیاں تھیں ایک سلطان ابوالغازی حسین مرزا ہرات کے ساتھ بیاہی تھی۔ یہ بیورغ رند تھا مگر جنگ رند و لاشاری میں اس نے لاشار کا طرف لیا کیونکہ وہ میر چاکر کی اس حکمت عملی کے خلاف تھا کیونکہ اس نے ترکوں سے مدد طلب کی تھی۔

مریہ اور ماتی بہترین افسانہ ہے ہانی مندو کی بیٹی تھی اور مریہ کے باپ کا نام شئے مبارک تھا۔ ایک روز شراب خوری اور نشہ کی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو میر چاکر کے کہنے پر طلاق دیتا ہے اور پھر اس کی تلاش میں شب بیداری اور اختر شماری کرتا ہے۔ مسٹر ڈوئی MR. DOUIE نے اس کو بلوچی نامہ میں درج کیا یہ قصہ صاف دکھاتا ہے کہ بلوچوں میں شراب خوری کی علت تھی اور یہ ان کی شراب قندھار اور ہرات جیسی گلریز سرزمین کی پیداوار تھا۔ ان کے پیالہ و جام سونے اور چاندی کے تھے۔ ہانی رند خاتون تھی جو اپنی خوبصورتی کی وجہ سے یکہ جمال تھی اور مریدؔ کی محبت میں مست اونٹ کی فرنج تھا۔ میران جو میر چاکر کا چچا زاد بھائی تھا بڑے پایہ کا مصنف ہو گزرا میئر MAYER صاحب اس کو اپنی کتاب میں یاد فرمایا ہے[11]

شرین فرہاد یہ اصل ایرانی زبان کا افسانہ ہے۔ رندوں کے زمانہ میں بلوچوں نے اس کو بلوچیت کا جامہ پہنایا۔ دو ستیں۔ شیرین جب ترکوں نے بلوچوں پر مظالم برپا کئے

تب میر چاکر رند ترکوں سے سے لڑا دوستین رند تھا اور لعل خان کی لڑکی شیرین سے اس نے شادی کی دونوں فارسی زبان کے ماہر تھے۔ دوستین کو ترک گرفتار کرکے ہرات کے قلعہ میں قید کرتے ہیں شیرین فارسی میں ایک خط لکھ کر اس کو ایک فقیر کی معرفت روانی کرتی ہے۔ پھر کسی ترتیب سے وہ بھاگ کر واپس خراسان آتا ہے۔ اور شیرین اس کو اس شعر کے گانے پہنچتی ہے۔ جو اس نے فارسی خط میں لکھ تھا۔ اس قصہ میں سنگچر، کونار وغیرہ مقامات کی گلریزی کا بیان درج ہے۔ اس طرح میران گاج کی وادی کو دودھ اور شہد کی دکھاتا ہے دوستین شیرین کے اشعار ۱۸۸۱ء میں جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں شائع ہوئے اور ۱۸۸۵ء میں ڈیمس صاحب نے اُن بلوچی ٹیکسٹ بک میں شائع کرایا۔ شاعر غلام محمد بلیچانی کو بر زبان یاد تھا۔ فریکھ کا میدان اور "مستورات کا غسل" بہترین بلوچی شعر ہے۔ اور بعض یوروپین علماؤں نے غلطی سے اس کو ایرانی شعر میں نقل کیا ہے[۱]۔

شہزاد کے بیش بہا اشعار علیٰ اور باری کے متعلق میں لیچ LEECH میئر اور برٹن BURTON نے بھی مختصر طور پر اس کا ذکر دیا ہے۔ میر ریحان میر چاکر کا چچازاد تھا۔ سالو کی بیماری کا سنکر غمگین ہوتا ہے۔ سالو جو تصویر کھینچتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں کانوں میں پچھے موتی کے زیور اور ناک میں بھی عورتیں زیور پہنتی تھیں ہاتھوں کی مندریوں گلے میں چاندی کے طوق بھی عورتیں پہنا کرتی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جب کوئی بلوچوں میں بیمار ہوتا تھا تو وہ حلال جانوروں کی قربانیاں بھی کرتے تھے۔ یہ قصہ بھی میئر صاحب نے درج کیا ہے[۲]۔

۱۔ میرانی کا پیام محبت ۔ (بلوچی کلاسک) صفحہ ۱۰۶ از میئر
۲۔ نباق خراتین ۔ پاپولر پوئٹری آف پرشیا لنڈن
۳۔ بلوچی کلاسک از میئر صفحہ ۱۲۰

ان سب میں بیورغ کے کلام شیرین اور عشقیہ ہیں۔ ان میں جا بجا محبت کے زنگار
پھول نظر آتے ہیں بعد کے زمانہ میں بھی یہ اشعار بلوچوں کو سینہ بہ سینہ یاد تھے چنا
میر رامن لاشاری اور ریحان رند کے گھوڑے دوڑ کے متعلق جتنے بھی اشعار تھے و
باغر لاشاری کو بر زبان یاد تھے جن کو ٹی۔ جے ایل میئر MAYER صاحب پادری ن
انگریزی میں ترجمہ کیا۔ میر ریحان رند کے اشعار جو گوہر جتنی کے متعلق ہیں ان کو ایل ڈیم
صاحب نے ۱۸۹۳ء میں ترجمہ کیا۔ چنانچہ ریحان کے اشعار دو عمرانی کھوسہ شاعروں م
ہیرو جان و علی محمد خان کو یاد تھے۔ پھر سلطان شاہ حسین بانگار کا رندوں کی طرف داری
کرنا اور میر چاکر کا ہندوستان پر حملہ یہ تمام شاعر یورپین فاضلوں کو غلام محمد کی زبانی معلو
ہوئے اور ان اشعار سے ٹمپل TEMPLE صاحب نے "افسانہائے پنجاب"
LEGENDS OF PUNJAB تصنف کرنے کا موقعہ مل گیا۔ حقیقت میں یہ سہرا
غلام محمد مرزا کے سر پر ہے جس سے خود ایل ڈیمس صاحب کو "بلوچی ٹیکسٹ بک" کتاب
تصنیف کرنے کا موقعہ مل گیا رند و لاشاری کی جنگ کی کیفیت جو اشعار میں موجود ہے
اس کا ترجمہ مسٹر ایل ڈیمس صاحب نے شاعر غلام بولک رند کی زبانی ۱۸۷۹ء میں بمقام
سیوی ترجمہ کیا۔ دراصل یہ بلوچی تاریخ کا شاندار زمانہ تھا مگر اس کی اصلیت اور مواد تمام
سرمایہ اشعار میں موجود تھا۔ اس لیے یورپین محققین نے اس دور کو "افسانہ تاریخ بلوچ"
THE LEGENDRY HISTORY OF THE BALOCHES نام رکھا جو سراسر ناانصافی
ہے۔ اس رند و لاشاری کی جنگ میں ہیبت خان نے میر چاکر کی طرف داری کی تھی اور یہ
بیبرک (بیورغ) کا لڑکا تھا۔ اس حکایت کو ایل ڈیمس نے احمد خان لدہانی لنڈ کی معرفت
معلوم کیا۔ ان اشعار میں میر عالی بلیدیوں کے کارناموں کا بھی ذکر کیا۔ غلام محمد بلیجانی کے
اشعار میں نوبندغ کی سخا اور فیاضی کا بھی ذکر ہے کہتے ہیں کہ یہ نوبندغ دولت کو

ہاتھ سے بھی نہ چھوتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ بلوچ خواتین نے اس کو "زر زوال" کا لقب دیا تھا۔ ایک اور رند فیاض تھا جس کا نام دل ملخ تھا اس کا ذکر بھی غلام محمد کے اشعار میں ہے۔ ہمایوں نے کس طرح دہلی پر حملہ کیا اور کونسی بلوچی اقوام نے اس کی طرف داری کی۔ یہ اشعار بھی یاغر لاشاری کو معلوم تھے۔ غلام محمد بالاچانی کے اشعار میں رند در دودائی بلوچوں کی جنگوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ دودائی سہراب خان کے لڑکے میر غازی خان کی اولاد تھے خود میرانی بلوچ مشہور ہوئے جن کی نوابی دو صدیوں تک قائم رہی۔ ان تمام اشعار میں بلوچوں کی غیرت، دلیری اور رواداری کی باتیں ہیں جن کو معلوم کرنے سے بلوچی تہذیب کی صحیح تصویر نظر آسکتی ہے۔ مگر افسوس رائے بہادر ہتورام نے ان سب باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے اس نے اپنے بلوچی نامہ میں سسی پنوں کا افسانہ دینے کے بعد ایک اور افسانہ پیش کیا ہے جو "چھپ کلی" کا افسانہ ہے چھپ کلی کی وجہ سے بلفت اور کلمیتوں کی جنگ لگی۔ حالانکہ بلفت یا برفت ایک لاسی قوم ہے اسی طرح کلمتی بھی ایک غیر بلوچی قوم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رائے بہادر ہتورام بلوچی اشعار سے محض بے خبر ہے کیونکہ ان باتوں کا بلوچی تاریخ سے کوئی تعلق نہیں ہاں میر چاکر خان کا زمانہ کا مشہور افسانہ شہمرید اور ہانی کا افسانہ ہے مگر ہتورام صاحب کو کیا خبر تھی شہمرید کس بلا کا نام تھا۔ ان کی حیثیت مسٹر موہن لعل کاشمیری کی طرح تھی۔ جو مسٹر اے برنس کے سفارت کے ساتھ ۱۸۳۲ء میں امیر دوست محمد خان کے دربار میں گیا تھا۔ اور مسٹر ہتورام سر سنڈیمن کے وفد کے ساتھ بلوچستان میں تھا۔

امیر ذوالنون ارغون نے جب رندوں کو فوجی امداد دی تب اُس کے ترکی

لشکر نے بلوچوں پر بے حد مظالم برپا کئے. یہاں تک بلوچی خواتین کے شکم چاک کر کے ان کے بچوں کو نکلوا کر مروا ڈالا. میر چاکر خان کو جب یہ پتہ لگا تو اس نے حکم دیا کہ لاشار کی جتنی بھی خواتین قید ہیں ان کو عزت و آبرو کے ساتھ بلوچ اپنی حفاظت میں لیں. یہ تمام بیانات ایل ڈیمس نے درج کئے ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں۔

باب ششم

کھیتی، مری اور بگٹی بلوچی قبائل

براہویوں کا دوبارہ قلات پر قبضہ کرنا

رند و لاشاریوں نے مل کر میر عمر میر واڑی سے قلات فتح کیا تھا اس جنگ میں میر عمر شہید ہو گیا۔ اور میر چاکر خان رند نے اپنے خسر میر مندو کو قلات کی حکومت سپرد کی تھی اس طرح کمران سے لے کر لو ہران دلا ہور تک تمام علاقے گویا رندستان کہلانے لگا۔ میر چاکر خان نے جب پنجاب میں سکونت اختیار کر لی تو رندوں کی طاقت بلوچستان میں کمزور ہونے لگی میر عمر کے بعد اس کا صغیر لڑکا میر بجار خان اور اس کی والدہ مستونگ کے خواجہ خیل قوم کے پاس جا کر پناہ

ل. جب میر بجار بڑا ہوا تب آبائی تخت کو لینے کا اس نے فیصلہ کیا. جب رندوں نے قلات فتح کیا تھا تب بہت سے براہوئی جھلاوان میں جا کر سکونت اختیار کی تھی اُن کا مشہور قبیلہ رئیسانی اس وقت چھپر میں رہتا تھا میر بجار دوبارہ تخت لینے کے لیے ان سے مشورہ کرنے کو گیا. رئیسانیوں کے سردار سیاہی براہویوں کا لشکر جمع کرنے لگا. دوسری طرف میر مندو بھی اپنا لشکر جمع کرنے لگا. قلات کے قلعہ کے باہر سخت جنگ لگی جس میں میر مندو خان نے شکست کھائی اور وہ شہید ہوا اس کا مزار شہر کے مستونگی دروازہ کے باہر اب بھی موجود ہے ۱

میر بجار خان قلات فتح کرنے کے بعد بلوچوں کو سراوان اور جھلاوان سے نکالنے لگا. مثال کے طور پر اس نے سوراب اور وڈھ میں براہوئی مینگل قوم کو آباد کیا اور وڈھ کے علاقہ میں ڈنھڑ کے گاؤں میں رئیسانیوں کو جائیداد دیں دیں وہ اپنے سردار سیاہی کے نام سے سیاہی زئی مشہور ہوئے اور سیاہی کے لڑکوں کو اس نے اور بھی جائیداد دیں. چھپر کے خشکابہ زمین کو جس کو چھپر والہ کہتے ہیں اُس پر اُس نے خود قبضہ کیا میر مندو خان کی اولاد بعد میں مندوانی کہلانے لگے. باقی بلوچی فرقے جو میر چاکر خان کے لشکر کے ساتھ. انہوں نے بلوچستان سے باہر نکل کر جہاں معاش کا موقعہ دیکھا وہیں سکونت اختیار کی. غرض رند و لاشار جو پہلے اتحاد و عمل میں "بلوچی کانفیڈریسی" کے ماتحت آپس میں جسم و جان تھے. وہ اب اندرونی جنگ کے بعد جدا جدا سرداریوں اور تمنوں میں تقسیم ہو گئے. باقی جو بلوچستان میں رہ گئے. وہ براہوئی خوانین کی اطاعت منظور کی مثال کے طور پر موجودہ بنگلزئی اور لہڑی قومیں

ھ۱: یہ تمام حالات رائے بہادر ہتو رام نے اخوند محمد صدیق کے حوالے سے بیان کیا ہے دیکھو ص ۲۱، ۲۲

جن کا شمار آج کل براہوئی اقوام میں ہوتا ہے۔ وہ دراصل بلوچ ہیں یہ بنگلزئی اپنے کو سیدزئی فرقہ میں شمار کرتے ہیں اور ان کا جدامجد سخی فتح خان سے ہے جس کی وجہ سے وہ بلوچستان میں متبرک قوم سمجھی جاتی ہے[1]

اسی طرح لہڑی قوم کی ابتدا ڈومبکیوں سے شروع ہوتی ہے۔ اور میر نصیر خان اعظم کے زمانہ میں سراوان کے پہاڑ سارون کے نزدیک گاؤں میں آکر انہوں نے بہادری کی وجہ سے سکونت اختیار کی اور وہیں رہ گئے۔ سراوان کی سرداری کا علم آج بھی رئیسانیوں کے ہاتھ میں ہے اور جھلاوان کا علم کسی وقت مینگل قوم کے پاس تھا مگر بعد باہمی جنگوں کی وجہ سے زہری قوم اس پر غالب ہوگئی میروانیوں نے پہلی مرتبہ جھلاوان بزنجو قوم کی مدد سے جدغالوں سے فتح کیا تھا۔ اس زمانے سے لے کر بزنجہ کی وفاداری قلات کی میری سے ہے۔ اب ذیل میں ہم بلوچی اقوام اور ان کے مختلف فرقوں کا بیان بمعہ کیفیت دیتے ہیں وہ کہاں کہاں جاکر بسے اور کیا پیشہ اختیار کیا۔

۱۔ رند —— یہ سوران (کچھی) میں رہتے ہیں ان کا خلاصہ بیان آگے چل کر دیں گے یہاں کا وڈیرہ اپنے کو سب بلوچوں سے افضل شمار کرتا ہے سراوان کی سرداری کے ماتحت ہیں۔

۲۔ ڈومبکی —— یہ لاہڑی (سیوی) میں ان کا سردار رہتا ہے اور خاص رند کہلاتے ہیں۔ رندوں کے بعد وہ اپنے کو افضل سمجھتے ہیں۔ وہ سراوان کی سرداری کے ماتحت ہیں۔ ان کا ایک حصہ جیکب آباد ضلع میں

---

[1] یادگار جشن قلات ۱۹۳۲ء از مولوی دین محمد صاحب اڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور۔ رند کر قوم بنگلزئی کو بعض انگریز محققین شیوانی اور رئیسانیوں کو افغان شمار کرتے ہیں۔

رہتا ہے۔ بلوچی اشعار کا سہرا زیادہ ان کے سر ہے۔

(۳) مری ـــــ ان کا صدر مقام کاہان ہے اور رند کے قبیلہ سے ہیں مگر کچھ عرصہ خوانین قلات کے ماتحت تھے مگر اب آزاد ہیں۔

(۴) بگٹی ـــــ اُن کا صدر مقام ڈیرہ بگٹی ہے اور رند کے قبیلہ سے ہیں مریوں کی طرح کچھ عرصہ خوانین قلات کے ماتحت تھے مگر اب آزاد ہیں۔

(۵) بلیدی ـــــ یہ بھی رند ہیں اور قدیم بلوچ ہیں جو تین صدی قبل مسیح علیہ السلام وادی بلیدہ (مکران) میں آکر سکونت اختیار کی ان میں سے کچھ تو نصیر آباد میں رہتے ہیں اور کچھ بھاگ میں اور کچھ جیکب آباد میں اور زیادہ تر سندھ کے حصوں میں آباد ہیں۔ جو بلوچستان میں رہتے ہیں وہ سراوان کی سرداری کے ماتحت ہیں۔ سندھ کے میروں کے زمانہ میں شمالی سندھ کا علاقہ بردگی ان کے نام پر تھا۔ سندھ کے بلیدیوں کا بیان آگے چل کر دیں گے۔

(۶) جمالی ـــــ یہ بھی رند کا فرقہ ہے روجھان (نصیر آباد) اُن کا صدر مقام ہے۔ یہ زبردست بلوچی قوم ہے۔ روجھان (نصیر آباد) اور جیکب آباد میں رہتے ہیں اور یہ بھی سراوان کی سرداری کے ماتحت ہیں۔

(۷) عمرانی ـــــ منجوٹی (کچھی) ان کا صدر مقام ہے اور رند کا فرقہ ہے سراوان کی سرداری کو تسلیم کرتے ہیں ان کا پیشہ زراعت ہے۔

(۸) جکھرانی ـــــ رند کا زبردست فرقہ ہے صدر مقام ان کا نصیر آباد ہے اور سراوان کی سرداری کو تسلیم کرتے ہیں کسی زمانے میں یہ مشہور جنگجو قوم تھی جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کرنا شروع کیا تو یہ قوم خوب

لڑی انگریز نے ان کو پہاڑ سے نکال کر جیکب آباد میں زمینیں
دیں. سر رابرٹ سنڈیمن ان کو بلوچستان آنے سے منع کرتے تھے
ان میں سے کئی لہڑی اور کچھی میں رہتے ہیں:

(۹) کھیری — رند کا فرقہ ہے. چھتر پھلیجی ان کا صدر مقام ہے. سراوان کی سرداری
کے ماتحت ہیں. یہ اپنے کو شیخ اور سید بھی کہلاتے ہیں قلات کے
خان نے مذکورہ مقام ان کو جاگیر کے طور پر مرحمت کیا۔

(۱۰) چانڈیا — یہ رند ہیں اور حلب میں موجود تھے. پہلے کیچ میں آکر آبادی قائم کی
پھر لکھ اور سالاری دروں سے نکل کر کچھ اور گنداواہ کو مسکن بنایا
یہاں سے وہ سندھ کے شمالی مغربی علاقہ چانڈ کا میں مستقل طور
پر نوابی قائم کی ان کا بیان سندھ کے بلوچوں میں دیا جائے گا جس
زمانہ میں بلوچ کرمان میں تھے اس وقت یہ بمپور میں رہتے تھے
ان کی روایتیں زیادہ صوبے اور گاہے کے اشعار میں درج ہیں
کچھی کے زمانہ میں وہ سراوان کی سرداری کے ماتحت تھے. مکران کے
زمانہ میں وہ کلوئی بلوچوں کے رفیق تھے شہر روغان، وڈھ اور شہر
سنگھار میں بھی چانڈیوں کی بستیاں تھیں.

(۱۱) تالپور — یہ رند کے فرقہ میں سے ہیں میر چاکر خان جب سیوی آیا تو یہ انکے
ساتھ تھے بعد میں میر چاکر کے ساتھ پنجاب گئے اس کے بعد
کلہوڑوں کو جیت کر انہوں نے سندھ کو فتح کیا ان کا احوال
سندھ میں درج کریں گے.

(۱۲) کچک — کرتہ ڈبولان میں رہتے ہیں اور رند ہیں. سراوان کی سرداری کے

ماتحت ہیں. پہلے مریوں نے ان کو بولان سے نکال دیا تھا انگریزوں کے آنے کے بعد دوبارہ وہاں آباد ہوئے. چھوٹائی اور جلبانی بھی ان کے قبیلے رہتے ہیں۔

(۱۳) **چھوٹائی** ــــ یہ رند علی ڈھاڈبر میں رہتے ہیں اور سراوان کی سرداری کے ماتحت ہیں ڈہاڈہر میں زراعت کرتے ہیں اس کے علاوہ کرتہ میں بھی اُن کی زمینیں ہیں. صلح اور جنگ میں کچک میں شامل رہتے ہیں اور یہ رند ہیں.

(۱۴) **جلبانی** ــــ ڈھاڈبر میں رہتے ہیں اور رند ہیں سراوان کی سرداری کے ماتحت

(۱۵) **کلوئی** ــــ مکران میں یہ چانڈیہ اور بزداروں کے پہلو بہ پہلو رہتے تھے. یہ رند ہیں اور اس وقت سراوان کی سرداری کے ماتحت ہیں کچھی بینچ کر زکو اور منگچر میں رہنے لگے. منگچر کے رہنے والے وہاں کے لانگو سے شامل ہیں۔

(۱۶) **پھتر** ــــ یہ بھی رندوں کا ایک فرقہ ہے اور سراوان کی سرداری کے ماتحت ہیں نجوری (بولان) ان کا رہائشی مقام ہے درہ بولان کے متصل بی بی نانی ایک مقام ہے وہاں زمینداری اور زراعت کرتے ہیں۔

(۱۷) **غلام بولک** ــــ ہیتو رام صاحب نے فقط اتنا دکھایا ہے کہ ڈھاڈہر، سیوی اور شوران میں رہتے ہیں ہم اس قوم کا بیان آگے چل کر دیں گے.

(۱۸) **لاشاری** ــــ لاشار کا ممتاز فرقہ ہے. گاجان، کاہی اور کھٹان میں رہتے ہیں ان کا کوئی سردار نہیں رہا. گاجان والے جھلاوان کی سرداری کے ماتحت ہیں. انہوں نے میر بکر کے ماتحت گجرات پر بھی حملہ کیا تھا۔

(۱۹) **کھوسہ** ــــ یہ لاشار فرقے ہیں یہ جنگجو بلوچی قوم ہے مکران کے قیام کے زمانہ

میں بھی انہوں نے بزداروں ہیدیانی بلوچوں سے جنگیں کر کے نوآبادی قائم کی۔ نصیرآباد اور دہگانہ ان کا صدر مقام ہے اُن میں کئی سراوان اور کئی جھلاوان کی سرداری میں شامل ہیں اور اس وقت نصیرآباد جیکب آباد اپر سندھ بلکہ ڈیرہ غازی خان سے لے کر سندھ دریا کے دہانے تک پھیلے ہوئے ہیں عیسوی ۱۸ صدی کے وسط میں سردار جوانک خان کی سرکردگی میں وادی کھار KHARR اور نہر مٹھاوان پر قبضہ کرنے کے لیے انہوں نے لیغاریوں سے بڑی جنگیں کیں اور آخر کار کلوئی کے سردار دودا خان کو کھوسوں کے ماتحت رہنا پڑا جب سندھ پر ٹالپروں کی حکومت تھی تو اُن کی فوج کا دارومدار کھوسہ قوم پر زیادہ منحصر تھا وادی کھار موجودہ فورٹ منرو قلعہ کے نزدیک ہے۔ نورن اور مکھوان میں بہادر ہو گزرے۔

(۲۰) مگسی — ان کا صدر مقام جھل ہے اور یہ لاشار کا فرقہ ہے جھلاوان کی سرداری میں شامل ہیں ان کا بیان علیحدہ دیا جائے گا۔

(۲۱) غزینی — بلیدی اور عمرانی فرقوں کی طرح ایم لانگورتھ ڈیمس صاحب ان کا شمار رندوں میں کرتے ہیں اور وہ مکران میں مقیم رہے۔

(۲۲) قیصرانی — یہ سرحدی بلوچ ہیں کٹورانالہ KADRANALA. ان کا وطن ہے سلیمانی افغانوں کے ہم سایہ ہیں اس وقت ڈیپوٹی کمشنر ڈیرہ غازی خان کے ماتحت ہیں ان کا بیان علیحدہ دیا جائے گا۔

(۲۳) بزدار — یہ بھی سرحدی بلوچ ہیں جنہوں نے سلیمان پہاڑ سے افغانوں کو دھکیل کر سکونت اختیار کی یہ بھی ڈیپوٹی کمشنر ڈیرہ غازی خان کے ماتحت ہیں

ان کا بیان علیحدہ دیا جائے گا۔

(۲۴) گورچانی۔ ڈیرہ غازی خان کے علاوہ مری اور درا گل پہاڑوں کے شام اور پہلو
میدانوں میں رہتے ہیں ان کا پنجاب کے بلوچوں میں بیان دیا جائے گا

(۲۵) مزاری ــــ مری اور بگٹی بلوچوں کے بعد مزاری سرحدی زبردست بلوچی قوم
ڈیرہ غازی خان کے جنوب میں رہتے ہیں ان کا بیان بھی علیحدہ دیا
جائے گا۔

(۲۶) کھیتران ــــ آدھے بلوچ اور آدھے افغان ہیں چوٹی اور سخی سرور دروں کی تجارت
ان کے ہاتھوں میں ہے یہ سرحدی بلوچ ہیں ان کا بیان علیحدہ دیا جائیگا

مذکورہ بلوچی فرقوں میں سے بلوچستان میں مری، بگٹی، بلیدی، ڈومبکی، مگسی اور
رند زیادہ تر مشہور رہیں باقی بزدار، گورچانی، لیغاری، لنڈ اور قیصرانی ان کی شاخیں ہیں عیسوی
۱۵ ویں صدی کے شروعات میں انہوں نے شمالی سندھ پر لوٹ مار شروع کر دی امیر
تیمور گورگانی کا حملہ ایک طوفان آیا برسا اور چلا گیا۔ بعد لودی خاندان کی برائے نام
دہلی پر حکومت تھی سنہ ۱۴۵۰ء میں دودائی بلوچوں نے ملتان کے فرمانرواؤں سے دریائے
سندھ کے پار جاگیریں حاصل کیں اسی طرح دریائے سندھ کے مغربی ساحل پر قبضہ
کر کے وہ شمالی سرحدی افغانوں کو پہاڑوں میں دھکیل کر وہاں نوآبادیں قائم کیں
اور برطانوی عہد حکومت تک وہ برابر لڑتے رہے۔ میر چاکر خان نے جب دہلی
پر حملہ کیا تو رندوں کو ہمایوں نے پنجاب میں جاگیریں دیں۔ یہاں اُن کے بھائی پہلے سے
دودائی موجود تھے۔ سندھ میں ان کا قدم سومریوں کے زمانہ سے جم گیا تھا۔ گویا دریائے
سندھ کے نیچلے شاداب حصہ میں رہ کر وہ کچھ اور گجرات تک یلغاریں کرتے رہے
اور بابر کے زمانہ میں شمالی اور جنوبی پنجاب میں اُن کی نوآبادیاں قائم ہو چکی تھیں سنہ ۱۵۲۶ء

لے کر ۱۵۵۰ء وہ دریائے سندھ کے مغربی حصے پر بحیرہ عرب سے لے کر سلیمان پہاڑ تک پھیل گئے۔[۱] یہ زبردست بلوچی قبائل سیوی، پشین، شوراوک اور قندھار کے کاکڑ، ترین، پنی، شیرانی افغان قبائل سے لے کر دورانڈ سرحد سے لے کر دریائے سندھ کے ساحل اور دیرا ور سوات تک جتنے بھی افغانی قبائل تھے اُن سے لڑکر نوآبادیاں قائم کیں۔ یا یہ سمجھو کر شمال میں دوآبہ باری سے لے کر جنوب میں بحیرہ عرب تک مشرق میں دریائے سندھ، ملتان سے لے کر مغرب میں ہرات تک جتنے بھی پہاڑی یا میدانی علاقے تھے وہاں چھا گئے۔ اب ہم اُن کا علیحدہ علیحدہ بیان دیتے ہیں بلوچستان میں منڈ، تمپ، کیچ، پنجگور اور کچھی میں بعض بہت زرداعت پیشہ قومیں بستی ہیں جو اپنے کو بلوچ کہلاتی ہیں مگر اُن کی سرداریاں اور تمن نہیں اس لئے ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔

شوران کے رند

شوران کے رند "میروزئی" کہلاتے ہیں کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ میرو خان نامی تھا میر شہک کے دو لڑکے تھے (۱) میر چاکر خان (۲) میر محمد ابراہیم خان میر چاکر اپنے اہل وعیال سمیت سلطان ہمایوں کے ساتھ ہندوستان کو چلا گیا جہاں اُس نے پنجاب میں سکونت اختیار کی اور وہیں فوت ہوا۔ مگر اس کے بھائی میر ابراہیم نے کچھی کے علاقہ سوران میں سکونت اختیار کی میرو خان اس کی اولاد سے تھا۔ میرو خان کے چار فرزند تھے سردار خان، شیر محمد خان، دسل خان جنہوں نے شوران میں نوآبادیاں قائم کیں باقی اس کا چوتھا لڑکا یار محمد خان کی اولاد کو خان گڑھ (جیکب آباد) میں جاگیریں دی گئیں۔ اور وہ وہیں رہ گئے۔ ان کا شجرہ ذیل میں دکھاتے ہیں۔[۲]

---

[۲] یہ شجرہ رائے بہادر ہتو رام کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔

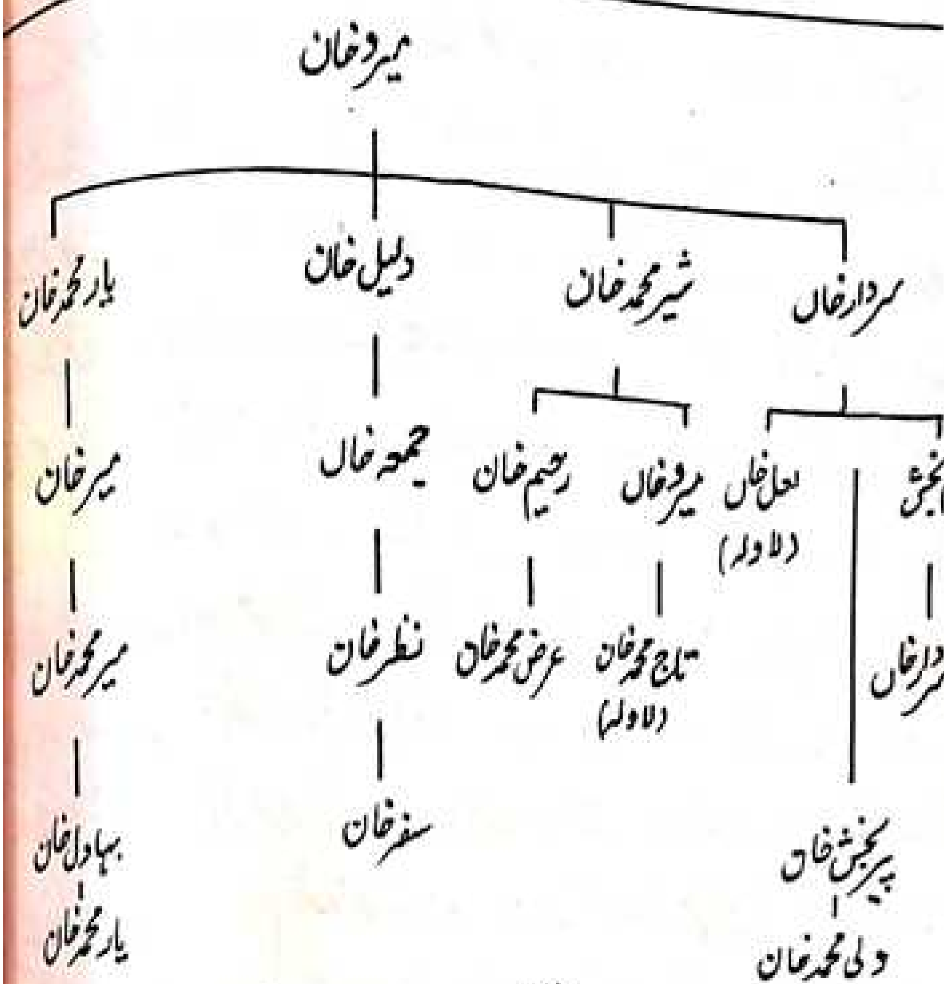

رندوں کا قبیلہ ۶۸ فرقوں میں تقسیم ہے اور وہ اس طرح ہیں

(۱) رند (۲) چاکرانی (۳) میرانی (جو میر شہداد خان کی اولاد میں سے ہیں) (۴) لشہ دادی (۵) میر دادی (۶) بجارانی (۷) بگرانی (۸) نوحانی (۹) محمدانی (۱۰) ڈومبکی (۱۱) ابراہیمانی (۱۲) ریجانی (۱۳) نوشیروانی (۱۴) عالیانی (۱۵) سندرانی (۱۶) ہیبتانی (۱۷) نندوانی (۱۸) حیدرانی (۱۹) گورجانی (۲۰) فروزئی (۲۱) کھیازئی (۲۲) مریدانی (۲۳) قیصرانی (۲۴) جمالانی (۲۵) لیغاری (۲۶) کلوئی (۲۷) جبکانی (۲۸) فروزانی (۲۹) عمر نوحکانی (۳۰) رخشانی (۳۱) مزاری (۳۲) مرانی (۳۳) سیاہ کف (۳۴) قلتی (۳۵) بلیفت (۳۶) جنگلانی (۳۷) رستمانی (۳۸) سارنگانی (۳۹) آسرکانی (۴۰) مستیانی (۴۱) عمرزہ (۴۲) زید (۴۳) بابرانی (۴۴) لند (۴۵) جادوانی (۴۶) راہجہ (۴۷) گشگور (۴۸) ہوتکانی (۴۹) کہیری (۵۰) دری شہک (۵۱) عبرانی (۵۲) یوسفانی

(۵۳) محمدانی (۵۴) شہکانی (۵۵) علی خان (۵۶) گرگیج (۵۷) شاہل زئی (۵۸) پھشر (۵۹) بیاسانی (۶۰) مندوانی (۶۱) حسانی گرگینر (۶۳) جلبانی (۶۴) مسوری (۶۵) ہڈگری (۶۶) دشتی (۶۷) سبرانی۔ نوٹ ان میں (۶۸) ٹالپر بھی شامل ہیں۔ مذکورہ فرقوں کے ساتھ لفظ "نی" کے معنی ہے خانی بلوچی زبان میں خان کو حان کہتے ہیں اس طرح حیدرنی اور بندوانی معنی بندو خان کی اولاد۔ رندوں کا دوسرا قبیلہ ۳۹ فرقوں میں تقسیم ہے

(۱) چاک (۲) شہدانی (۳) رشیدانی (۴) ملکانی (۵) چھٹانی (۶) بنگلانی (۷) میر دادانی (۸) مبارکانی (۹) میرانی (۱۰) ویدادانی (۱۱) محمدانی (۱۲) حیروانی (۱۳) حسانی (۱۴) معوہنانی (۱۵) سورانی (۱۶) سالارانی (۱۷) پیر محمدانی (۱۸) قلندرانی (۱۹) بجارانی (۲۰) مزارحانی (۲۱) کملانی (۲۲) جاگوانی (۲۳) سلمانی (۲۴) توہیم خانی (۲۵) اخوندانی (۲۶) عالیانی (۲۷) شاہوانی (۲۸) ببرانانی (۲۹) حمیانی (۳۰) نوط بندیاتی (۳۱) چاروانی (۳۲) نگرانی (۳۳) جلالانی (۳۴) اسماعیلانی (۳۵) سلاماتی (۳۶) علقانی (۳۷) نگسی (۳۸) توکلانی (۳۹) منگیانی۔

دنیاری قبیلہ ۵، فرقوں پر مشتمل ہے۔

(۱) علقانی (۲) عبدیانی (۳) میرحان زئی (۴) زنگیجہ (۵) رہوانی۔

قورائی ۴، فرقوں پر مشتمل ہے۔

(۱) کورائی (۲) جامانی (۳) حبانی (۴) آلانی۔

جتوئی ۴، فرقوں پر مشتمل ہے۔

(۱) مظفرانی (۲) فتح خانی (۳) شاہدین زئی (۴) خلورانی

ہوت ۵، فرقوں پر مشتمل ہے۔

(۱) ہوت (۲) حسانی (۳) ہوتکانی (۴) نوح کانی (۵) لجزانی۔

زمانہ قدیم سے بلوچوں کے یہی قبائل مشہور چلے آتے ہیں۔ ان میں سے دوسری

شاخیں نکل کر جدا جدا ناموں سے مشہور ہوئے۔ ازاں سوائے دیگر غیر بلوچی اقوام بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور وہ بھی اپنے کو بلوچ کہلانے لگے۔ مثال کے طور پر سہرانا کے علاقہ میں جو بھی قومیں آبادگار ہیں وہ اپنے کو بلوچ کہلاتے ہیں حالانکہ وہ غیر بلوچ ہیں جیسے کہ میروزئی جو اپنے کو شیخ بلوچ کہلاتے ہیں۔ جیسے ہوتان زئی (۲) گودری جو اپنے کو حضرت امام حسینؓ کے مجاور کہلاتے ہیں۔ چولانی، دنیاری، کمبزانی، جاموانی، استھیر، باجوئی، ناصرزئی، کلوئی، آزدی، اسفائی، رامی زئی، غلام بولک، سیاہ فاذ، بزدار وغیرہ کچھی کے جٹ مکران کے جگی وغیرہ جو آج کل بلوچوں میں شامل ہیں دراصل بلوچ نہیں حقیقت اس طرح ہے کہ سابق زمانہ کے دستور لشکر کشی کے مطابق بہت سی قومیں بلوچوں کے لشکر کے ہمراہ بطمع غارتگری بلوچستان بلکہ حلب سے چل پڑی تھیں جیسے کہ سہران کے شیخوں کا دعویٰ ہے کہ وہ امام حسینؓ کے مجاور تھے۔ اور ان کا مورث اعلیٰ شاہ امین الدینؒ کے ساتھ حلب سے آیا اس وقت یہ شیوخ چھتر پھلیجی میں کہیریوں سے شامل ہیں بلوچ جب ہمایوں کے ساتھ دہلی پہنچے تو بعد فتوحات دہلی، انبالہ، دوآبہ باری اور جنوبی پنجاب و تخیر سندھ کے سرسبز مضافات کو بلوچستان کے خشک ریگستان اور بنجر پہاڑوں کو ترجیح دیکر اسی جگہ پڑے رہیں۔ اصلی بلوچ قوم یا تو اپنے وطن کو واپس ہوئی۔ یا اپنی جاگیریں جو انکو وقت کے فرمانرواؤں کی طرف سے ملی تھیں جاکر آباد ہو گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو ہمسایہ اقوام سے بالکل الگ تھلگ رکھا۔ اس وقت ان کا بلوچوں سے خفیف سا تعلق بھی ہے تو فقط اتنا کہ ان کے عادات، اطوار، خصائل، رسم ورواج، خط و خال میں اصلی بلوچوں کے کے ساتھ مماثلت پائی جاتی ہیں۔ باقی دیگر غیر بلوچی اقوام جو ان کے ساتھ ہوکر نواح ایران اور بلوچستان سے ہندوستان، سندھ لوٹ کھسوٹ کے طمع پر آئی تھیں وہ بلوچستان یا ہندوستان میں عام طور پر بلوچ مشہور ہوئے۔ مگر ان لوگوں کے رسوم ورواج خواہ

خط و خال سے وثوق کے ساتھ یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ یہ بلوچی فتوحات کی یادگاریں ہیں لوگ اس بلوچ کو شتربان سمجھنے لگے یہاں تک بلوچ اور شتربان مترادف ہو گئے۔ پنجاب میں چند گداگر پیشہ لوگ جن کا ذریعہ معاش بندروں اور ریچھوں سے کرتب کراکر اور اس طرح بھیک مانگ کر روزی کمانا ہے اپنے آپ کو بلوچ کہتے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں کو ہر لمحہ نقل مکانی کے واسطے باربرداری کے لیے اونٹوں کی ضرورت رہا کرتی ہے۔ اور پنجاب میں ہر ایک اونٹ رکھنے والے کو بلوچ کہتے ہیں۔ اس لیے یہ گداگر بندر ریچھ رکھنے والا گروہ بھی اونٹ رکھنے کے باعث بلوچ ہی کہلانے لگا ہے۔ وہ کجا بلوچ اور کجا یہ لوگ۔ یہی حال سندھ کا ہے بعض قومیں جو دراصل سندھی اور خاص کر راجپوت نسل کے ہیں بلوچوں کی ہمسایگی کی وجہ سے اپنے کو فخریہ بلوچ کہلاتے ہیں مگر خط و خال اور رسم و رواج سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلوچ نہیں۔

رند بلوچوں کے مسکن سہران کے حدود اربعہ اس طرح ہے شمال میں نی جنوب میں گاجان مشرق میں نہر سہری اور مغرب میں پہاڑ یہ علاقہ طول میں ۱۶ میل اور عرض میں فقط دو میل ہے سہران، ماچھی نھڑ، یاجوئی، سیانچ، ایران، ساوان، تقعان، بردہ، اور مجھوک مشہور گاؤں ہیں خالص رندوں کے علاوہ یہاں دوسری قومیں بھی آباد کار ہیں جیسے کہ ماچھی، تونیا، ایری، دوہوتر، بررہ، گولا، میھر، جٹ، ہندو اور کھیری شیخ جو بھاری گاؤں میں رہتے ہیں شیوخ چونکہ اپنے کو امام حسینؓ کے مجاور کہلاتے ہیں اس لیے اُن پر بیگار معاف ہے البتہ جنگ کے وقت ان میں سے چند شیوخ بطور دعا کے لشکر کے ہمراہ ہوتے تھے۔ یہاں کے پہاڑوں میں ایک پانی کا چشمہ ہے جس کو ہندو "ہری سر" تیرتھ کہتے ہیں یہ چشمہ ان کی نظر میں آب گنگا کی طرح متبرک ہے بیساکھی کے موسم میں یہاں پر اشنان کرتے ہیں سہران کی جملہ آباد ۵ ہزار ہے یہاں کی

آبادی اور زراعت کا دارو مدار سکھلیجی ندی پر منحصر ہے جو گرک پہاڑ سے نکل کر
اور گاجان کو آباد کرتی ہے دوسری زمینیں بارانی ہیں یہاں کے لوگ ان زمینوں
بند باندھ کر پانی جمع کرتے ہیں اور یہی زراعت کا طریقہ ہے بلوچی زبان میں "سہ
کے معنی سونا ہے۔ اور اس علاقہ کی زرخیزی کی وجہ سے اس کو سہران نام دیا بلوچ
پہلی مرتبہ کچھی کے علاقہ میں وارد ہوتے تب رندوں نے سیوی، ڈھاڈر کو اپنا مسکن
بنایا۔ لاشاریوں نے سُہران، گاجان، گنداواہ اور جھل کو آباد کیا بعد میں جب ان میں
تیس سالانہ جنگ ہوئی تو رندوں نے لاشاریوں کو شکست دے کر سُہران پر قبضہ
جمالیا رند بلوچ خوانین قلات کو کسی بھی قسم کا خراج نہیں دیتے تھے مگر بوقت
جنگ بطور امداد کے تقریباً ایک ہزار فوج روانہ کرتے تھے۔ رندوں کی اس اطاعت
شماری کو دیکھ کر دیگر بلوچی اقوام بھی بطور امداد کے خوانین قلات کے پرچم تلے جمع ہوا
کرتے موسم سرما میں جب خوانین کچھی میں قیام فرماتے تھے تو رندوں کے سردار انکی
ضیافت کرتے تھے خان سر خداداد خان کے عہد میں جب سرداروں نے خان کے
خلاف سرکشی اختیار کی تھی تب رندوں کے وڈیرہ میر امام بخش خان سے ایک غلام کے
قتل کے بدلے میں خان نے بڑا تاوان وصول کیا تھا موجودہ دور میں رند قلات کے
خان کو کچھ بھی خراج نہیں دیتے بلکہ یہاں کے مسند نشین سردار کو دربار قلات سے ماہوار
وظیفہ ملتا ہے۔ رندوں کے سردار کی سراوان کے سرداروں سے رشتہ داری بھی جس طرح
سردار خان رند کی اہلیہ محترمہ رئیسانی سردار ملا محمد خان کی ہمشیرہ تھی۔ اسی طرح سردار خان
رند کی ہمشیرہ ملا مرحوم کے چھوٹے بھائی فرزند عبدالرحمٰن خان سے بیاہی ہوئی تھی
اس قسم کی ہم قومی اور رشتہ داری کے علاوہ جتوئی قوم کی راحداری کی وجہ سے رندوں
اور رئیسانیوں میں بعض تکرار بھی ہوا کرتے ہیں دراصل جتوئی فرقہ زمانہ قدیم سے

رندوں کے ماتحت تھا اور بوقت جنگ یہ فرقہ رندوں کی طرف داری کیا کرتا تھا اس وقت اگرچہ جتوئیوں کے بعض مدبر رندوں سے علیٰحدہ ہیں تاہم اُن کا بڑا حصہ رندوں سے شامل ہے۔

حالات تمن ڈومبکی

بلوچی خاندان میں رندوں کے بعض ممتاز خاندان ڈومبکیوں کا ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ بلوچوں کے یہ ڈرم ہیں یعنی میراثی۔ اس قسم کے حالات غلط ہیں کیونکہ عظیم الشان بلوچی قوم کا علم الانساب اس قوم کے سینوں میں محفوظ ہے اس لیے یہ فخریہ اپنے آپ کو ڈومبکی کہلاتے ہیں مذکورہ حسن خدمات کے صلہ میں واقع وہ فخر کرنے کے لائق ہیں اگر بلوچی اشعار میں علم الانساب کا دفتر ڈومبکیوں کے پاس نہ ہوتا تو خدا نخواست بلوچی تاریخ پردہ تاریکی میں گمنام رہ جاتی چنانچہ یہ ڈومبکیوں کے "دفتر شعر" کا احسان ہے کہ اخوند محمد صدیق خان، رائے بہادر ہیتورام، سی۔ آئی۔ ای، سردار غلام رسول خان قرائی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی اور اس ناچیز کو بلوچی تاریخ کے متعلق خامہ فرسائی کا موقعہ ملا۔ اسی طرح مغربی محققین اور مورخین خواہ سیاحوں نے اِس وقت تک جو بھی بلوچستان کے متعلق تاریخی سرمایہ جمع کیا ہے انہوں نے ڈومبکیوں کے دفتر شعر کو بہترین سند تسلیم کر لیا ہے۔ اگر کپتان لیچ، میجر ٹمپل، ایل ڈمیس یا مُنجر، ماسن، اے برنس، کرنل سرالڈرچ، کپتان منگگریر، پادری میئر، اے ڈبلیو ھگس HUGHES ڈاکٹر گریرسن، ڈاکٹر میٹیئر یا پروفیسر رالنسن کے دفاتر کی ورق گردانی کی جائے تو ڈومبکیوں کا "دفتر شعر" مقدم نظر آتا ہے۔ ڈومبکیوں کی بلوچوں میں کیا حیثیت ہے اس کے متعلق اتنا کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جس طرح عرب میں قبل اسلام کے عرب کے قبائل میں بنی کندہ خاندان میں سے امرأ القیس نامور شاعر ہو گزرے ہیں جو ایک شہزادہ تھا اس کے قصیدہ عدیم المثال ہونے کے باعث خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا تھا کہ کسی کو دعویٰ ہو تو اس کے جوڑ

کی نظم پیش کرے۔ عرب کی شاعری میں زیادہ تر نسب پر فخر کیا گیا ہے۔ شعرا نسب کو بلند رکھنے کا حق ادا کرتے تھے حضرت سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام خشک مزاج نہ تھے فرصت میں دربارِ رسالت میں شعر و شاعری کا چرچا بھی رہتا تھا حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ وہ شاعر تھے جو کفار کے نسب پر حملہ کرتے تھے حضرت ابوبکرؓ علم الانساب کے بہترین ماہر تھے اور حضرت عمر الفاروقؓ بہترین نقاد شناس تھے اس قسم کی شاعری کا چرچا عربوں میں اسلام سے پہلے وہاں کے میلوں اور جنگوں کے موقع پر اکثر ہوا کرتا تھا اور یہ سلسلہ اسلام کے بعد بھی جاری رہا۔ اسلام نے جاہلیت کی شاعری کا رنگ بدل دیا بلوچوں میں ڈومبکی وہ بادشاہ زادے ہیں جن کے دفتر۔ شعر سے بلوچوں کے نسبی امتیاز اور اسلامی دور کی تاریخ کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اگر اس شعر کی اہمیت کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ بلوچ قبل اسلام حجاز کے ممتاز عرب قریش کے فرزند میں امیر حمزہؓ کی پشت سے وہ اسلام کے ظہور کے وقت زیور ایمان سے آراستہ تھے پھر حلب سے لے کر بلوچستان تک اُن کی ہجرت اور نوآبادیوں کا ذکر ہے غرض علم الانساب اور علم التاریخ کے متعلق ایک ایسا شعر ہے جس کا سہرا ڈومبکیوں کے سر پر ہے۔ یہ وہ شعر ہے کہ جس کا جنرل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے خیر مقدم کیا۔ اگر سردار میر سہراب خان ڈومبکی تمندار اپنا دفتر رائے بہادر ہیتو رام کو پیش نہ کرتے تو شاید اس وقت تک بلوچی عدم پیدا ہوتی۔ شاید میری کتاب کے اوراق پریشان جمع نہ ہوتے۔ اس شعر کے شائع ہونے کے بعد لنڈن کی جغرافیکل و دیگر علمی سوسائٹیوں میں تھلکہ مچ گیا۔ میری مرضی ہے کہ یہ گذشتہ فنا شدہ محفلیں پھر دوبارہ زندہ ہوں یا یہ مجھ کو کوئی بھی ادیب یا مورخ یا فلاں سافر خواہ محقق اس دفتر بلوچی سے انکار کر نہیں سکتا[1] غرض جو بھی

---

[1] عربی شاعری کے لیے دیکھو کتاب العمدہ علامہ ابن رشیق قیروانی جلد اول طبقات الشعراء باب ۱۲ صفحہ ۹

ادیب یا مورخ بلوچی شعر یا تاریخ پر قلم اٹھائے گا وہ ڈومبکیوں کے زیر بار احسان ہے
کہ جس طرح دفتر شعر اسلام کے زمانہ پر روشنی ڈالتا ہے اس طرح قبل اسلام بلوچوں کی
تاریخ کا پتہ اور قدامت کا سرمایہ شام، روم، اشور، میڈیا، ایران کے دفاتر میں پوشیدہ ہے مجھے
بلوچی شاعری کی قدامت کو ایس جولسن S. JULIEN کی کتاب "ہوئن تھسانگ"
HIOUEN THSANG (PARIS) 1857 VOL. I جلد اول اور فاؤچر FOUCHER کی
کتاب "لی آرٹ" گریکو بدھک L, ART GRECO-BOUDDHIQUE (PARIS) 1905
میں دیکھ کر سخت تعجب ہوا غرض زلف پریشان کے کس کس تار کو گنا جائے۔ آج
بلوچی بزم ادب نہایت ہی سرد ہے۔ اگر خزاں زندہ برگ و گل کو اکٹھا کیا جائے تو
اب بھی اچھا گلدستہ بن سکتے ہیں اور ہر ایک برگ و گل زلف پریشان کے بالوں
کی طرح عنبریں بھی نہیں تھوڑی سی قلم کو جنبش دی جائے زلف پریشان عارض گل سے
لگ کر گلشن کو آگ لگا سکتا ہے امید ہے کہ ان تھوڑی سی سطروں کو پڑھ کر طیور
مسیح خوان آتش بجان ہو سکتے ہیں۔ اہل ایمان جتنا مصائب میں گرفتار رہو گا اتنا
بیداری کا سامان پیدا ہو گا۔

بقیہ:۔ لا ابن قتیبہ، فن شاعری کا رتبہ کیا تھا اور بلوچی دفتر شعر کو معلوم کرنے سے پہلے مقالات شبلی جلد دوم
باب "شعر العرب" ص ۲۹، ۲۸ کو پڑھنا ایک ادیب اور مورخ کے لیے ضروری ہے اور ڈومبکی
دفتر شعر کے لیے ہم ایل ڈیمس صاحب کے مشکور ہیں جنہوں نے کتاب پاپولر پوئٹری آف دی بلوچ میں ۱۹۰۷ء
میں لنڈن میں شائع کرایا اس سے پہلے ۱۸۸۱ء میں "جرنل آف دی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے ایل ڈیمس
صاحب کی معرفت شائع کیا تھا دنیا پہلی مرتبہ بلوچی نسب سے واقف ہوئی سنہ ۱۹۳۶ء میں مصنف نے
چوتھی دفعہ شائع کر دیا دیکھو مختصر تاریخ بلوچستان سندھی ۱۹۴۱ء۔

رسولؐ اللہ خود گرتے ہوؤں کو تھام لیتے ہیں
تجھے اے بے خبر ہر وقت موقع ہے سنبھلنے کا

ڈومبکیوں کو علم انساب نے بڑے بڑے رتبے دلائے عیسوی ۱۸ ادیں صدی میں میر نصیر خان اعظم کے دربار میں جام درک جو "ملک الشعراء" اور دربار کا شاعر تھا ڈومبکی تھا اور بلوچی دنیا میں آخری دور کا "ملک الشعراء" مرزا احمد علی صاحب مرحوم "احمد" ہو گزرے ہیں یہ تمام بیانات میں نے بلوچ سیریز نمبر ۲ کے لیے محفوظ رکھے تھے مگر ڈومبکیوں کے احسان کو فراموش کرنا محال ہے۔ اس لیے مجبوراً وضاحت سے اُن کے امتیاز کو بیان کرنا ضروری امر ہے۔

ڈومبکیوں کا صدر مقام لاھڑی ہے۔ اس پر لاھڑی نام رندوں کے فرقہ لاھڑی کے سبب پڑا۔ آج لاھڑی براہوئی شمار ہوتے ہیں ان کا موجودہ سردار بھرام خان لاھڑی ریاست قلات کا وزیر عدالت ہے۔ یہ لاھڑی رند ہیں۔ ڈومبکیوں کا علاقہ مری اور بگٹی علاقہ جات کے متصل ہے کسی زمانہ میں یہ علاقہ سیوی کے باروزئی والوں کے ماتحت تھا مگر بعد میں خوانین قلات کے ماتحت ہو گیا۔ یہاں ریاست قلات کی طرف سے نائب رہتا تھا۔ یہاں ڈومبکیوں کی قدیم زمانہ کی جاگیریں ہیں جن میں نائب کو دست اندازی کرنے کا حق نہیں۔ ڈومبکیوں کی مری اور بگٹیوں سے رشتہ داری ہے۔ وہ اپنے قوت بازو سے اپنا گزران کرتے ہیں۔ یہاں کی آبادی کا دارومدار برسات پر منحصر ہے۔

ڈومبکیوں میں دو فرقے (۱) وزیرانی (۲) جکھرانی مشہور رہیں۔ انگریزوں نے جب سندھ پر ۱۸۴۳ء میں قبضہ کیا تھا اس زمانے میں میر بجیر خان وزیرانی مشہور سرحدی راہزن ہو گزرا ہے۔ بڑی مشکل سے انگریزوں نے اس کو قابو میں کیا۔ مری، بگٹی اور

ڈومبکی ہمیشہ آپس میں برسر پیکار رہتے تھے۔ مگر جب بھی انگریزوں کو مقابلہ کرنا ہوتا تھا تو فریقین آپس میں یک مشت ہو جاتے تھے ۱۸۳۹ء میں لارڈ اکلنڈ وائسرائے ہند کے زمانہ میں جب انگریزوں نے شاہ شجاع کو کابل کے تخت پر بٹھانے کے لیے سندھ اور کچھی سے کابل کو فوج جنرل کاٹن کے ماتحت روانہ کی۔ تب انگریزی فوجوں کے قافلوں پر مذکورہ تینوں بلوچ قوموں نے خانگڑھ سے لے کر ڈھاڈر تک خوب ہاتھ صاف کئے اس سے پہلے پروانہ راہداری حاصل کرنے کے لیے کپتان برنس پہلے محراب خان کے دربار میں پہنچ چکا تھا اس مہم میں اگر گنداواہ کے خان سردار سید محمد شریف اور مُلا رمضان انگریزی لشکر اور انگریزی عملداروں کی امداد نہ کرتے تو شاید مری، بگٹی، اور ڈومبکی ناڑی، کچھی اور درہ بولان تک انگریزی فوج کا ناک میں دم کر دیتے۔ کیونکہ ان میدانوں میں پانی کی قلت تھی اور انگریزوں کے بار برداری کا جانور بالکل تھک چکے تھے ۲۹ جنوری ۱۸۳۹ء میں انگریزی لشکر سندھ کے قلعہ بھکر کو فتح کر کے ۲۳ فروری کو اس نے آندھی کی طرح شکارپور سے کوچ کیا شکارپور سے ڈھاڈر ۱۴۶ میلوں کے فاصلے پر تھا یہ تمام دشوار صحرائی میدان انگریزوں ۱۶ منزلوں پر طے کئے۔ ۱۰ مارچ کو یہ لشکر ڈھاڈر پہنچا غرض دو ماہ تک بلوچوں نے وہ کام کیا کہ سارا میدان انگریزی جانوروں کی لاشوں سے اٹ گیا۔ بلوچوں نے بے شمار لوٹ مار کر کے اسباب پر قبضہ کیا۔ جب انگریز بلوچستان پر قابض ہو گئے تب سیوی اور لاھڑی کے سرحدی انتظام کے لیے انگریزی حکومت نے ڈومبکیوں کے تمندار سہراب خان کو ایک پولیس کا دستہ حفاظت کے لیے دیا

اور جمعدار کا عہدہ رکھتا تھا۔ اُس کے بعد اُس کا فرزند میر محراب خان ڈومبکی کا جمعدار ہوا۔ اس نے تھل اور چھوٹالی کے پولیٹیکل ایجنٹ کے ماتحت رہ کر حسن خدمات کا ثبوت دیا۔ سر رابرٹ سنڈیمن جب سرحدی ڈیرہ جات کا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوا اُس وقت محراب خان اس کے ہمرکاب تھا۔ ۱۸۸۰ء میں جب مریوں کے چند فرقوں نے بغاوت اختیار کی تب محراب خان ڈومبکی نے امن وامان کو بحال رکھنے کے لیے انگریزوں کی طرفداری کی۔[۱]

ڈومبکیوں کے سردار اکثر شیعہ کہلاتے تھے چنانچہ وہ اس اپنی قدیم روایتوں کے مطابق اپنے کو حضرت علیؓ کے مرید سمجھتے ہیں۔[۱] لاشاریوں کی شکست کی یادگار میں انہوں نے بھاگ شہر سے ۶ میل کے فاصلہ پر ایک نیا شہر "فتح پور" تعمیر کیا جس کے کھنڈر آج بھی "بام چاکر" کے نام سے مشہور ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ قمبرانی، گرگناڑی، سماعلانی، میروانی، کرد، شہوانی، بنگلزئی قومیں جو آج کل براہوئی کہلاتی ہیں دراصل رند ہیں۔ ڈومبکیوں کا نسب نامہ اس طرح ہے سہراب خان بن بلوچ خان بن جلال خان بن میر شہداد خان بن جلال خان بن میر دخان بن کھبعت خان بن بلوچ خان بن میر دخان بن بلوچ خان بن محمد خان بن میر دخان بن محمد خان بن میر حسن بن الحاق میر

۱۔ رائے بہادر ہتیو رام جب پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے بعد ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے تب ۱۸ ستمبر ۱۸۹۹ء عبدالحق ولد قاضی نصراللہ خان نے ان کو ڈومبکیوں کا دفتر نقل کر کے حوالے کیا جو رائے بہادر نے تاریخ بلوچستان ۱۹۰۷ء میں ص ۶۳ سے لے کر ۸۳ تک لفظ بلفظ درج کیا ہے اور وہ فارسی میں ہے۔ اسی طرح آخوندزادہ محمد صدیق کے بیانات جو فارسی میں ہیں اُن کی تاریخ میں لفظ بلفظ درج ہے۔

اسحاق کو دو لڑکے ہوئے میر شہک اور میر حسن شہک سے میر چاکر خان پیدا ہوا اور میر حسن کو پانچ لڑکے ہوئے تھے جو سب بے اولاد تھے باقی میر محمد اور میر ابراہیم کو اولاد ہوئی محمد کی اولاد محمدانی اور ابراہیم کی اولاد براہمانی کہلائے۔

حالات تمن مری

شروعات میں اس تمن کی سرداری کی دستار میر بجار خان کے سر پر تھی اسی سے بجرانی تمن کی ابتدا ہوئی اور میر چاکر جب دہلی کو روانہ ہوا اس زمانہ میں مری بلوچ بجرانی کہلاتے تھے میر بجار خان نے ہندوستان جانے کو انکار کر دیا اس خلاف عمل کر کے میر چاکر نے اُس کو "مری" کا نام دیا جس کے معنی ہیں "جن" یعنی تو انسان نہیں بلکہ جن ہے اسی وجہ سے اس جرار بلوچی قوم پر مری نام پڑا۔ مکران کے مختلف خطوں میں آج بھی جن زدہ کو "مری" کہا جاتا ہے۔ میر بجار خان نے اپنا صدر مقام کاہان بنایا اس وقت اس کے پاس فقط ایک سو جانباز تھے اس زمانہ میں نوتھ نامی بگٹی نے شوران کے سیاہ آف ندی پر آ کر سکونت اختیار کی تھی[1]

بجار خان کے مرنے کے بعد اس کا فرزند آزاد خان تمندار ہوا وہ بے اولاد مر گیا۔ اس لیے سرداری کا حق دار اس کا چچا درویش خان ہوا۔ مگر جیسا کہ اس کا نام درویش تھا ویسے سست بھی تھا یہی وجہ ہے کہ اس کے وزیر عالیانی نے اس سے سرداری چھین لی مریوں کے تمن میں اس زمانہ میں ایک گزن خان نے آ کر سکونت اختیار کی وہ تمبلہ چار بھائی تھے کسی درویش کامل کی دعا سے چاروں بھائی عقلمند اور بخت

---

[1] سعران کے نہر سکھلیں جس کا بیان رندوں کے باب میں دے چکے ہیں۔ اس نہر کو بلوچ عام طور پر "سیاہ آف" کہتے ہیں۔

والے ثابت ہوئے۔ مثال کے طور پر ان میں زین الدین بلیدیوں کے تمن کا سردار ہوا۔ عمر خان نے تمبو مقام بھاگ ناڑی میں سرداری حاصل کی اسی عمر خان سے عمرانی فرقہ مشہور ہوا۔ گزن خان پر بھی جلد اقبال نے سایہ کیا چنانچہ اس کی خداداد ذہانت اور عقلمندی کو دیکھ کر وزیر عالیانی نے اپنی لڑکی کا اس سے بیاہ کیا اس کو اس خاتون کے بطن سے ایک لڑکا پھیزک خان پیدا ہوا اور وزیر کے مرنے کے بعد بموجب وصیت پھیزک خان کی رسم دستار بندی ادا کی گئی۔ اس وزیر کی اولاد "وزیرانی" مشہور ہوئی اور گزن خان کی اولاد "گزنی" مشہور ہوئے۔ پھیزک خان کے مرنے کے بعد سرداری کا وارث قیصر خان ہوا۔ وہ مرتے وقت ایک صغیر لڑکا درو خان نامی چھوڑ گیا۔ اس لیے صغیر السن لڑکے کی جگہ قیصر خان کا بھتیجا بوڑیر خان سرداری کی مسند کا وارث ہوا۔ اس کے سرداری کے عہد میں رامزئی بگٹی دلاور خان نامی کسی سبب کر کے بگٹی تمن سے ناراض ہو کر مریوں کے علاقہ میں اکر سکونت اختیار کی مگر بندل نوذبندگانی جس کی اولاد نوذبندگانی کہلائے۔ اس نے مہکانی مریوں کو ساتھ لے کر دلاور خان بگٹی پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر کے اور اس کا تمام تر اسباب چھین لیا اس واقعہ کے بعد مریوں کا سردار دوست علی خان ہوا۔ اس نے مہکانی مریوں سے بدلہ لینے کے لیے۔ اُن پر حملہ کیا۔ بہت سے مہکانی مری قلات اور سندھ کو بھاگ گئے اس زمانہ میں میاں نور محمد کلھوڑہ کی کچھی پر صاحبی تھی اور میاں نور محمد کا نائب مراد خان کچھی پر حکومت کرتا تھا۔(۱) کلھوڑے عباسی کہلاتے تھے۔ اُن کی پیری اور

---

(۱)۔ مغل شہنشاہان دہلی کی کمزوری سے کلھوڑے سندھ پر قابض ہوگئے انہوں نے ۱۷۳۶ء سے لے کر ۱۷۸۱ء تک سندھ پر قابض رہے۔

مریدی کا سلسلہ دہلی سے لے کر کچھی تک تھا۔ اس عقیدت مندی کی وجہ سے جھل کے مگسیوں کا میاں نور محمد سے رشتہ بھی تھا اس کے علاوہ کچھی کے بہت سے زمیندار بھی کلہوڑوں کے طرف دار ہو گئے۔ اس کے بعد جب میاں نور محمد نے قلات کے خان فاتح عبداللہ خاں کو شکست دی اُس وقت میر دوست علی خان مری نے کلہوڑوں پر کچھی کے مقام پر یلغار کی مگر وہ شہید ہو گیا اس کے بعد اس کا لڑکا مریوں کا تمندار ہوا اُس کے تین لڑکے تھے۔ اور اُن سب کی اولاد ہوئی۔ مثال کے طور پر بہاول خان کے سات لڑکے تھے وہ بہاول زئی کہلائے عیسیٰ کی اولاد عیسوانی کہلائے اُن دنوں میں مزارانی مری جو دراصل کھتران کے تمن میں رہتے تھے اپنے تمن کو خیرباد کہہ کر مریوں کے تمن میں آکر بسنے لگے پھر مویشی لے کر درہ بولان کو مسکن بنایا قلات کے خان ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا وہ درہ بولان کی حفاظت پر مامور ہو گئے اس کے بعد جب سر سنڈیمن صاحب کا زمانہ آیا تب مزارانی مریوں کی دیگر مریوں سے صلح ہوئی اور وہ مری علاقہ میں رہنے پر آمادہ ہو گئے۔ بہاول خان کے بعد اس کا لڑکا مبارک خان گدی نشین ہوا جو حسنی کے معرکے میں شہید ہوا اس کے بعد دودا خان تمندار ہوا جس کا نام بلوچی کارناموں میں ایک یادگار ہے مریوں کا شجرہ بہاول خان سے ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

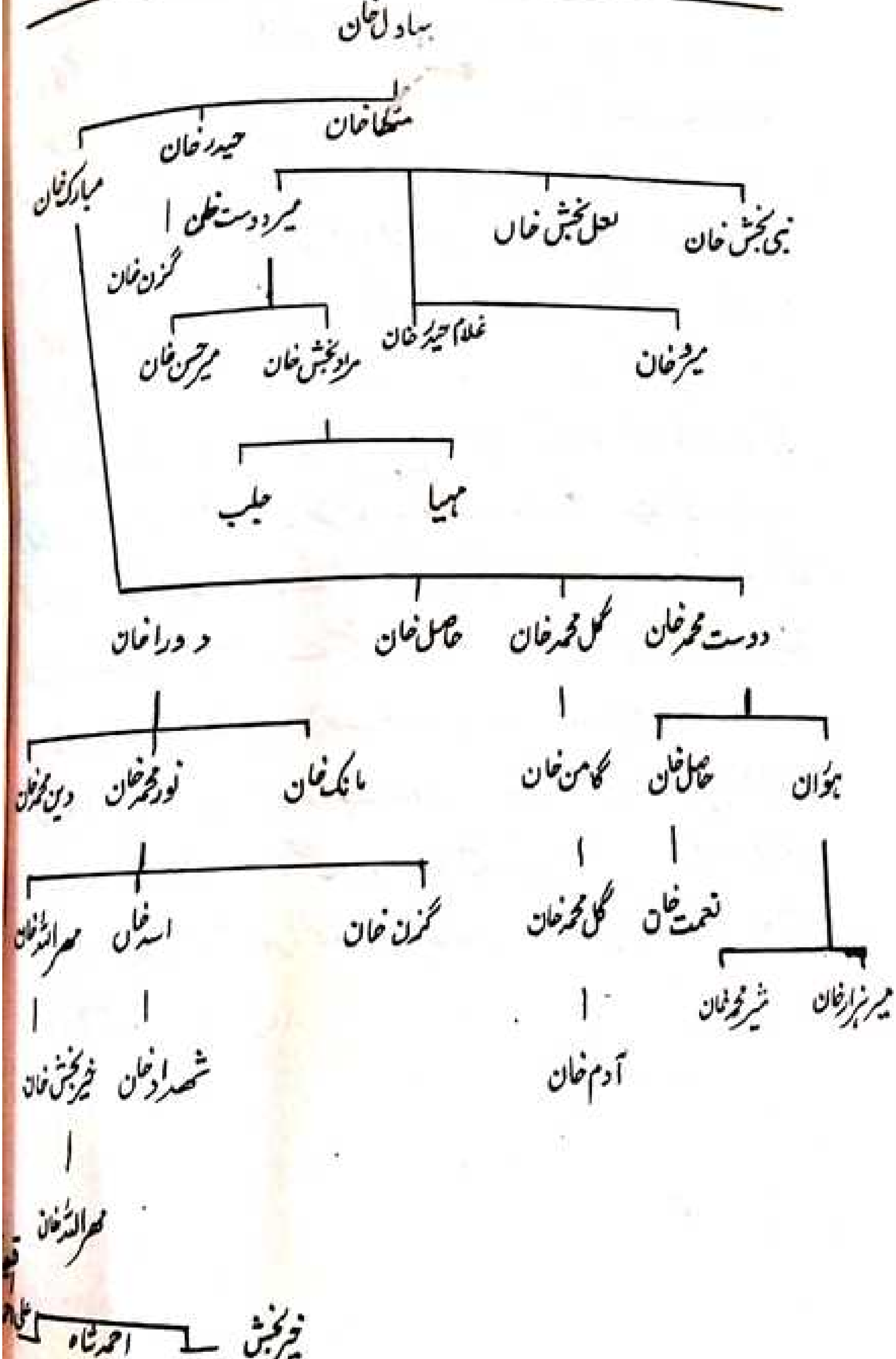
بساول خان
منگا خان
حیدر خان
مبارک خان
میر دوست خان
گزن خان
لعل بخش خان
نبی بخش خان
میر حسن خان
مراد بخش خان
غلام حیدر خان
میرشر خان
حلب
مہیا
دودا خان
حاصل خان
گل محمد خان
دوست محمد خان
دین محمد خان
نور محمد خان
مانک خان
گامن خان
حاصل خان
ہوان
نصر اللہ خان
اسد خان
گزن خان
گل محمد خان
نعمت خان
میر ہزار خان
شیر محمد خان
خیر بخش خان
شہداد خان
آدم خان
نصر اللہ خان
خیر بخش
احمد شاہ
علی

۱۹۱۰ء کی ایک رپورٹ کے مطابق مریوں کی تعداد ...۱۱ تھی اب ان کی تعداد زیادہ ہوگی. وہ بلوچستان ایجنسی کے ماتحت ہیں. ان کے چار فرقے ہیں (۱) گزنی (۲) لوہارانی (۳) بجارانی (۴) مزارانی پھران کی جدا جدا شاخیں اس طرح ہیں:۔

گزن —— (۱) بہادلان زئی (۲) مصندانی (۳) لانگھانی (۴) نوذبندگانی (۵) جروار (۶) چھلگری (۷) علیانی (۸) لوڑی کش (۹) مہکانی (۱۰) گرانی (۱۱) نوہک میوانی (۱۲) ٹھنیگانی:۔

لوہارانی —— (۱) کندرانی (۲) گوازانی (۳) شیرلانی (۴) محمدانی

بجارانی —— (۱) کلندرانی (۲) سومرانی (۳) سالارانی (۴) راحمکانی (۵) پواھدی (۶) کھکرانی (۷) کلوانی (۸) پھترانی (۹) شاہیجہ

مزارانی —— (۱) فوجانی (۲) ہندوانی (۳) ملکانی (۴) رندوانی:۔

انگریزوں سے جنگ

۱۸۳۹ء میں لارڈ آکلنڈ وائسرائے ہند کے زمانہ میں افغانستان سے پہلی جنگ شروع ہوئی انگریزوں نے درہ بولان سے فوجوں کو قندہار جانے کی ضرورت محسوس ہوئی یہ فوج لارڈ کین LORD KEAN کے ماتحت روانہ ہوئی یہ فوج جب شکارپور سے ہوکر کچھی میں داخل ہوئی تو ڈومبکی، جکھرانی اور بگٹی بلوچ قبائل نے اس کو لوٹنا شروع کیا انکی سرکوبی کے لیے انگریز نے میجر ٹی. آر بلا مور T-R-BILLAMORE کو روانہ کیا ڈومبکی اور جکھرانیوں نے شکست کھائی. ان کے سردار میر بجار خان نے بگٹی کے پہاڑوں میں آکر پناہ لی تب کر کے انگریزی لشکر نے ڈیرہ بگٹی کو لوٹ لیا اور بگٹیوں کے سردار بیبرک خان کو قید کر کے سندھ روانہ کیا ۲۹ دسمبر انگریزی فوج مریوں کے تخت گاہ شہر کاہان پر حملہ کیا مریوں نے پہاڑ کے تمام تر دروں کو بند کر دیا ۱۸۴۰ء کی شروعات

میں کپتان ایل براؤن L. BROWN نے کاہان کا محاصرہ کیا دودا خان مری کا لڑکا دین محمد خان نے کمال ہمت سے سرتاف درہ کی ناکہ بندی کر دی اس پہلی مہم میں لیفٹیننٹ کلرک CLARKE مارا گیا خود کپتان براؤن جو کاہان کے قلعہ پر قابض تھا اشیائے خوردنی کی کمی کی وجہ سے تنگ آکر اپنے ہمراہ خیر محمد خان رند کو دودا خان مری کے پاس صلح کے لیے روانہ کیا۔ مریوں نے سرتاف کے مقام نفسک کھنڈ غ کے پہاڑی راستوں کی اس قدر ناکہ بندی کر دی کہ انگریزی لشکر کو پانی کی سخت قلت محسوس ہوئی وہ اس پہاڑی علاقہ اور پیچدار راستوں اور گھاٹیوں سے بالکل ناواقف تھے دودا خان مری نے اس شرط پر صلح کرنے پر آمادہ ہوا کہ پہلے انگریز کاہان کو خالی کر کے نکل جائیں اس نے اپنے بھتیجے گامن خان کو بطور سفیر کے کپتان براؤن کے پاس روانہ کیا آخر لاھڑی کے پولیٹیکل ایجنٹ راس بیل RASSBELL نے مریوں کے وفد کو صلح کرنے کی دعوت دی۔ دودا خان مری نے اپنی طرف سے دو نمائندے گل حسن خان اور لعل بیگ کو ایجنٹ کی طرف روانہ کیا جن کو برٹش ایجنٹ کے خلقیس عنایت کی افسوس! کہ اُس وقت دودا خان نے وفات کی:۔

ڈومبکی اور جکھرانیوں کا انگریزوں کے سامنے جھکنا

دودا خان کے بعد

اُس کا فرزند دین محمد خان جانشین ہوا۔ انگریز کا پلہ بھاری تھا۔ ایک طرف انہوں نے سندھ کے ٹالپر بلوچ امیروں کو شکست دیکر سندھ پر قبضہ کیا تھا خیرپور کے ٹالپر میر بھی زیر بار ہو چکے تھے۔ انگریزوں نے قلات پر حملہ کر کے براہوئی خان محراب خان کو شہید کر کے قلات پر قبضہ جما لیا تھا۔ خان محراب خان کا لڑکا میر نصیر خان ثانی جو قلات کی میری کا حقیقی وارث تھا وہ صغیر السن تھا بلوچستان کے جتنے بھی سردار

تھے ان کی آپس میں نااتفاقی تھی۔ اس لیے مری کے پہاڑوں سے لے کر ڈیرہ جات پنجاب تک جتنے بھی بلوچی قبائل آباد گار تھے جن میں ڈومبکی، جکھرانی، مری، بگٹی اور مزاری شامل تھے وہ سندھ کے سرحدی علاقوں اور رنجیت سنگھ پنجاب کے سکھ حاکم کے خلاف تھے۔ جب ان کو موقعہ ملتا تھا یہ قبائل غارتگری کرتے تھے تمام سراوان کے سردار اس کے علاوہ کاکڑ اور جیک KUJAK پٹھان قبائل بھی انگریز (فرنگی) کے خلاف ہو گئے تھے۔ انگریزوں کی حالت افغانستان میں نازک ہو چکی تھی۔ برٹش ایجنٹ جو قلات اور کوئٹہ میں مقیم تھے ان کو درہ بولان کی شاہراہ پر مریوں کے قبضہ کا خوف تھا دیوان ساون مل جو رنجیت سنگھ کی طرف سے ملتان کا حاکم تھا اس نے دودا خان مری کو درہ بولان پر قبضہ کرنے کے لیے ابھارنا شروع کیا تھا۔ ۱۸۴۴ء ۱۸۴۵ء میں سندھ فتح کرنے کے بعد میجر جنرل سر چارلس نیپیر SIR.C.NAPIER سندھ کی سرحد کو بچانے کی خاطر پہلے ڈومبکیوں اور جکھرانیوں پر فوج کشی کی۔ ان بلوچوں کے انگریزی لشکر کے راستے بند کر دیئے گئے تھے اس لیے میر بجار خان وزیرانی اور جکھرانیوں کے سردار درہن خان نے شکست مجبوراً قبول کر لی۔ جن کو انگریز نے ریاست قلات کی حدود سے نکال کر سندھ کو روانہ کیا ۱۸۵۴ء میں میر نصیر خان ثانی اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا اس میں یہ شرط تھی کہ خان قلات تجارت کی حفاظت کرے گا اور اس کے عوض پچاس ہزار روپیہ سالانہ انگریز خان کو دیں گے۔ اس معاہدہ کے مطابق میجر جان جیکب JACOB نے MON

انگریزوں کی طرف سے سندھ کے سرحدی علاقہ کا پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوا جس نے جان گڑھ پر موجودہ نام جیکب آباد رکھا۔؎

اس عہد نامہ کو پایۂ تکمیل کو پہنچانے کی خاطر خان آف قلات نے بھاگ کے مقام پر ایک دربار منعقد کی جہاں مری اور بگٹی تمنداروں کو دعوت دیکر بلوایا اور آئندہ کے امن وامان برقرار رکھنے کے لیے بگٹیوں اور مریوں کے صدر مقامات ڈیرہ بیبرک اور کاہان میں فوجی چوکیاں قائم کردائیں۔ اس کے عوض ان بلوچی قبائل کے تمنداروں کو عہدے بھی دیئے مگر نتیجہ خوشگوار نہ نکلا:۔

خان خداداد خان کا مریوں پر حملہ

۱۸۵۶ء میں میر نصیر خان ثانی نے وفات کی اس کا بھائی خان خداداد خان قلات کے تخت پر بیٹھا۔ مریوں نے پھر دستور کے موافق ریاست قلات اور سندھ پر حملے شروع کر دیئے ۱۸۵۹ء میں کرنل جان جیکب پولیٹیکل ایجنٹ کے مشورہ سے معاہدہ کے مطابق خان نے مریوں پر حملہ کیا اس اثناء میں کرنل جیکب مرگیا اور اس کی جگہ ہنری گرین پولیٹیکل ایجنٹ سرحد مقرر ہوا اور دین محمد خان براہی عدم ہو چکا تھا اس کا بھائی نور محمد تمندار تھا وہ خان کے خوف سے کاہان کو چھوڑ کر افغانی علاقہ کے شادوزئی افغانوں کے پاس جاکر پناہ گزین ہوا خان نے اس کی غیر حاضری میں گل محمد گزنی و دیگر سرآوردہ مریوں کو بطور یرغمال

؎: خان گڑھ سندھ کی سرحد پر پہلے ایک چھوٹا گاؤں ہوتا تھا میجر جان جیکب نے یہاں چھاؤنی ڈالکر اس پر جیکب آباد نام رکھا آج کل یہ شہر اپر سندھ یعنی بالائی سندھ کا ایک ضلع ہے، یہ شہر غلہ کی منڈی ہے اور ہر سال یہاں میلہ اسپان لگتا ہے۔

کے اپنے ساتھ لے گیا۔ نور محمد خان کے بعد اس کا لڑکا گزن تمندار ہوا ۱۸۲۲ء میں دوسری مرتبہ خان نے مریوں پر فوج کشی کی مگر فضا میں کسی بھی قسم کی تبدیلی ہونہ سکی نتیجہ یہ نکلا کر انگریزوں نے پچاس ہزار روپے خان کو سالانہ دینا بند کر دیا پھر کیا تھا کچھی کا میدانی علاقہ مریوں کے لیے شکارگاہ بن گیا ان کی خان قلات اور انگریز سے دشمنی پیدا ہونے کی وجہ سے ان کے تمام راستے بند ہو گئے مگر جب بھی اُن کو موقعہ ملتا تھا وہ سندھ پر حملہ کرتے تھے۔

رنجیت سنگھ کے بعد

ڈیرہ جات کے دو علاقہ ہرند اور داجل جو پہلے خان قلات کے ماتحت تھے جن پر رنجیت سنگھ نے قبضہ کر کے خالصہ حکومت میں شامل کر دیئے تھے۔ اب وہاں کی حالت بدلنے لگی چنانچہ رنجیت سنگھ کے مرنے کے جلد ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے پنجاب پر بھی قبضہ کر لیا مگر پنجاب کی مغربی سرحد پر اسی میلوں تک مشوری شنبانی (بگٹی) اور لوہارانی (مری) پھیلے ہوئے تھے اور یہ ڈیرہ غازی خان اور مٹھن کوٹ تک لوٹ مار کرتے تھے۔ یہ بلوچ ظاہری خان قلات کی رعایا شمار ہوتے تھے مگر دراصل خان کا انہوں نے ناک میں دم کر رکھا تھا اس لیے انگریزوں نے راجن پور کے پولیٹیکل اسسٹنٹ کی معرفت ان بلوچوں کے تمنداروں سے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ لیفٹیننٹ بروس BRUCE نے گہرام خان شنبانی، کھٹو خان مشوری اور عالم خان کہلیر اور دیگر بلوچی رئیسوں کو ملیشیا فوج میں عہدے دیئے یہی صلح کا راستہ تھا۔ یہ بلوچ ایک طرف انگریز کی ملازمت میں تھے دوسری طرف چوری بھی کراتے تھے ۱۸۵۷ء میں غدر کے زمانہ میں بگٹیوں نے راجن کو لوٹ کر اسباب کھتران کو بیچ ڈالا انگریزوں نے کھتران پر دباؤ

ڈال کر لوٹ کا اسباب مریوں سے لے کر حوالے کر دے مگر خان نے صاف جواب دیا کہ یہ قوم اگرچہ میری رعایا میں شمار ہوتی ہے مگر خود مختار ہے ۱۸۷۶ء میں گزن خان نے وفات کی اُس کا بھائی مہراللہ خان تمندار ہوا :-

جنگ افغانستان کے بعد

جنگ افغانستان کے بعد سیوی کا علاقہ انگریز کے قبضہ میں ہو گیا۔ ناڑی، ہرنائی ریلوے لائن کا کام شروع ہو گیا ساتھی ٹھنگانی اور بجارانی مریوں کی لوٹ مار کو روکنے کے لیے ہمیشہ کے لیے سد باب قائم ہو جائے۔ مگر مری اپنی قدیم عادت سے باز نہ رہے۔ انہوں نے پولیٹیکل ایجنٹ تھل۔ مسٹر ڈیوک کے عملہ پر ڈگی کے مقام پر حملہ کر کے چند سرکاری آدمیوں کو مار ڈالا جنرل منگر یگر نے کاہان پر حملہ کیا سردار مہراللہ خان کو تین لاکھ روپیہ تاوان بھر دینے کے علاوہ کچھ عرصہ تک سیوی میں حاضر رہنا پڑا کٹ منڈائی کے مقام پر انگریزی چوکی مقرر کی گئی۔ مہراللہ خان کے بعد اس کا فرزند خیر بخش خان تمندار مقرر ہوا اس کے دور میں مری قوموں میں اصلاح ہونے لگی۔ ریاست قلات اور برطانوی حکومت سے مریوں کے تعلقات درست ہونے لگے ان کو سرحدی چوکیوں کی حفاظت کے لیے ملازمتیں دی گئیں اور اس انتظام کے لیے مریوں کے سردار کو سات ہزار روپیہ ملنے لگے سردار مہراللہ خان کے بعد اُن کے صاحبزادے نواب خیر بخش اول اور ان کے بعد خان بہادر نواب محمد مہراللہ خان تمندار ہوا اس نے ہزہائینس میر محمد اعظم جان والی قلات کی لڑکی سے شادی کی اس شہزادی کے بطن سے ایک لڑکا احمد شاہ ہوا۔ مریوں کے موجودہ سردار ۲۲ یا ۲۵ اپنی قوم کے فرقوں کا سردار اعلیٰ ہے یہ قوم کولہو، بار خان سے لے کر ڈیرہ جات پنجاب، بولان اور مولا دردں

تک پھیلی ہوئی ہے۔ ان کا گزر مویشیوں پر ہے اور ان کے پاس اچھی نسل کے گھوڑے ہیں۔ مری کے پہاڑ بالکل ویران ہیں البتہ برسات کے بعد یہاں سبزی ہوتی ہے۔

حالات تمن بگٹی

مریوں کی طرح بگٹی بھی ایک ممتاز رند فرقہ ہے۔ وہ سندھ اور پنجاب کی سرحد والی بحڑ پر رہتے ہیں ان کے شمال میں مری، جنوب میں سندھ، مشرق میں مزاری اور مغرب میں کچھی کا میدانی علاقہ ہے بگٹی تمام تر پہاڑی اور ویران ہے تاہم قدرت نے اُن کے گزاران کے لیے بعض سبزیاں بھی مہیا کر رکھی ہیں جو دراصل روح پرور خیابان ہیں یہ قوم مویشیوں کی پرورش کرتی ہے اور ان کی تجارت کے لیے وہ کشمور، جیکب آباد، روجہان اور راجن پور تک منڈیوں کی تلاش کرتے ہیں ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہے اور بلوچستان ایجنسی کے ماتحت ہیں ان کا نسب و شجرہ اس طرح ہے۔

میر عالی

|

بجار

|

راہو

|

مردان

|

جلیب

|

عالی

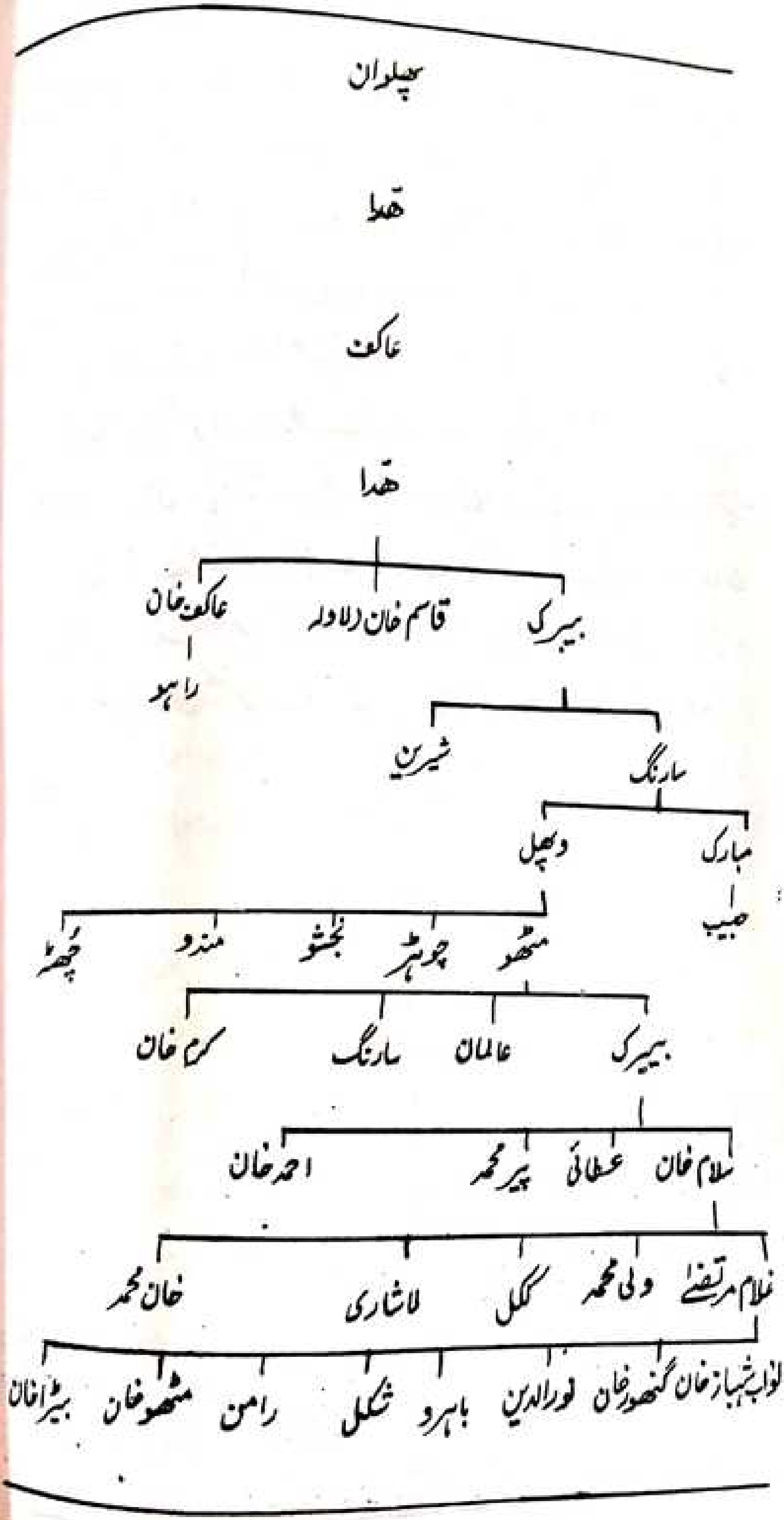
چیلوان
ھڈا
عاکف
ھڈا
بیبرک
قاسم خان لاولد
عاکف خان
راہو
شیرین
سارنگ
مبارک
وڈہل
حبیب
منٹھو
چوہڑ
نجشو
مندو
چھٹہ
بیبرک
عالمان
سارنگ
کرم خان
سلام خان
عطائی
پیر محمد
احمد خان
غلام مرتضے
ولی محمد
گگل
لاشاری
خان محمد
نواب شہباز خان
گنھور خان
نورالدین
باہرو
شکل
رامن
منٹھو خان
بیڑا خان

بگٹیوں کا تمن سات فرقوں میں تقسیم ہے۔ (۱) رہیجہ (۲) نوتھانی (۳) مشوری (۴) کلپر (۵) پیرڈانی (۶) مندرانی (۷) شنبانی۔ پھر یہ تمام سات فرقے مختلف شاخوں میں بٹے ہوئے ہیں اور وہ اس طرح ہیں

رہیجہ ——— (۱) بیورغ زئی (۲) صوبہ زئی (۳) کرموزئی (۴) مندوانی (۵) مبارکان (۷) سیاہن زئی۔

نوتھانی ——— (۱) کوہلی (۲) مصیلانی (۳) ورگ ریکانی (۴) شنبانی (۵) میران زئی۔ بلوچان زئی (۶) میردوست زئی (۷) رحمی (۸) سبزوانی۔

مشوری ——— (۱) جعفرانی (۲) بخشوانی (۳) نوھکانی۔

کلپر ——— (۱) پھمبرلانی (۲) ہوتکانی

پیروانی ——— (۱) راس زئی (۲) شالوانی (۳) پیشربر (۴) چاکرانی

مندرانی ——— (۱) مندرانی۔

شنبانی ——— (۱) کھیّازئی (۲) شنبانی (۳) سیدانی۔

جنگ کے وقت ان کے تین فرقے نوتھانی، مشوری اور کلپر آپس میں شامل ہوتے تھے۔ بگٹی اپنے کو رند عالی کی اولاد سے کہلاتے ہیں اور پہلوان زئی، ملیانی لغاری سے اپنے کو ملحق سمجھتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ جب بلوچ حلب سے ہجرت

۱؎ قدیم زمانہ میں بلوچی قبیلہ کو "بولگ" کہتے تھے، یہ نام اب مٹ رہا ہے فقط تمن لفظ رائج ہے یہ لفظ دراصل ترکی ہے جس کے معنی دس ہزار یہ لفظ مغلوں کے زمانہ میں "ہزاری" کے نام سے مشہور ہوا جیسے دس ہزاری، پنج ہزاری، دو ہزاری وغیرہ مغلیہ دور میں اس قسم کے منصبداری کے لیے دیکھو دربار اکبری از مولانا محمد حسین صاحب آزاد ص ۵۶، ۵۷۔

کر کے مکران کو مسکن بنایا اُس وقت بگٹیوں نے مگ پہاڑ میں سکونت اختیار کی اِس لیے ان پر بگٹی نام پڑا. اس کے بعد جب میر چاکر خان نے دہلی کا رخ اختیار کیا تب بگٹی اس کے ساتھ شامل ہوئے اور اُس وقت بگٹی قوم زرکھ اسپلنجی اور درہ بولان کے کوہستانی علاقوں میں رہتے تھے. یہاں اُن کی گودری رندوں سے خصومت پیدا ہوگئی اس وجہ سے مذکورہ مقامات سے کوچ کر کے موجودہ سیاہ آف پہاڑ میں رہنے لگے اُن کے تمن کے ساتھ رہیجہ، کلپر شامل تھے. اُن کے آنے سے پہلے یہاں نوتھانی، مزاری، جکھرانی، ماپلر، گڈانی اور شنبانی بلوچی قبائل آباد تھے جن کے ساتھ لڑ کر ان کو نکال کر یہ قابض ہو گئے. چنانچہ مزاری اس پہاڑ کے مشرقی میدانی علاقہ جسکو آج کل روجھان کہتے ہیں اپنا مسکن بنایا. اس میدانی علاقہ میں یہاں پہلے نابر قوم آباد تھی جن کو مزاریوں نے دھکیل کر قبضہ جما لیا. جکھرانی، لاہڑی اور سندھ کی طرف خروج کیا اور ماپلر رندوں نے سندھ کے سرائیوں (کلہوڑہ) تاجداروں کی دربار میں رسوخ پیدا کر کے منصبیں حاصل کرلیں بعد میں وہ خود سندھ کے فرمانروا بن گئے. باقی گڈانی بلوچ مختلف بلوچی نزدیک کے تمنوں میں محفوظ ہو گئے غرض بگٹیوں میں نوتھانی اور شنبانی اخوت واتحاد میں ایک ہو گئے اور انہوں نے رہیجہ خاندان کی سرداری کو قبول کیا چنانچہ یہ سلسلہ اب تک چلا آتا ہے.

خوانین قلات اور بگٹی

فاتح نصیر خان اعظم کے زمانہ تک بگٹی خان قلات کی کانفیڈریسی میں شامل رہے اس وقت ڈیرہ غازی خان کے دو اضلاع ہر ند و داجل قلات کی عملداری کے ماتحت تھے. یہ وہ زمانہ تھا جب پنجاب اور ہندوستان کے تجارتی قافلے سیاہ آف پہاڑوں کے درہ بیبرک کے راستہ سے خراسان اور ایران تک جاتے تھے

ان تجارتی قافلوں کی گزرگاہ کی حفاظت کرنے کا ذمہ بگٹیوں کے تمندداروں کے سر پر تھا اور اس خدمت کے صلہ میں ان کو دربار بیگلر بیگی سے وظیفہ ملتا تھا میر نصیر اعظم کی وفات کے بعد جب دربار قلات کے عروج و اقبال میں ضعف پڑنے لگا تب ہرند و داجل کے علاقے خالصہ حکومت کے ماتحت ہو گئے بگٹی خفتہ روح نہ تھے۔ انہوں نے بھی اپنی خود مختار کا اعلان کر دیا غرض اس دور اصلاح میں جو دراصل بگٹیوں کی آزادی کا آغاز تھا سیاسی شکل اختیار کر لی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آخری بار بلوچی اقوام جا بجا اپنی تمام طاقتیں قوم کی قسمت کو دوبارہ جگانے اور اپنے آپ کو باخبر اور آزاد کرنے میں صرف کر دیں ایک طرف انگریز سندھ کی زرخیز وادی اور خراسان پر قبضہ کرنے کے لیے سندھ کے ٹالپر میروں کو دبانے لگے دوسری طرف رنجیت سنگھ کی فتوحات کے لیے سندھ اور سرحدی صوبے باقی کھلے تھے غرض اس قسم کے ظاہر اور خفیہ سیاسی مشکلات کے زمانہ میں مستقل مزاج بگٹیوں کے لیے یہ غیر ممکن تھا کہ حب وطن کا ثبوت نہ دیتے انہوں نے نہ فقط رنجیت سنگھ کے قدم کو مٹھن کوٹ کے نزدیک روک کر اس کو خواب موت آور سے بیدار کر دیا دوسری طرف سندھ کے ٹالپر میروں کو ان نے تسلی دی کہ اگر انگریز نے سندھ پر حملہ کیا تو بگٹیوں کی خون آشام تلواریں وادی سندھ کے مرغزاروں کو لالہ زار بنا دیں گیں۔ خود مختاری کے اعلان کے ساتھ ہی انہوں نے نہ فقط تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا بلکہ خوانین قلات کے مقبوضات پر بھی حملہ کرنے لگے خوانین نے ان کے استقلال کو دبانے کی خاطر ان کے تمنداروں کو وظیفوں کی لالچ دی بعض کو عہدے بھی دیئے مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی بگٹیوں نے اپنے پڑوسی بلوچی بھائیوں میں سے

دریشک، گورچانی، کھیتران، بزدار، مری، ڈومبکیوں اور جکھرانیوں سے بھی جنگیں کیں۔ چنانچہ مریوں کی تعداد ان سے دو گنی تھی تاہم وہ سیلاب کی طرح جس طرح بڑھے پیچھے ہرگز نہ ہٹے اگر ان تمام جنگوں کا ذکر یہاں دیا جائے تو کتاب میں اضافہ ہوگا خدا جانے کتنے بگٹیوں کے مدبروں نے ان جنگوں میں جام شہادت نوش فرمایا ہوگا۔

انگریز اور بگٹی

۳۹۔۱۸۴۰ء کا زمانہ یادگار رہے گا جب روسی بھوت کا ہندوستانیوں کو خوف دلا کر انگریز نے بے گناہ افغانستان کی سیاست میں دخل دیا۔ انگریز لشکر کو کچھی سے گزرنا پڑا پھر کیا تھا بگٹیوں نے وہ ہاتھ مارے کہ میجر بالمور کو مجبوراً سات سو لشکر ساتھ لے کر ڈومبکیوں جکھرانیوں اور نوتھانیوں کے خلاف قدم اٹھانا پڑا وہ درہ بیبرک تک پہنچا گر لیفٹیننٹ کلرک کو بگٹیوں کے ہاتھوں زخم پہنچے انگریزوں نے محسوس کر لیا کر بلوچی اقوام مردہ اور بے حس نہیں ٹھیک بلوچ بھی معلوم کر گئے کہ انگریز ان کی انفرادی اور اجتماعی تہذیب اور اقتصادی سب جو بیوں کو کچلنے کے درپے ہے ان میں قومی امنگیں اور آزادی کو دوبارہ حاصل کرنے کی امید پیدا ہو چکی تھی بگٹیوں کے تمندار بیبرک خان کو انگریز گرفتار کرنے میں کامیاب ہو چکے۔ وہ دو برس تک سندھ میں جلا وطن اور قید رہا مگر جب بھاگ میں دربار عام منعقد ہوئی تو بیبرک خان بھی آزاد ہو گئے مگر بلوچوں کے دل چونکہ فرنگیوں نے کباب کر رکھے تھے اس لیے بلوچ خون جگر پینے کے ایسے کچھ عادی ہو چکے تھے دربار اور کانفرنسوں کی تسلیوں کے وہ غلامی کی بیڑیاں اور لعنت کے طوق محسوس کرنے لگے چنانچہ ۱۸۴۲ء میں جب حب الوطنی، راستگوئی اور شجاعت

کا دریا یہاں تک ٹھاٹیں مارنے لگا کہ ڈومبکیوں کے راہزن میر بجار خان اور
تھانیوں کے راہزن میر حسن بگٹی جن کی تاک میں انگریز تھا جا کر ڈیرہ بگٹی کے
پہاڑوں میں پناہ گزین ہوئے میجر جنرل سر چارلس نیپئر جس کے ہاتھ بے گناہ سندھ
کے بلوچ میروں کے خون سے آلودہ تھے اسکو مذکورہ بہادروں کو گرفتار کرنے
میں جن مشکلات کا سامنا ہوا وہ اس کو ہی یاد ہوگا آخر خیرپور کے میر علیمراد خان
ٹالپر کی مدد اور حوصلہ افزائی کرنے کی وجہ سے اس نے دونوں کو گرفتار کیا۔
بیبرک خان کے مرنے کے بعد اسلام خان بگٹیوں کا تمندار ہوا مگر جوش
استقلال کب ٹھنڈا ہوتا تھا چنانچہ ۱۸۴۸ء میں برٹش سرکار کو بگٹیوں کے پے در پے
حملوں کو روکنے کے لیے جیکب آباد اور شاہپور میں فوجی چوکیاں برپا کرنی پڑیں
جن پر لیفٹیننٹ میری ویدر MERE WETHER نگرانی کرنے پر مقرر ہوا۔ ان
چوکیوں کے قیام کے بعد بگٹیوں کو شکست کھانی پڑی اسلام خان نے کھیتران کے
سردار حاجی خان کے ہاں پناہ لی کیونکہ سردار حاجی خان کی ہمشیرہ سے انہوں نے شادی
کی تھی۔ یہاں بھی وہ چین سے نہ بیٹھے رہے۔ دونوں نے مل کر مریوں پر حملہ کیا
اس جنگ میں کھیازئی۔ شمبانی جو پہلے بگٹی تمن میں شامل تھے اب مریوں کے طرفدار
ہو گئے چنانچہ ہر دو سرداروں نے مریوں سے شکست کھائی۔ بگٹی قوم کی سیاسی
اتحاد اور شجاعت اس بات کا ضامن ہے کہ قوم نے اسلام خان سے تمنداری کی
دستار چھین کر اس کے لڑکے غلام مرتضیٰ خان کے سر پر باندھ دی یہ نوجوان دلیر
مرد تھا اس نے والد کی شکست کھانے کا داغ مٹانے کی خاطر شمبانیوں اور مریوں
کو کلیری کے مقام پر شکست دیکر بگٹیوں کی شجاعت کا معیار کو بلند رکھا۔ آزادی
کی تڑپ جو دلیروں کے دلوں کو بیتاب کر رہی تھی وہ کب مٹنے کو تھی ۱۸۴۹ء

میں ملتان کے صوبیدار دیوان مولراج نے عہد و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔ بگٹیوں اور کھیترانیوں نے مل کر سندھ اور پنجاب کی سرحدوں پر حملے شروع کر دیئے خاص کر کشمور ان کا جولانگاہ تھا کیونکہ سندھ کا یہ شہر ان کے نزدیک تھا بگٹیوں کی حملہ آوری کا سلسلہ بڑے عرصہ تک جاری رہا ۱۸۶۷ء میں جب کپتان سنڈیمن ڈیرہ غازی خان کا ڈپٹی کمشنر مقرر ہوا اس نے غلام مرتضیٰ خان کو بلوا کر سرکاری ملازمت دلوانے کا وعدہ کیا تاکہ بگٹیوں کا جوش ٹھنڈا ہو مگر عین حیات میں غلام مرتضیٰ خان مالیخولیا کے مرض میں مبتلا ہو گئے اس نے اپنی دستار اپنے بڑے لڑکے شہباز خان کے سر پر باندھی۔ اس کے دور میں بگٹی تمن نے اچھی ترقی کی اس نے محسوس کر لیا کہ برطانوی حکومت ایک زبردست وسیع شہنشاہت اور ہمسایہ حکومت ہے اس حکمت عملی کی وجہ سے انگلستان نے ان کو نوابی کا ممتاز خطاب دیا ۱۸۷۹-۷۸ء میں جب دوبارہ انگریزوں نے افغانستان پر حملہ کیا تو بہت سا جنگی اسلحہ ڈیرہ بگٹی کے راستے سے روانہ کیا نواب موصوف نے اپنی دوستی اور راستبازی کا مکمل ثبوت دیا ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۶ء میں جب جیمس MR. JAMES صاحب سندھ کے کمشنر تھے اس زمانہ میں سندھ میں حروں HURS نے۔ بچو اور پیرو کے ماتحت زبردست فساد برپا کیا یہاں تک کہ بچو اپنے کو بادشاہ کہلانے لگا حروں کی سازش کو دبانے میں نواب شہباز خان اور پیر علی گوہر شاہ "پیر پگارو" نے انگریز کو امداد دے کر فساد کو مٹایا۔ اس خدمات کے بدلے نواب موصوف کو سی۔ آئی۔ ای۔ کا خطاب دیا اور میر خاص ضلع کے سانگھڑ تعلقہ میں جاگیریں مرحمت کی گئی۔ پیر علی گوہر شاہ کو "شمس العلماء" اور خان بہادر محمد یعقوب خان کو "سرداری" کا خطاب دیا گیا۔

۱۵: لب تاریخ ضمیمہ ذکر آنریبل جیمس ص ۱۱ میرپور خاص گزیٹیئر پراونس سندھ

باقی اگلے صفحے

سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کا طبل بجا اس جنگ کے آخر میں البتہ مریوں نے کچھ شورش کی مگر بگٹیوں کے نواب محراب خان کی حکومت برطانیہ سے اسی حکمت عملی سے پیش آیا جس حکمت عملی کا سنگ بنیاد نواب شہباز خان قائم کر چکا تھا افسوس! نواب محراب خان کے مرنے کے بعد حکومت بلوچستان نے علاقہ بگٹی میں سب تحصیل قائم کی اور ایک نائب تحصیلدار ضروری عملے اور لیویز کے ساتھ وہاں پر مقرر ہے تاکہ وہ علاقہ کا انتظام قائم رکھے لیکن قوم کی اکثریت کی خواہش کے خلاف تمن کا سربراہ ایک ایسے آدمی کو بنا دیا گیا جسے قوم کی اکثریت سربراہ بنانے کے خلاف تھی حکومت نے بعض شکوک و شبہات کی بناء پر نواب مرحوم کے بڑے صاحبزادے نواب زادہ سردار میر عبدالرحمٰن کو رانچی میں نظر بند کر رکھا ہے!

حالات لاشاری

بلوچوں کا وہ ممتاز قبیلہ جن کی برق انداز تلواروں کی چمک دوبارہ عالمگیر حرکت کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے جن کے مشاہیر کا کارنامہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین عظام کے نقش قدم کے مطابق تھا اور جو دین کے متعلق خداؐ رسولؐ اور کتاب کے سوائے اور کوئی عقیدہ نہ رکھتے تھے۔ افسوس! آنکھ کی جھپک میں ایک صحرا کے شتربان حسین دگوہر" جتنی کے خون ریز غمزہ کا ایسے شکار ہو گئے کہ اقلیم بلوچستان میں فقط

بقیہ: سنہ ۱۹۴۲ء میں سندھ میں حروں نے دوبارہ فساد، قتل، لوٹ مار شروع کر دی ان کا سردار وڈا فقیر تھا۔ اسی طرح پیر پگارو کو بھی سرکار نے نظر بند کر دیا سندھ کے بہت سے علاقے میں مارشل لا جاری کیا گیا۔

(۱) ہفتہ وار اخبار "بلوچستان جدید" کراچی ۴ مئی ۱۹۴۲ء ایڈیٹر محمد نسیم تلوی۔

اس وقت ان کا ایک دستہ رہتا ہے جو لگاجان میں مقیم ہے۔ یہ مقام کچھی میں موڑہ روڈ پر واقع ہے اور وہ جہالاوان کے زہری براہوئی سردار کے شامل ہیں۔ ان کا پیشہ زراعت ہے۔ اگر اس اکیلی بلوچی قوم کی تاریخ تدوین کی جائے تو علم التاریخ کے متعلق بلوچوں کے پاس ایک بیش بہا تاریخی سرمایہ جمع ہو سکتا ہے پھر لطف یہ کہ اس سے کوئی بھی ذی علم اور ہوش مند انکار نہ کرے گا مگر بد قسمتی سے عرب کی طرح بلوچ قوم تمام دارو مدار حافظہ پر رہتا چلا آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلوچوں میں فن تصنیف و کتابت اس وقت تک محض حالتوں میں ہے بلوچی تاریخ کا بہترین سرمایہ ان کے اشعار میں پوشیدہ ہے وہ نہ ہونے کی صورت میں غنیمت ہیں مگر بعض حالتوں میں اُن کے روایات کذب اور غلط ہیں جس طرح عرب میں قرآن مجید کے وحی ہونے سے پہلے سبع معلقات ادبی و تاریخی زیب و زرنگاری کی وجہ سے خانہ کعبہ پر آویزاں تھے مگر نبی پاکؐ کے زمانے میں قرآن کا نقشِ تخیل تمام تر ذہنوں، سینوں اور جگروں کے اندر ایسا کچھ اثر کیا کہ باطل کی تاریکی کو حق کے سچے فلسفہ اور روشنی نے مٹا کر ایسا روشن کر دیا کہ بندگانِ خدا کی مستقل اور دائمی ہدایت کا باعث ثابت ہوا۔ ضرورت ہے کہ وہ جھوٹی روایتیں اور اشعار جس نے ہم قومیت کے سوال کو فراموش کر دکھایا ہے جس نے ہر سو زہر پھیلایا ہے جن اشعار اور روایتوں نے ایام عرب کی طرح اسلام کے دائرے میں رہ کر بلوچیت کے بیخ و بنیاد کو کمزور کر دیا ہے۔ وہ ممتاز بلوچ قوم جس کی قلبی تصویر نے کئی قرنوں تک عرب، عجم، روم و شام میں تحرک عمل اور اضطرار حیات قائم رکھا تھا جن کی سیاست اور جمہوریت کتاب مبین کے سراپا موافق تھی وہ قوم جس کے بازوں پر حضرت علیؓ عمر فاروقؓ خالد بن ولیدؓ عبیداللہ بن جراحؓ سعد بن ابی

وقاصؓ امیر معاویہؓ کو ناز تھا! جن کی تلوار برق انداز یرموک سے استنبول اور کاشغر تک چمکی تحقیق ہمارے شعرا کرام نے خوش اعتقادی کا حق ادا کیا مگر ان روایات اور اشعار میں جتنا دروغ اور کذب شامل ہے وہ اس ممتاز فراموش شدہ قوم کے شایان شان نہیں اہل دل اہل وفا اور داستان عہد گل کے لیے راست گفتاری اور حق گوئی دینی اور دنیوی مصلحت ہے کیونکہ جو خرابی یہود کے ہاں جمع روایات وخرافات قصص سے پیدا ہو گئی اس قسم کے خرافات کو مٹانا چاہیئے بلوچیوں کی تلوار جس نے اسلام کے ظہور میں قیصر کسریٰ اور خاقان کے پرچموں کو سرنگوں کر کے صفحہ تاریخ میں اپنے لیے ممتاز درجہ قائم کر رکھا تھا افسوس! کہ "رندو لاشار" کی جنگ میں اسی تلوار خون آشام نے شمشیر زن کی گردن اڑا دی! بس لاشاریوں کا جنہیں کہیں بھی ذکر میری نظروں میں گزرتا ہے تو دل لرز جاتا ہے۔

"اِنما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذ اقلیت اٰیتہ زادتھم ایماناً"

حلب سے گجرات تک

گاجان ایک چھوٹا سا خطہ زمین ہے جو دس میل طول اور آٹھ میل عرض میں ہے اس کے حدود اربعہ اس طرح ہیں شمال میں ٹہران کا علاقہ جنوب میں کوئٹرہ مشرق میں گنداوہ اور مغرب میں پہاڑ حلب سے نکل کر لاشاری مکران میں آ کر بسے اس سفر میں وہ کرمان، سیستان، اور صحرا لوط سے واقف ہوئے۔ مکران کے نخلستان ان کے طبیعت کے موافق تھے وہ یہاں بڑا عرصہ تک رہے مگر جنہوں نے پرویز کے خزانوں کو لوٹ کر دیکھا تھا وہ بھلا روئے زمین کی بادشاہت کو کیسے ہاتھوں سے چھوڑ سکتے؟ وہ قوم جو ماں کے پیٹ سے بادشاہ بن کر نکلی تھی جس کو خدا

نے بادشاہت اور صرف بادشاہت کے لیے پیدا کیا تھا جس کے بزرگ بدر و حنین
کے شہدائے تھے جس کا اسلام غلبے اور سلطنت کا دوسرا نام تھا جس نے ۳۶ ہزار شہر اور
قلعے بارہ برس میں، ہاں تین ہزار شہر بارہ مہینوں میں، ہاں نوشہرا ایک ایک دن میں
اپنی تلوار کے زور پر اور نیزوں کی نوک سے فتح کئے تھے وہ مکران کے نخلستانوں
میں کیونکر بے حرکت خاموش بیٹھتی؟ انہوں نے آندھی کی طرح مکران اور وہاں کے
سیاہ پہاڑ کو خیرباد کہہ کر ایک لپیٹ میں قلات کو فتح کیا نہ معلوم گاجان کی سرزمین میں
کیا اثر تھا کہ وہ یہاں نوآبادی بنا کر بیٹھے یا یہ سمجھ کر ان کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ یہ
خطہ تمہارا وطن ہو کر رہے گا. لاشاریوں کے اقبال کے آثار گاجان سے تین میلوں
کے فاصلہ پر موجود ہے. قدیم گاجان یہی ویرانہ تھا. گاجان یہاں کا ایک کسان تھا
جس کے نام سے یہ شہر آباد ہوا تھا اس کی اولاد آج بھی یہاں موجود ہے. یہ شہر لاشاریوں
کی حکومت کا صدر مقام تھا چنانچہ میر گہرام خان لاشاری کے زمانہ میں سہران، چانڈکر
علاقہ موجودہ سندھ کے میٹھڑ کے تعلقے تک یہ تمام علاقے گنداواہ کے ماتحت تھے رند
ولاشار کی تیس سال اندرونی جنگ کے بعد جب بلوچی اجتماعی قوت میں انتشار پڑ
گیا تو لاشاریوں نے شکست کی بدنامی کی وجہ سے وطن مالوف سے نکل کر سندھ
گجرات، بڑودہ اور ڈیرہ جات تک پھیل گئے گہرام خان کے فرزند رامن خان نے
ٹھٹھہ پہنچ کر اپنے بھائی میر بکر کو بڑودہ روانہ کیا وہ اہل و عیال لے کر وہاں روانہ
ہوا البتہ لاشاریوں کے وزیر سندو کا گنداواہ پر قبضہ رہا مگر وہ زیادہ کامیاب ہو نہ سکا
کیونکہ جس طرح رندوں نے ان سے سہران چھین لیا اسی طرح گنداواہ اور چھل پر مگسی
قابض ہو گئے. گاجان کے علاوہ ان کا تھوڑی تعداد میں بلوچستان کے دیگر مقامات
میں بھی رہتے ہیں. مگر بلوچستان میں ان کا مجموعی تعداد چند ہزار نفوس پر

مشتمل ہے اور بلوچستان سے باہر وہ دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں اُن کے چار فرقے اس طرح ہیں (۱) ہیتانی (۲) الیانی (۳) شہانی (۴) اخوندانی کیا عجب کہ پھر یہ قوم قلندروں اور مجذوبوں کی طرح اپنی گزشتہ عظمت کے ماتم میں سرفروش بن کر نکلے اور کند ذہنوں کو ترقی کا راز کھول کر دکھائے۔ ورنہ منظر عین سامنے ہے۔

حالات مگسی

جس زمانہ میں میر چاکر خان اور میر گہرام خان کچھی میں وارد ہوئے اس وقت لاشاریوں میں مگسی اور چانڈیے دو زبردست تمن تھے مکران میں ان کا مسکن "مگس" تھا اور کچھی میں پہنچ کر انہوں نے "جھل" میں نو آبادیاں قائم کی چانڈیوں کے جھل کے جنوب میں "ڈیرہ" میں سکونت اختیار کی جو سندھ میں ہے تیس سال جنگ کے بعد لاشاریوں کی قوت بلوچستان میں کمزور ہوگئی اور میر چاکر دہلی روانہ ہوا اس وقت مگسیوں نے جھل پر چانڈیوں نے ڈیرہ پر قبضہ جمالیا۔ وہ باروزئی۔ خوانین قلات اور سندھ کے عباسی تاجداروں کے ماتحت رہے میاں نور محمد کلہوڑہ (عباسی) نے اس قوم سے پیری کے سلسلہ میں شادی بھی کی وہ اپنے علاقہ پر قابض رہے مگر بوقت جنگ کلہوڑہ فرمانرواؤں کو بھی فوجی امداد دیتے رہے میر نصیر خان اعظم کے زمانہ میں جب خوانین قلات کا اقبال نصف النہار پر تھا اس وقت مگسی جانبازوں کا ۶ ہزار کا مضبوط دستہ کچھی وگنداوہ کے سرخ پرچم کے تلے پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں سے برسر پیکار رہا یہ وہ زمانہ تھا جب مگسی براہوئی کانفیڈریسی میں شامل تھے۔ ان کا شجرہ یہ ہے۔

جام نندہ
|
ہوت
|
احمد خان
|
ہوت
|
گہرام
|
ہوت
|
قیصر خان
|
ہوت
|
احمد خان
|
گہرام خان
|
جعفر خان
|
قیصر خان
|
جعفر خان
|
احمد خان

سبحان خان — قیصر خان

(قیصر خان): بطل وریث یوسف علی خان — محبوب علی خان (موجودہ)

۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱ء میں میر محمود خان اول کے مرنے کے بعد جب ولی عہد قلات میر محراب خان صغیر العمر تھا۔ اس وقت مگسیوں کے دو وڈیروں جعفر خان

اور احمد خان نے شہزادہ میر احمد یار کو جھل میں لاکر اس کو وارث تخت مشہور کیا اس وجہ سے بعض فساد برپا ہوئے مگر آخر کار احمد یار خان مارا گیا اور محراب خان کی میری کو سب سرداروں نے تسلیم کیا یہ وہ زمانہ تھا کہ براہوئی کا نفیڈرلیسی میں ضعف پیدا ہونے لگا قلات کی مرکزی قوت کمزور ہونے لگی مگر مگسی برابر خان کے ماتحت تھے حالانکہ سراوان اور جھالاوان بلکہ خاران اور مکران کے براہوئی، نوشیروانی، لوہڑی ریئسانی اور مینگل سردار تمام تر خان کے خلاف فساد کھڑے کئے تھے مستونگ اور دہلی کے درباروں تک انہوں نے خان کی فرمانبرداری کا ثبوت دیا اور یہی رندوں نے بھی ثبوت دیا تھا۔

دور جدید اور مگسی

جھل کا علاقہ طول میں پچاس میل اور عرض میں پندرہ میل ہے ۱۸۸۲ء میں مگسیوں کی تعداد ۲۷،۰۰۰ تھا اور اب انکی تعداد کیا ہو گی وہ خود بخود اندازہ ہو سکتا ہے جھل کے حدود اربعہ اس طرح ہیں:۔ شمال میں گنداواہ اور راہوجا جنوب میں پنج کھڑ مشرق میں ناردہ اور مغرب میں کوٹڑہ کانڈوری یہاں کی آبادی کا دارو مدار آب سورہ پر ہے باقی خشکابہ زمینیں برسات میں آباد ہوتی ہیں گندم، جوار، سرسوں، کپاس و دیگر اناج یہاں کی پیداوار ہیں پہلے خوانین قلات کو یہاں کے تمندار کچھ نذرانہ کے طور پر دیتے تھے مگر اب ان کو دربار قلات سے کچھ بطور وظیفہ کے ملتا ہے۔ ان کے فرقے ذیل ہیں:۔

(۱) بھوتانی (۲) راوتانی (۳) سوبھانی (۴) نندانی (۵) شنبانی (۶) روبیجہ (۷) ساکھانی (۸) ہپانی (۹) حسرانی (۱۰) بنگلانی (۱۱) کھوسہ۔

نواب یوسف علی خان مرحوم

اسلام نے بلوچوں کو ایمان کی حقیقت بتائی اور ان کے ذہنوں اور دلوں کے اندر

بصد مشکل توحید بھر کر کفر کو توڑ دیا خداوند تعالیٰ کی غلامی اور رب العرش کی عبادت میں انہوں نے وہ لطف دیکھ لیا تھا کہ جہاں جاتے تھے سلطنتیں اُن پر نثار اور حکومتیں قربان ہوتی تھیں، صلوٰۃ، زکوٰۃ، توبہ و استغفار کا وہ رنگ نظر آگیا تھا کہ جدھر منہ اٹھاتے تھے قوت اور دولت کے مینہ لگاتار برستے زمین، پہاڑ اور دریا ان کے استقبال کو دوڑتے تھے مگر جوں ہی ان کے عمل رفتہ رفتہ بدلنے لگے غلامی کے طوق ان کے گلے میں پڑ گئے، مغربی تہذیب اور علوم نے ان کے بیدار دماغوں کو افیون کی گولی کے اثر موافق بیکار بنا دیا کیونکہ برطانوی دور حکومت امن و امان اور عیش و آرام کا زمانہ تھا ہم عمل کو چھوڑ کر نقل کے مسحور ہو گئے، مغربی شاطرانہ جراثیم ہماری رگ و جان میں پھیلنے لگے وہ میراث عظیم جو سینوں میں مقفل تھی جس کے بل پر ہم بوتے ایک عالم کو زیر کیا تھا وہ کیف و حال دل سے نکل گیا خدا اور رسولؐ کے علم و یقین سے قطع نظر کر کے مغربی آقاؤں کی شریعتوں اور خیال آرائیوں، راہوں اور طریقوں کے حامل بن گئے! وہ زمانہ اب گزر چکا تھا جب ان کی میدانوں میں بیچ وقتہ نمازیں کراہیں تھیں جب ان کے چھیتڑوں کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں تھیں ان کے رسیوں سے مرمت کئے ہوئے نیزے تھے! جب ان کے فراخ اور محبت پذیر حوصلے تھے جب یہ گودڑی پوش بدوں قیصر و کسریٰ کے دولتوں کو بے دھڑک لوٹنے لگے تھے! افسوس! زمانے نے اس کو خوشنما صورت کی اگلی آب و تاب سب اچک لی۔ وہ گری ہوئی قوم کی طرح لقمہ بن گئے، گھوڑوں کی پیٹھ اور تہجد کے مصلے چھوڑ کر زنان خانوں میں آگھسے۔ مردوں کا ڈھنگ اور شہداء کے اطوار کو خیر باد کہہ کر پردہ نشین بنگئے، جہاد بالسیف تو اب افسانہ بن چکا تھا افسوس! کہ جہاد بالقلم بھی قائم نہ کر سکے! اگر بلوچوں کا دفتر حیات ۱۸۷۶ء سے جب

کہ گوہر سلطنت ان کے ہاتھوں سے نکل چکا اس وقت تک دیکھا جائے تو شیرازے کے دھاگے یک بنیک ٹوٹتے نظر آئیں گے پھر غضب یہ کہ فرقہ بازیوں نے رفتہ رفتہ وحدت کی جڑ کھوکھلی کر دی ترکی نے کمال اتا ترک پیدا کیا افغانستان نے امان اللہ خان پیدا کیا ایران کی گلریز زمین نے رضا شاہ پہلوی پیدا کیا مراکش نے غازی عبدالکریم اور مصر نے سعد زاغلول، طرابلس نے شیخ سنوسی چین نے ڈاکٹر سن یاسین اور روس نے لینن پیدا کئے مگر بلوچستان نے کوئی ایسا فرزند پیدا نہ کیا کہ بلوچی اقوام کو خواب موت آور سے بیدار کر سکے۔ اس قحط سالی میں نواب یوسف علی خان وہ بلوچستان کا فرزند تھا جس نے ذہنوں اور دلوں کو بدلنے کے لیے قوم کو آمادہ عمل کرنے کی دعوت دیکر ایک عالم کو متحرک کر دیا بلوچ پہلی مرتبہ پریس پلیٹ فارم سے واقف ہوئے بس حقیقت میں بلوچوں کو بیدار کرنے کے لیے ایک ایسے اولوالعزم نبی کی ضرورت ہے جو مردہ دلوں کو قانون خدا کی طرف کھینچ لا سکے جو موجودہ زمین و آسمان بدل کر نئی دنیا اور نئی فضا پیدا کر سکے جو قرنوں کی غفلت کو مٹا سکے جو رہی سہی جو رستوں میں خوشخبری کے حوصلے پیدا کر سکے ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے جس کی تجویز پر کے متعلق قوم کو مکمل اعتماد پیدا ہو سکے اور دلوں کو اطمینان ہو صبر یعنی استقلال اور مستقل مزاجی کا انگ ظاہر ہو۔

بلوچستان جو بیداری کے لحاظ سے براعظم ایشیا کے دوسرے ممالک کے مقابلے میں نہایت ہی پست اور مردہ تھا اس وجہ سے لازمی طور پر نواب مرحوم کو آزمائشوں کے موقعوں پر بہت مشکلاتیں برداشت کرنی پڑی ۱۹۳۲ء میں انہوں نے لندن کا سفر اختیار کیا اور وہاں سے واپس آنے کے بعد انہوں نے جھل میں "جامع یوسفیہ" کی تعلیم گاہ کی بنیاد رکھی، نواب مرحوم کو اگر بلوچ قوم کا بیسویں صدی کا رہنما مانا جائے

تو ایک حد تک صحیح ہو گا۔ اُس نے ایک کتاب "شمس گردی" شائع کروا کے حکومت قلات کی اندرونی بدانتظامی اور دیگر خامیوں سے قوم کو آگاہ کیا۔ اُن کی کوشش سے پہلی مرتبہ ۱۹۳۲ء میں جیکب آباد اور ۱۹۳۳ء میں حیدر آباد سندھ میں پہلی مرتبہ دو آل انڈیا بلوچ کانفرنسوں کے اجلاس منعقد ہوئے اور دنیا کو پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ بلوچ سپاہیانہ قوم MARTIAL-RACE بھی غلامی کی زنجیروں میں رہ کر زندہ ہے!

نواب مرحوم اچھے پایہ کے شاعر اور ادیب تھے۔ ان کا تخلص "عزیز" تھا اور وطن کا یہ جلیل القدر فرزند ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کے ہولناک زلزلہ میں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند میں سو گئے خدا بخشے عجیب آزاد مرد تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نواب مرحوم نے بلوچی بیداری کے لیے جو صدا کچھی کے صحرا سے بلند کی اُس نے بڑا اثر کیا بلوچستان میں پہلی مرتبہ قومی اخباروں کا سلسلہ شائع ہوا آج کل استقلال پاسبان کوئٹہ الحق بی، نوجوان جیکب آباد، بولان اور بلوچستان جدید کراچی سب یہ بلوچی ہفتہ وار اخبار ہیں اسی طرح سندھ میں بعض سندھی زبان میں بلوچی اخبار جاری ہیں جیسے ٹالپر البلوچ وغیرہ۔

بلوچی اخباروں کا علمی معیار

یورپ کی زندہ قوموں کے ہاں پریس اور

بمرائد مصنف نے ۱۹۴۱ء میں بلوچی تاریخ اور سلسلہ ناموران بلوچ کو زندہ رکھنے کے لیے کتاب "مختصر تاریخ بلوچستان" برائے یادگار نواب مرحوم یوسف علی خان شائع کرائی اور یہ کتاب حکومت سندھ کے تعلیمی محکمہ نے منظور کی۔

اخبارات ملک کی ایک بڑی طاقت ہوتی ہے۔ ان اخباروں میں جو شائع ہوتا ہے زندہ قوموں کے افراد اس شئے کو ماننے یا نہ ماننے کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ اور ملک میں آگ سی لگ جاتی ہے۔ پھر عمل کا دریا بہتا ہے اور مخالف شے کو سیلاب کی طرح بہالے جاتا ہے۔ اصلاح یا ریفارم کی یہ صورت ایسی ہے کہ اس کے مقابل بازاری افواہیں یا ڈھنڈورے اور لکچر یا عبرت انگیز سزائیں اور انعام اس قدر جلد اثر پیدا نہیں کر سکتے غرض پریس کا مسئلہ مغرب میں حکومت کی نظروں میں ہمیشہ سے کھٹکتا ہی رہا ہے۔

مشرق میں جہاں اور باتوں میں مغرب کی اندھا دھند تقلید ہے "پریس" کو پریس کے مالک ایک بڑی طاقت سمجھ کر شروع کرتے ہیں جس دن سے ڈیکلریشن منظور ہوا اور چار پیسے خرچ کرنے کو جیب میں ہوئے مالک، ایڈیٹر حتیٰ کہ پرنٹر اور پبلشر سب کی نگاہیں بدل جاتی ہیں ایڈیٹر اپنے کو "بڑی طاقت" کے مالک سمجھتے ہیں جس کی چاہیں گے پگڑی اتار دیں گے، جس کا پسند ہو گا نام اچھالیں گے فضول مداح سرائی کریں گے، گھر میں فساد کا تماشا دیکھیں گے دوسری قوموں سے لڑیں گے غرض جس ایڈیٹر کو دیکھو تیس مار خاں بنا کرسی پر بیٹھا ہے الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو مشرق کے اسلامی حلقوں میں پریس کی "بڑی طاقت" کے معنی کچھ اور ہی ہیں حقیقت میں حکومت صرف ایسے پریس کی بدعنوانیوں کی روک تھام کے لیے قانون بنا دیتی ہے لیکن اس کی انقلاب انگیز طاقت سے کچھ خوفزدہ نہیں رہتی۔

اِن اخباروں کے ناکارہ حصے کو ایڈیٹر "علم ادب" کہتے ہیں، یہ ادب ایک گری ہوئی قوم کی فاقہ مستیاں، یا زیادہ سے زیادہ اس کی چیخیں اور کراہیں ہیں جو عشق انگیز افسانوں، بے کار عبارت آرائیوں یا کسی بے عمل شاعر کے قومی

ترانوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں اس قسم کے تمام لٹریچر میں اول سے آخر تک نہ "علم" جس کے کان، آنکھ اور دماغ تصدیق کریں نہ "ادب" نہ علم ادب بعینہ یہی حال ایک گری ہوئی قوم میں آج کل کی اسلامی لٹریچر کی کثرت کا ہے۔ ان اخباروں کی بے نتیجہ عبارتیں اور شعر پڑھنے سے بے عملی اور کمزوریاں قوم کی رگ رگ میں اثر کر جاتی ہیں کسی زندہ اور طاقتور قوم کی طرف دیکھو اس کی راحتیں قطعاً اور قطع کی ہیں ان میں اس طرز کے "علم ادب" کی چاہت ہرگز نہیں جیسا کہ بلوچوں میں آج کل رائج ہے۔ بلوچوں کی اس "بڑی طاقت" کا دوسرا حصہ مذہبی پرلیس ہے اور علمائے کرام کا گروہ جو شکست خوردہ فوج کے ٹکڑوں کی طرح ایک دوسرے کے بالمقابل صف باندھے کھڑے ہیں بلوچستان کے باہر کے علماً گویا آٹھ کروڑ مسلمانوں کے امام ہیں مانا کہ بلوچستان کے اخباروں نے جماعتیں پیدا کیں ہیں مگر بدقسمتی سے ان کے مقاصد جدا جدا ہیں غرض لعل حریت نواب یوسف علی خان نے جو بیداری پیدا کی اس کا دائرہ کانفرنسوں اور جماعتوں اور مذکورہ اخبارات تک محدود رہ گیا وہ ایڈیٹر ہمارے معلم اول ہیں اور ہم ان کی آوازوں کو اپنے لیڈروں کی آواز سمجھنے لگے ہیں وہ بڑی دیر تک ہمارے دماغ کے مالک رہے مگر افسوس! کہ وہ آپس میں متحد ہو کر سرگرم عمل ہونے والی جماعتیں پیدا نہ کر سکے۔ پھر وہ اخبار کیونکر "بڑی طاقت" بن سکے؟ شاید حضرت حسین صاحب عنقا، محمد نسیم خان تلوی، خان محمد اسلم خان اچکزئی، خان عبدالصمد خان اور حضرت گلزار احمد خان مذکورہ بیان پڑھ کر ناراض ہوں میں ملک پاسبان کو بھی مودبانہ عرض کرتا ہوں کہ ناچیز خود ایک نولیس، ایک کاتب، ایک مصنف ہے اور سندھ، پنجاب و بلوچستان کے اخباروں سے رسالوں سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔ میری آخری ان حضرات کو عرض ہے کہ اخباروں

ہیں دوائیوں کے جھوٹے اور فحش اشتہارات، مکاروں کے مکر، نیم ملاؤں کے استخارے روحانی عاملوں کی ابلہ فریبیاں، حسن و عشق کے افسانے، پیروں کے جھوٹے ٹوٹکے "فکاہ" اور افکار حوادث کے شر انگیز اور خانہ برانداز کالم، بے نتیجہ شعر و اشعار، سب کی سب پبلک کی اس ذہنی پریشانی کو کئی گنا کر دیتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان اخباروں سے قوم نہیں بنتی کیا ۱۹۴۱ء تک تم کسی بلوچی کانفرنس کا پتہ دے سکتے ہو؟ اگر نہیں تو یہ صاف ظاہر ہے کہ جفاکش بلوچ جس نے ۱۲ برس میں ۳۶ ہزار شہر اور حصار فتح کئے تھے وہ بلوچستان کے سنگ ریز زمین پر رہ کر ایسا راحت پسند بن گیا کہ کامل ستر برس کے طویل عرصہ میں اس بدنصیب قوم میں نہ کوئی صاحب سیف و تاج اور نہ کوئی اہل قلم نہ مورخ، اور نہ رفارمر ہی پیدا ہو سکا جو بلوچی خفتہ روح کو بیدار کر سکے اس غفلت جس نے ہمارے چہروں پر طوق عاجزی کی لعنت برسائی جس نے ہمارے چہروں کو سیاہ کر دیا۔

"یوم ابیضت وجوہُ واسودت وجوہُ"

یعنی ایک دن کسی قوم کے چہرے سیاہ ہوں گے اور کسی کے سفید، کون ذمہ دار ہے؟ کیا آج قلندروں کی راہ کے سوا کوئی اور راہ باقی ہے؟ حافظ سخن شناس، نکتہ دان اور نبض شناس ٹھیک فرما گئے ہیں ؎

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقان ریزد
من و ساقی بہم سازیم و بنیادش اندازیم

ہم کو تہذیب کی ضرورت نہیں مگر انگشن ACTION کی ضرورت ہے. جسکو

"ظلمو الظلمٰت" کہتے ہیں. کیونکہ براعظم ایشیا کی تمام قوموں میں سے بیداری اور آزادی کی شاہراہ پر ہم بالکل پست ہیں. جانباز اور سرفروش بلوچ کے لیے یہ ایک بدنما داغ ہے اور ہم کو بڑا کام کرنا ہے. اس لیے ضرورت ہے کہ تہذیب نے جس خاموش ہنگامہ ہمارے دلوں میں پیدا کر کے 'رعب' قوت اور جلال سلطنت کے مجز خیز ماحول میں ہم کو دھکیل کر ہماری بستیوں کو شہر خموشاں بنا دیا اس خاموش ہنگامہ کے راحت کے سامانوں مثلاً انجمنوں' جلسوں' ریزولیوشن' تقریروں' چندہ جمع کرنا ہے ہم آزاد رہیں کیونکہ یہ سب اسباب "ایمان افروز" اور "روح افزا" نہیں جب اس تریاق کے رنگ کا زہر ٹوٹ جائے گا تو پھر ہمارا دین تیرہ سو برس کے دین کے مطابق ہوگا تیرہ سو برس کی تندرستی اور صحت ہمارے بدنوں کو پھر تیار کردیگی اور یہ وہ زمانہ ہوگا جب ہمارے چہرے سرخ اور ضمیر بیدار اور نظریں بلند ہونگی غیر ممکن ہے کہ کبھی کے صحرا نشین سندھ کے بیابانوں کی ٹھنڈی ریت پر سونے والے اور سراوان کے شہباز اور رکرانی جانباز اور جھلاوان اور خاران کے بادیہ نشین اور پنجاب کے مرغزاروں کے رہنے والے بلوچ خداوند تعالیٰ روف و رحیم کی رحمت سے محروم رہے جائیں. اس کی رحمت کے بادل جب کسی قوم کے سر پر منڈلاتے ہیں تو وہ چشم زدن اور دیکھتے دیکھتے نہال ہو جاتی ہے۔ خداوند تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرنا میرا "نصب العین" ہے اور یہی صلائے عام ہے:۔

حالات غلام بولک

یہ بلوچی قبیلہ "بولک" کے نام سے یادگار ہے جب بلوچوں میں اجتماعی قوت اور مرکزیت کا دور تھا اس زمانہ میں ان کا ٹڈی دل قبیلوں میں تقسیم تھا اور ہر ایک سردار صاحب علم تھا وہ اپنے کو قیصر و کسریٰ کی دولتوں کے وارث سمجھتے تھے اس زمانہ میں اُن کے قبیلے "بولک"

کے نام سے مشہور تھے میر جلال خان جب کرمان سے ہجرت کر کے مکران میں وارد ہوا اس وقت اس کے پرچم کے تلے ۴۴ بلوچی بولک تھے غلام بولک ماں کی طرف سے خوارزمی اور باپ کی طرف سے بلوچ ہیں وسطی ایشیا کے لق دق میدانوں اور وسیع مذبب صحراؤں میں خوارزم کا ملک جیسے دریائے جیحون کا زیریں حصہ اور اُس کے دہانے سیراب کرتے ہیں اس سرزمانے کے بہترین مرغزاروں میں شمار ہوتا ہے اور قدیم الایام سے سرسبز و شاداب اور معمور و متمدن رہا اسلام سے پہلے اس ملک میں خوارزم شاہیوں کی ایک مستقل اور جداگانہ حکومت قائم تھی جس کی زبان رسم الخط بھی جدا تھے جو خوارزمی کہلاتے تھے. خوارزمیوں کی روایت کتاب "آثار باقیہ" میں علامہ ابوالریحان البیرونی یوں بیان کرتا ہے کہ اس حکومت کی بنیاد بعثت نبویؐ سے تقریباً انیس سو برس پہلے کیخسرو کے ہاتھوں پڑی تھی جس کا باپ سیاوش سب سے پہلے وہاں آکر سکونت پذیر ہوا تھا[1]

بلوچ اور خوارزم

عین اس وقت جب حضرت طارق اور موسیٰ اُندلس کو فتح کر رہے تھے. بلوچ محمد بن قاسم کے لشکر میں سندھ کو فتح کر رہے تھے قیتبہ بن مسلم نے ۹۳ھ ۷۱۱ء میں خوارزم کو فتح کیا بلوچ اس مہم میں ۹۶ھ تک شامل رہے فتوحات کے بعد خوارزم شاہیوں کا سیاسی اقتدار تو ختم ہوگیا لیکن ان کا خاندان بحال رہا بلوچ پہلی مرتبہ خوارزم سے واقف ہوئے اس کے بعد عیسوی ۱۳ صدی میں جب خوارزم شاہیوں کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر تھا اس وقت بلوچستان سلطان محمد خان خوارزمی کے ماتحت تھا[2] یہ

1. کتاب آثار الباقیہ ص ۳۵ ۳۶ از البیرونی پورا نام "آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ" ہے

وہ زمانہ تھا جب عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ نے بھی اُس کی قوت کو تسلیم کر لیا تھا آخری تاجدار خوارزم شاہ محمد اور اس کا لڑکا جلال الدین تھا جس کو چنگیز کے مقابلے میں خراسان غزنی اور بلوچستان والوں نے مدد دی تھی مگر وہ شکست کھا کر کردستان کو بھاگ گیا ۱۲۲۱ء میں اس سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ ان خوارزمیوں کو مدد دینے کی پاداشت میں چنگیز کے لڑکے چغتائی خان نے ۱۲۲۳ء میں بلوچستان پر حملہ کر کے بلوچی بستیوں کو خاک و خون میں ملا دیا[1] خوارزم کی آخری یادگار ہمارے پاس فقط یہ غلام بولک قبیلہ ہے۔ غلام بن شرف محمد نے خوارزم میں مرزنجان نامی ایک وہاں کے تاجر کی لڑکی سے شادی کی اور اس خاتون کے بطن سے تین لڑکے ہوئے خداوند تعالیٰ نے اُن کی تعداد میں دن بدن اضافہ کیا اور اس مبارک جوڑے کی اولاد نے بولک کی صورت اختیار کی اور وہ غلام بولک مشہور ہوئے اس وقت سیوی کے علاقہ اور گرد نواح اور تربت کے مقام میں ان کا قبیلہ آباد یادگار ہے۔ دیگر بلوچی قوموں کی طرح وہ اپنے اصلی وطن بلوچستان سے باہر نہ نکلے حالانکہ پہلے ان کی تجارت کا سلسلہ خوارزم تک تھا اور یہی نسبت ہے کہ سندھ، پنجاب اور ہندوستان میں وہ کہیں بھی نظر نہیں آتے گو کہ اس وقت اس قوم کا عروج فنا ہو چکا ہے اس لیے ان کی تعداد میں کمی ہو رہی ہے اور ان کا بڑا طبقہ مفلس اور نادار ہے تاہم اپنے اسلاف کے نقش قدم پہ ثابت قدم ہیں[2]

حالات بجرانی

یہ قوم بھوتر برادر خورد میر چاکر خان ثانی کی اولاد سے ہے

---

[1]: انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مضمون متعلق خوارزم و خوارزم شاہ۔

[2]: غلام بولک کیلئے دیکھو سالنامہ اخبار الحنیف "بلوچستان نمبر" بماہ فروری ۱۹۳۶ء جیکب آباد ص ۳۶

اس وقت مریوں کی شاخ ہے میر بجار خاں کے حالات پہلے تمن مری میں بیان کر چکے ہیں مگر ضرورت ہے کہ اس شاخ کا خلاصہ بیان دیا جائے پہلے تمام رند "پھوڑ" کہلاتے تھے میر بجار شروعات میں میر چاکر کا مخالف تھا سراوان آنے سے پہلے مکران میں اس نے کیچ کے نواح میں اپنی حکومت قائم کی تھی میر چاکر خان جب ہمایوں کی امداد کے لیے دہلی کا رخ کیا تو اس کی غیر حاضری میں اس نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا اور چاہا کہ سیوی کو جوان دنوں میر چاکر کا دارالخلافہ تھا اپنا دارالسلطنت بنائے میر چاکر نے مزاریوں کے سردار باطل خان کو بجار اور اس کے مددگار خان کے خلاف روانہ کیا اور دونوں نے شکست کھائی بجارانیوں نے دامن کوہ سلیمان میں بہت بڑے وسیع رقبہ پر قبضہ کیا اور اپنی جمہوری سلطنت قائم کی اور آج قلات سے لے کر دریائے سندھ تک آباد ہیں اس کے بعد غازی احمد شاہ دورانی کی فوج میں شامل رہے یہاں آکر دیگر قوموں سے مخلوط ہونے لگے نواب محمود خان گوجر کے یورش کے وقت شاہپور اور دیگر اضلاع میں چلے گئے یہ قوم افغانستان شرقی سے لے کر دریائے سندھ تک آباد ہے خود مختار زندگی بسر کرنا اس کا نصب العین ہے۔(۱)

(۱) اخبار الحنیف سالانہ "بلوچستان نمبر" بماہ فروری ۱۹۳۷ء جیکب آباد ص ۳۱، ۳۲

باب ہفتم

سنہ ۹۶۳ ھ ۱۵۵۶ء سے لیکر سنہ ۱۱۵۱ ھ ۱۷۳۹ء تک

اکبر اعظم سے محمد شاہ تک

اب وحدت اور عصبیت کی جڑ کھوکھلی ہوگئی۔ نظم ونسق کی ہوا اکھڑنے لگی۔ خلافت اسلامیہ کئی مرکزوں میں تقسیم ہوگئی، یہ وہ دردناک سزا تھی جب ائتلافِ اُمت اور اتحادِ عمل کی برکتیں ہم سے مفقود ہونے لگیں۔ بلوچی فساد واندرونی فتنہ کی یہ وہ ادنیٰ شرارت تھی جس کی غلط فہمی پر ہماری نے خدا سے باندھا ہوا عہد توڑا۔ اپنے ہاتھ پاؤں کا غلط استعمال اور فطرت کا گناہِ عظیم کر کے وطن مالوف میں فساد برپا کر دیا۔ جب ہمارے نفس کی سرکشی نے ہمارے شریف، پاکیزہ اور احسن الخلق اعضاء کو بیکار کیا۔ جب ہم نے توحید کی امانت

کو اور عظمت کو کبھی کے صحرا اور سیاہ آف میں غرق کر دیا۔ اور ہمارے قوائے عاملہ بیکار ہو گئے۔ طاقت شب زندہ داری اور جفا برادری کو غلط راستہ پر چلا کر مفسد بنے۔

" الذین ینقضون عهد الله من بعد میثاقه و یقطعون ما امر الله به ان یوصل و یفسدون فی الارض و اولئک هم الخاسرون "۔ لیعنی یہ وہ لوگ ہیں جو مضبوط کرنے کے بعد اللہ سے باندھے ہوئے عہد و پیمان کو توڑ دیتے ہیں اور جس چیز کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اس کو توڑ دیتے ہیں۔ اور زمین میں بدنظمی اور فساد مچا دیتے ہیں۔ تو یہی وہ قوم ہے جو بالآخر گھاٹے میں رہے گی۔ ہم نے اپنے ہاتھ پاؤں کا غلط استعمال اور فطرت کا گناہ عظیم کر کے زمین میں فساد برپا کر دیا اور روز حساب سے بے خوف ہو کر بے وقوف بنے۔ اپنے اعضاء کو بے کار و شل کر کے ذلت اور لعنت کا طوق گلے میں ڈالا۔ ورنہ شرط غلبہ اسلام تھی۔ یہ وہ شرط تھی جس نے بلوچ کو فطرتاً سپاہی بنا دیا تھا اور جس حرارت سے اُن کے جسموں میں بجلی دوڑتی تھی وہ سرد ہے۔

بلوچستان پر صفویوں کی حکومت

عیسوی ۱۶ صدی کے آغاز کے وقت وسط ایشیا میں تیمور گورگانی کی شہنشاہیت کا خاتمہ ہوا۔ اور اُزبکوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ ایران میں صفویہ خاندان کے تاجداروں کا ڈنکہ بجنے لگا۔ ہندوستان میں نصیر الدین ہمایوں نے دوبارہ مغلیہ شہنشاہت کی بنیاد کو مضبوط کر دیا۔ ان سب انقلابوں میں کسی کے قوت بازو نے کام کیا؟ وہ کونسی قوم تھی جس کی عسکریت نے مذکورہ ممالک میں ملوکیت اور شہنشاہی کے بگڑے ہوئے نظام کو درست کیا۔؟ یہ بلوچ غیرت

مند قوم تھی جو اُس وقت ماوراء النہر، ایران، افغانستان اور ہندوستان کے درمیانی
علاقوں میں آباد کار تھی۔ اُن کے تعلقات اپنے پڑوسیوں سے اچھے تھے۔ انہوں نے
مغلوں کو ہندوستان کی فتوحات میں امداد دے کر کامیاب بنایا، صفویہ فرمانرواؤں
سے اُن کے تعلقات اپنے پڑوسیوں سے اچھے تھے، انہوں نے مغلوں کو ہندوستان
اور ایران والوں کا طرف دار ہو کر اپنا خون بہایا۔ ۱۵۰۵ء میں جب انہوں نے
سلطان حسین مرزا بائقرا کو پہلی مرتبہ ازبکوں کے خلاف امداد دی اُس وقت بلوچوں کے
کے بعض قبیلے ہرات، گرمسیل، ریگستان میں ہمیشہ کے لئے سکونت اختیار کی۔ یہ
وہ افغانستان کا علاقہ ہے جہاں فرہ رود، کش رود، کاغ رود، اور ہلمند کے دریا
بہتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہرات کو بلوچ "ہری" کہتے تھے [۱]۔ سلطان حسین
مرزا کے بعد جب صفویوں کے اقبال کا آفتاب چمکا تب انہوں نے بلوچوں سے
کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کی کیونکہ یہی بلوچ تلوار خون آشام تھی۔ جس کی قوت سے
محمود آباد کے ہولناک معرکے میں شاہ اسماعیل صفوی نے اُزبک فاتح سلطان محمد
خان کی کھوپڑی کا کاسہ بنایا بلوچوں نے جنوبی اور مغربی افغانستان میں نو آبادیں
اور یادگاریں قائم کیں اور وہ آج تک وہیں موجود ہیں [۲] مثال کے طور پر بلوچوں
نے ھرات کو ہری، سیستان کو نیمروز (نیمروز کا نام پہلے ہی ان بلوچوں نے دیا تھا)
نام فرہ میں دریا دیرہ DERIA DERREH جو کش رود پر واقع ہے

[۱] دیکھو تاریخ ہندوستان جلد ۵ ص ۴۶۴ لفظ ھری ؛۔

[۲] تاریخ افغانستان از کرنل جی۔ بی۔ مالیسن ۱۸۷۹ء اس کتاب میں جو افغانستان کا نقشہ دیا گیا ہے اسمیں تمام مقامات صاف دکھائے گئے ہیں۔ اس کے لئے کتاب فرنٹیر اور سینز ایکسپیڈیشن فرام انڈیا جلد ۳ ص ۱۴۔ جلد ۱۲ باب افغانستان اور وہاں کی قومیں ص ۱۲۸۱ ؛-

اور گرم سیل و دشت نوبد کے درمیان ایک شہر جوئین OWAIN آباد کیا۔ یہ تمام نام جوابنی زبان میں خالص بلوچی ہیں اس فراموش شدہ قوم کی یادگار ہیں جنکے تازیوں نے دور بنی اُمیہ میں جیحون کو چیر کر خوارزم اور جرجان تک جہاد فی سبیل اللہ کا علم بلند کیا تھا جن کو مدافعانہ جنگ سے نفرت تھی۔ اور مجھے یاد ہے کہ وہ خاقان چین سے کاشغر کی دیواروں تلے لڑے تھے۔ ؎ اس میں شک نہیں کہ شاہ طہماسپ صفوی نے ہمایوں کو دوبارہ دھلی پر حملہ کرنے کا حوصلہ اُبھارا مگر اس میں سیاسی شرط ایک یہ تھی کہ دہلی فتح کرنے کے بعد وہ قندہار اور بلوچستان ایران کے حوالے کر دیگا۔ ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کرنے کے بعد ۱۵۵۶ء میں قندہار اور بلوچستان ایران کے حوالے کر دیئے جو ۱۵۵۶ء تک ایران کے ماتحت رہے۔

اکبر کا سندھ پر قبضہ

ہمائے ہمایوں جب عالم قدس کو پرواز کر گیا تب محمد بیرم خان (خانِ خانان) کی مصلحت سے ۲ ربیع الاول ۹۶۳ھ ۱۵۵۶ء تیموری تاج اکبری رنگ میں جلوہ گر ہوا۔ بموجب آئین چنگیزی و تیموری جشن کی رسمیں ادا کی گئیں۔ بہار نے پھول برسائے اور آسمان نے ستارے قربان کیئے۔ اکبری اقبال سے دنیا واقف ہوئی سندھ پر مرزا حسین ارغون کی حکومت تھی مگر وہ بے اولاد تھا۔ اُسنے جیتے جی اپنی حکومت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا اپنے نائبوں میں تقسیم کر دی۔ ۹۶۲ھ ۱۵۵۴ء میں جب راہی ملک عدم ہوا۔ تب ٹھٹھہ کا علاقہ بھی تک میرزا ترخان عیسٰی کے حوالے

؎ موجودہ زمانہ میں براہوی وادی ہلمند میں رہتے ہیں اور بلوچ ریگستان اور افغانی سیستان میں رہتے ہیں دیکھو ا

اور شمالی سندھ کا حصہ جس کا صدر مقام بھکر تھا۔ سلطان محمود کے سپرد کردیا۔ ارغونوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ ترخان حکومت کا دور شروع ہوا۔ بھکر کی سرکار کے حدود لکھلوی پہاڑ سے لے کر اُدباڑہ اور ماتھیلہ تک تھے۔ سلطان محمود خان کوکلتاش بن میر فاضل بن عادل خواجہ اصفہانی اصل عرب کے عدی بن حاتم طائی قبیلہ سے تھا۔ اور اس کی والدہ ماجدہ پشنگ کے ممتاز افغان گھرانے کی نورِ نظر تھی۔ یہ بڑا بہادر حاکم ہو گذرا اُس نے ملتان کے لانگا، ڈھر، دہار یجہ، ناہر اور بلوچوں سے جنگیں کی۔ اُس کی فقط ایک دختر تھی جس کے ساتھ عرش آشیانی اکبر نے شادی کی تھی بسنہ ۹۸۲ھ ۱۵۷۴ء میں جب اس نے انتقال کیا تو بھکر کی حکومت پر شہنشاہ اکبر قابض ہوگیا اور اس کے نائب یہاں حکومت کرنے لگے۔

اکبر کا ٹھٹھہ پر قبضہ

ارغونوں کی حکومت سنہ ۱۵۱۵ء سے شروع ہو کر سنہ ۱۵۵۴ء میں ختم ہوئی بعد ترخانی خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ جو سنہ ۱۵۵۵ء سے لے کر سنہ ۱۶۰۸ء تک قائم رہی اس خاندان کے اسلاف امیر تیمور صاحبقران کی فوج میں جنگجو ہو گذرے۔ اس لئے سلطان صاحبقران نے اُن کو "ترخان" کا لقب دیا۔ میرزا عیسیٰ بن میرزا عبدالعلی پہلا فرمانروا تھا۔ جس نے بھکر کے مغلیہ نواب محمد صادق خان سے دشمنی کی۔ اس دشمنی کا اثر بُرا ثابت ہوا کیونکہ جب وہ بھکر پر حملہ آور ہوا تو اس کی غیر حاضری میں پہلی مرتبہ پرتگیز فرنگیوں سے پیڈرو بارٹو رولیم BARETTO ROLIM کی سرکردگی میں ٹھٹھہ پایۂ تخت سندھ پر سنہ ۱۹۵۵ء میں بحری راستے سے حملہ کیا۔[2]

۲ فرنگیوں میں سے پرتگیز پہلے مغربی عیسائی تھے جنہوں نے ۲۲ مئی سنہ ۱۴۹۸ء میں پہلی مرتبہ کالیکوٹ میں قدم رکھا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بین BASSEIN کے گورنر نے ۲۸ جہازوں کا دستہ جن پر فقط سات سو کا
چست و چالاک مغربی دستہ تھا پہلے وہ لاہری کے بندر پر اُترے۔ بقول صاحب
تحفۃ الکرام کہ وہ جمعہ کا روز تھا شہر کی آبادی جامع مسجد میں حضرت کبریا کے حضور سر بسجود
تھی۔ یہ پرتگیز چونکہ مُشرک عیسائی تھے اُنہوں نے تمام نمازیوں کو قتل کر دیا۔ پھر شہر اور
دریا کے ساحل پر بارود بچھا کر اُس کو آگ لگا دی اور تمام شہر دریا کی لہروں سمیت
آتشِ نمرود بن گیا۔ مرزا عیسیٰ نے تمام شہر اور عالمیناہوں کی مرمت کرائی۔ خاص کر لاہری
کی دیوار کو لبِ دریا مضبوط کروایا۔ اور اپنی قلمرو سلطنت کے لئے ایک نیا بندرگاہ۔
" شاہ بندر " تعمیر کروائی ۵ اُس کے بعد جب مرزا عیسیٰ نے بکھر کو تاکا تو محمود خان
کوکلتاش اُس کی طاقت کو سیہون کی قریبی جنگ دربیلہ میں کمزور کر چکا تھا۔ سندھ
کے جتنے ارغون زمیندار اور جاگیردار تھے ان کو سلطان محمود کے ساتھ ہمدردی تھی
پھر جب بھکر پر مغلوں کا قبضہ ہوا تو یہ ارغون اکبری دربار کے طرفدار تھے۔

بقیہ: اس قوم کے پاس آتشیں اسلحہ تھے جن سے ہندوستان کے لوگ بے خبر۔ ایک صدی کے اندر انہوں نے ہندوستان کے مغربی
ساحل پر منگلور، کوچین، سیلان، ہرمزہ، ڈیو اور گوا پر قبضہ کر لیا اُن کے بعد ڈچ نے مدارس، ناگاپٹنہ، سورت
اور احمد آباد میں دو دکانیں کھولیں انگریزوں نے جہانگیر کے زمانے ۱۶۰۸ء میں پہلی مرتبہ سورت میں دوکان کھولی۔ اسکے بعد فرانسیسی آئے جنہوں نے
سنہ ۱۶۶۸ء میں دکان کھولی۔ چونکہ بلوچستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فرنگیوں کا ذکر ہے جن کا قبضہ بحیرہ عرب میں ہرمز سے لے
کر سیلان تک ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان مغربی اقوام سے ناظرین کو آشنا کیجئے تفصیل کے لئے دیکھو:

مضمون چوڑا ہو رہا ہے مجھے خود احساس ہے مگر اتنا عرض کرنا کہ ہمارے پہلے فرنگی مہمان پورتگیز نے ہم سے اچھا سلوک نہ کیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان مذہبی دیوانوں نے زنمورن والی کالیکوٹ کا بگناہ محلات جلا دیا۔ اور جتنا بدنصیب ہندوستانیوں کو ان قذاقوں نے لوٹا اتنا نقصان کسی غیر قوم نے ہندوستانیوں کو نہ دیا تھا۔ اُن کا آنا فتنۂ تاتار کے موافق تھا وہ دولت کے پیچھے ایسے اندھے ہو گئے کہ آخر یہ دولت اُن کی تباہی کا باعث ہوئی۔ الفنسوڈی سوزا ALFONSODE, SOUZA نے ان کے آخری انجام کے متعلق جن الفاظ میں ماتم کیا ہے ناظرین اُن کا اندازہ خود کر سکتے ہیں۔ کہ یہ پورتوگیز کس قسم کے سفاک تھے۔

"پرتوگیز جب ہندوستان میں وارد ہوئے تب اُن کے ایک میں تلوار اور دوسرے میں ظلم تھا۔ ہندوستان میں بے شمار دولت دیکھ کر اُن کے حواس بدل گئے۔ اور وہ دیوانے اور وحشی بن گئے۔ وہ اپنی جیبیں سونے سے بھرنے لگے مگر دولت اس قدر زیادہ تھی کہ مجبوراً ان کو تلوار پھینکنا پڑی کیونکہ ہاتھ دولت جمع کرنے میں مقفل تھے۔ وہ اس قدر بے پرواہ ہو گئے کہ دیگر یوربین اقوام نے اُن کو آسانی سے زیر کر دیا،، [۵]

بھکر سلطان اکبر نے ۱۸۸۵ء میں بطور جاگیر کے دیدیا ساتھ ہی اشارہ بھی دیا کہ موقع ملے تو ٹھٹھہ پر ہاتھ مارلو۔ مرزا عیسیٰ نے ۹۸۰ھ ۱۵۸۲ء میں وفات کی اُن کے لڑکوں نے اُس کے جیتے جی امرکوٹ تک سوڈھوں کے ساتھ ملکر لڑائیاں کی تھیں۔ بڑا لڑکا مرزا محمد باقی تخت نشین ہوا۔ اس کی ظالمانہ حکمت عملی سندھی رعایا کو مطمئن نہ کر سکی۔

۱۵۸۱ء میں جب مرزا جانی بیگ جب ٹھٹھ کا حاکم ہوا تو اُسنے نائب محمد صادق کو سیوھن کی جنگ میں شکست دی :۔

۱۵۸۹ء میں مرزا جان بیگ سے انتقام لینے کے لئے خود لاہور قیام فرمایا اور یہاں دربار اکبری میں قندہار اور ٹھٹھہ کے تسخیر کا سوال اُٹھا :

بلوچوں کی اکبر کو سندھ فتح کرنے میں امداد

ابوالفضل اور دوسرے اُمرا کی رائے تھی کہ شاہانِ ایران و توران اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں قندہار کے لئے ایسا موقع ہاتھ نہ آئیگا۔ ۵ لیکن خانِ خانان کی رائے تھی کہ قندہار کا صرف نام ہی نام ہے اور ٹھٹھہ ایک دولت مند جگہ ہے۔ اگر ٹھٹھہ فتح ہو گیا تو قندہار کا فتح کر لینا بالکل آسان ہوگا۔ مگر ان سب باتوں سے پہلے اُسنے شہنشاہ کو مشورہ کیا کہ ٹھٹھہ کی مہم سے پہلے قندہار اور ٹھٹھہ کے درمیان جتنے بھی بلوچ سردار ہیں اُن کو لالچ زر دے کر طرفدار بنایا جائے اُس کے علاوہ اٹک سے لے کر ملتان تک جو بھی جنگجو بلوچی قبائل ہیں اُن کو لشکر فیروزی میں داخل کیا جائے اور اس کام کے لئے بڑے خزانہ کی ضرورت ہے شہنشاہ نے خانِ خانان کے مشورہ پر عمل کیا۔ خانِ خانان کی معرفت شہنشاہ نے بلوچی سرداروں سے اپنے والد ہمایوں کی دوستی کا ذکر چھیڑا پرانے عہد و پیام پھر تازہ ہو گئے۔ پنجاب و بلوچستان کے بلوچی سردار ملتان میں آکر جمع ہوئے خانِ خانانِ جرار لشکر جیسی اٹک سے سراوان بلوچی سردار آصف آرا تھے بھکر میں قیام کیا ۵ مرزا جانی بیگ

۵۔ دربار اکبری از مولانا محمد حسین شمس العلماء آزاد ص ۶۰۳ :۔

۵۔ تاریخ ہندوستان جلد ۵ از خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ ص ۵۵ مطبع انسٹیٹیوٹ علی گڑھ ۱۹۱۸ء

نے بلوچوں کا رخ بدلا دیکھ کر ایک خاص ایلچی شہنشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ کہ اگر حضور کا لشکر قندھار پر جاتا ہے تو میرزا بھی شاہی لشکر کے ساتھ شامل ہوگا۔ ابوالفضل کی رائے تھی کہ قندھار پر قبضہ کرنے سے ایران اور توران سامنے آجائیں گے۔ مگر خانِ خانان کہتا تھا کہ پہلے سندھ کے، بحرہ عرب کے ساحل پر قبضہ رکھنا ضروری ہے۔ خانِ خانان نے بلوچی شہسواروں کی امداد سے پہلی یلغار میں سیوہن کا قلعہ فتح کیا۔ برق اندازوں سے وہ ستم کر دکھایا کہ مدتوں کا جمع کیا ہوا غلہ جل کر سیاہ ہوگیا۔ بلوچ لکھی پہاڑ کے پیچیدوں سے اس مقام پر قبضہ کیا۔ غرض سیوہن کا قلعہ کنجی تھا جس نے قفل کھولا۔ خانِ خانان نے نصر پور جو دریائے سندھ مشرقی ساحل پر ہے حملہ کیا یہ جنگ دریائی جنگ تھی مگر جانبازوں نے دونوں طرفوں سے کشتیوں کو چھوڑ کر تھوڑے پانی میں کود پڑے۔ مرزا جانی بیگ کا سپہ سالار خسرو چرکس جو دراصل اُس کا غلام تھا ایک بلوچی اسیر کے ہاتھ سے زخمی ہوگیا۔ بقول مولانا اُستاد آزاد یہ وہ معرکہ تھا کہ بہادر کھولتے پانی کی طرح اُبلے پڑے تھے۔ دونوں طرفوں سے توپ بنی تھی۔ کشتیاں اور غراب مرغابیوں کی طرح تیرتی پھرتی تھیں![۱] ایک مرتبہ جب شاہی لشکر میں اشیاء خوردنی کی کمی ہوئی تو خانِ خانان کو افسوس ہوا کہ کہیں بلوچ آنکھیں نہ بدل بیٹھیں۔ بارگاہ تک معاملہ کو پہنچایا۔ شہنشاہ نے امرکوٹ کے راجہ کے معرفت ایک لاکھ روپیہ خانِ خانان کو پہنچایا کہ فوراً بلوچوں میں تقسیم کیا جائے۔ پھر کیا تھا کہ خانِ خانان بندرگاہ لاہری کو پہنچ گیا۔ اور مسٹر ہیگ MR. HAIG کا بیان ہے کہ بڑی دیر تک سمندر کو دیکھتا رہا۔ بقول مولوی ذکاءاللہ صاحب کے جانی بیگ کی فوج باقاعدہ فن اور مغربی لباس میں

---

[۱] دربار اکبری از مولانا آزاد مد مرزا عبدالرحیم خانِ خانان ص ۶۰۳، ۶۰۴

بھی مگر یہ بلوچ تھے جنہوں نے ٹھٹھہ کے قلعہ فتح ہونے کا مژدہ سُنایا اور ایک بارہ
سو کا بلوچی دستہ تھا۔ اس طرح فاتح نصرپور بھی شیر خان بلوچ تھا۔ مرزا جانی بیگ نے
اطاعت منظور کر لی اور معہ اہل وعیال بارگاہِ اکبری میں حاضر ہوا خاندانی فرد تھا چنانچہ
مرزا جانی پسر پاینده محمد بن مرزا باقی بن مرزا عیسیٰ بن عبدالعلی بن عبدالخالق جو شکل بیگ
ترخان کی نسل سے تھا۔ شکل بیگ کے باپ ایکوتمر کو ایک لڑائی میں جانبازی کے صلہ
میں ترخان خطاب دیا تھا۔ اس کا نسب چوتھی پشت میں ارغون خان بن اباغ خان
بن ہلاکو خان بن تولوخان بن چنگیز خان تک پہنچتا تھا۔ مرزا جانی آخری اسی خاندان کا
چشم و چراغ تھا۔ شہنشاہ اکبر نے اس کو منصب ۳ ہزاری اور صوبہ ملتان عنایت
کیا اور ٹھٹھہ مرزا شاہ رُخ کے حوالے کیا مگر بعد میں ٹھٹھہ، سیوہن اور لاہری بندر
بھی مرزا جانی کے حوالے کر دیئے۔ مرزا نے ۱۵۹۹ء میں انتقال کیا۔ اس کا لڑکا غازی
بیگ آگرہ کی دربار سے سندھ کا صوبیدار مقرر ہوا۔ اس کی ترخانی رگوں میں خون تھا۔
اس نے جام ھلاج کر کریلا کے باغی کو شکست دی۔ عہد جہانگیری میں وہ صوبے پر
قائم رہا مگر رفتہ رفتہ جہانگیر کو شک پیدا ہوا کہ یہ غازی بیگ خودمختار رہنا چاہتا ہے۔
۱۶۰۶ء میں وہ آگرہ کی دربار کے حکم سے قندھار کو روانہ ہوا۔ مگر مذکورہ جرم میں ۱۶۱۲ء
میں اُسنے جان گنوائی اور سندھ مغلیہ شہنشاہت کا حصہ بن گیا۔ ٹھٹھہ پہ نائب دھلی
اور آگرہ کی دربار سے مقرر ہونے لگے۔ ترخانوں کا خاتمہ ہونے لگا۔ ۵

۵۔ نوٹ: مرزا غازی بیگ کے زمانہ میں اکثر فساد ہوتے رہے۔ جام ھلاج گکریلا سے پہلے
عبدالقاسم سلطان نے سوڈھوں کو شکست دے کر ٹھٹھہ کے تاجروں کو لوٹا۔ غازی بیگ
بلوچی سرداروں سے بھی ساز باز کرنے لگا۔ مگر بلوچی سردار مغلیہ دربار کے ماتحت ہوگئے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پہ)

قندہار کے معاملات

جب بابر تباہ ہو کر کابل میں آیا تو بدیع الزمان مرزا وغیرہ سلطان حسین باتیقرا کے ساتھ قندہار تھا۔ وہ بھی شہزادگان تیمور سے تھے۔ اور بابر کے بھائی بند تھے۔ جب وہ شیبانی خان کی تلوار سے برباد ہو کر پریشان ہو گئے تو بابر نے ہندوستان روانہ ہونے کے وقت قندہار پر قراچہ بیگ کو بٹھا آئے شاہ اسماعیل اور شاہ طہماسپ اُسوقت ایران پر پھیل گئے تھے۔ ہمایوں جب تباہ ہو کر ایران کو گیا۔ تو اس کے بھائی کامران نے آپ کابل لیا اور قندہار قراچہ بیگ سے چھین کر عسکری مرزا دوسرے بھائی کو دیا۔ یہ مقام میوہ خوری کے لئے تھا۔ ایران میں شاہ طہماسپ نے جو کچھ مہمان نوازی اور رفاقت کے حق ادا کئے۔ اُس کے عوض ہمایوں نے وعدہ کیا تھا کہ قندہار فتح کر کے آپکے سُپرد کراؤں گا۔ ہمایوں نے قندہار لے کر بیرم خان کو وہاں چھوڑ آئے۔ اُس نے جو کچھ سپہ سالار ایران سے سلوک کیا شاہ طہماسپ سُن کر چپ رہ گیا۔ یہی سمجھا ہوگا کہ ذرا سی بات کے لئے نئی اور پرانی نیکیوں کے نقش ونگار پر سیاہی پھیرنی کیا ضروری ہے۔

بیرم خان جب ہمایوں کے ساتھ ہندوستان کو سپہ سالار ہو کر چلے تو اپنے پرانے بلوچ دوست شاہ محمد قلاتی کو قندہار کا نائب مقرر کر کے آئے۔ یہ بلوچ

بقیہ: پہلے سندھ کا شمالی حصہ مغلیہ سرکار میں شامل تھا۔ مگر سنہ ۱۶۰۵ء میں اکبر اعظم کے مرنے کے بعد جب جہانگیر کا زمانہ آیا سندھ کی دربار کو بحال رکھا گیا۔ اور تمام سندھ مغلیہ سرکار کے زیر فرمان ہو گئی مگر غازی بیگ کے بعد دہلی اور آگرہ کی درباروں سے براہ راست صوبہ ٹھٹھہ کی دربار پر مقرر ہونے لگے۔ دیکھو

حضرت اپنی دانائی اور بڑھاپے کی وجہ سے عشق و پارسائی میں یکتائے گوہر تھا۔ مگر بدقسمتی سے اُس کی سرحد زمین داور میں بہادر علی خان علی قلی خان کے بھائی سے ملتی تھی۔ بڈھے بلوچ نے اس کو دبانا چاہا مگر ۹۶۴ھ میں بہادر خان نے قندھار کو گھیر لیا۔ بُڈھے کہن سال نے بیرم خان کی آنکھیں دیکھی تھیں اندر ہی اندر شاہِ ایران کو لکھا کہ قندہار حضور کا ملک ہے۔ آپ فوج بھیج دیں تو فدوی امانت سُپرد کر کے سبکدوش ہو۔ شاہ نے فوراً تین ہزار فوج سیستان اور فرہ کے علاقہ سے یار علی بیگ افشار کے زیرِ حکم بھیجی۔ بہادر خان شکست کھا کر بھاگا۔ لطف تو یہ ہے کہ شاہ محمد قلاتی نے لشکر ایران کو پھر دم دلاسا دیکر ٹال دیا۔

۱۵۵۶ء میں شاہ طہماسپ نے غصے ہو کر اپنے برادر زاد سلطان حسین مرزا ولد بہرام مرزا کو قزلباشوں کا جرار لشکر بھیج کر محاصرہ کر لیا۔ شاہ محمد نے اکبر کو عرضیاں بھیجیں یہاں نئی نئی تخت نشینی تھی۔ ایک جھگڑے میں کئی کئی جھگڑے تھے۔ ٹھٹھہ اور بلوچوں کا سوال درپیش تھا۔ انہوں نے اجازت دی۔ اس نے قندہار حوالے کر دیا۔ شاہ سلطان یہ علاقہ سلطان حسین مرزا کو دے دیا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ مظفر حسین مرزا، رستم مرزا ابو سعید مرزا، سنجر مرزا سلطان حسین ہمیشہ شہنشاہِ اکبر کو بھیجا کرتا تھا۔ شاہ طہماسپ مر گیا تھا۔ شہنشاہِ اکبر کو قندہار کے لینے کا خیال کچھ نہ تھا۔ سلطان حسین کے مرنے کے بعد شاہ اسماعیل نے جو شاہ طہماسپ کا جانشین ہوا اپنی بھائی بندوں کی خونریزی پہ کمر باندھی اُس نے چند آدمی ان مرزائیوں کے مارنے کے لئے بھی مقرر کیے۔

اب اکبر کی فوج فارغ تھی۔ ۱۵۹۲ء میں سندھ کے دونوں طبقے سرکار میں شامل ہو چکے تھے۔ اکبر نے چاہا کہ کابل کی فوج کو قندہار پہ روانہ کرے کیوں کہ اس کا شوق یہی چاہتا تھا۔ کہ علاقہ مذکورہ پھر میرے قبضہ میں آجائے۔ یہ وہ وقت تھا کہ

کہ شاہ عباس صفوی کے جاہ و جلال نے تمام ایران و خراسان میں زلزلہ ڈال دیا۔ مرزاؤں کو اپنی حالت پر خطرہ ہوا۔ کیونکہ انہیں باہم کشاکش ہونے لگی۔

اکبر کا قلعہ سیوی پر قبضہ کرنا

قندہار اور بلوچستان صفوی شہنشاہت کے حصے تھے۔ خان خاناں نے قندہار سے پہلے بلوچوں کو شامل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا قندہار سے پہلے سیوی قلعہ پر قبضہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ اکبر نے بیرم خان کو کہہ دیا تھا کہ اگر بلوچ اطاعت قبول نہ کریں تو اُن کو بذریعہ جنگ زیر کیا جائے۔ مگر بلوچ لوٹ مار کر کے مغلیہ لشکر کے رفیق بن چکے تھے۔ میر محمد معصوم والے بھکر کی تدبیر سے پہلے کچھی اور گاجان کے دو زبردست سرداروں نے جیسے کہ داؤد خان اور دریا خان نے اطاعت منظور کر لی۔ سیوی کا قلعہ اقبال اکبری کے زیر سایہ ہو گیا۔ قندہار کا راستہ خود بخود کھل گیا۔ ۱۰۰۳ھ میں سیوی فتح ہو گیا۔ مرزاؤں کے خیالات ادھر متوجہ ہو گئے۔ سب بھائیوں نے ایران سے رشتہ توڑ دیا اور دربار اکبری میں پیش ہوئے رستم مرزا کو ۵ ہزاری منصب عطا کر کے ملتان جاگیر کر دیا۔ اور دوسروں کو حسب مراتب عہدے اور منصب ملے۔ اکبر نے قندہار کابل کے صوبیدار شاہ بیگ کے زیر کر دیا۔

بلوچستان پر اکبر کا قبضہ

ٹھٹھہ کے بعد کچھی گنداوہ سیوی اور قندہار پر قبضہ ہو چکا تھا۔ بلوچوں کو اکبری فوج میں کافی عزت تھی اس لئے وہ بخوشی مغلیہ اقتدار کو پسند کرنے لگے۔ قلات تک لوگ اُدھر جھک گئے۔ ادھر اکبر پنجاب میں ایک جرار لشکر بلوچوں کے مقابلے کے لئے تیار رکھا۔ مگر بلوچی سرداروں نے اطاعت منظور کر لی۔ ۱۰۰۴ھ میں بلوچستان صفویہ سلطنت سے نکل کر قلمرو اکبری میں شامل ہو گیا اور

کران تک ملک مغلیہ سرکار کا حصہ بن گیا۔ باقی جن بلوچوں نے سرکشی کی اُن کو شاہ بیگ کابل کے صوبیدار نے شکست دی ۵! غرض سندھ کا علاقہ جو مغلیہ سلطنت کا حصہ تھا اُسپر سنہ ۱۶۱۲ء سے لیکر سنہ ۱۷۳۹ء تک جملہ ۱۲۸ برس تک مغلیہ صوبیداروں نے حکومت کی۔ وہ گویا حکومت دہلی کی طرف سے خراج وصول کرنے پر مامور رہے اُنہیں بعض صوبیدار عمارت ساز بھی تھے مثلاً میر محمد معصوم جنکی یادگاریں اسوقت سکھر میں موجود ہیں اور خسرو خان صوبیدار ٹھٹھہ نے اکیلے دارالخلافہ ٹھٹھہ میں ۳۶۰ مساجد مقبرے کوئیں، پل اور رفاہ عام کے لئے دیگر قسم کے عمارات تعمیر کرلئے، ٹھیک سنہ ۱۶۶۵ء میں جب شاہ جہان نے اپنے باپ جہانگیر کے زمانہ میں فساد کیا تو اس نے ٹھٹھہ میں آکر پناہ لی۔ اس وقت ٹھٹھہ کا صوبیدار شریف الملک المعروف بہ شریف خان تھا۔ پھر جب شاہ جہان دہلی کی تخت پر بیٹھا تب نواب امیر خان عرف ابوالبقاء ولد نواب قاسم خان نمکین بن ملا میر سبزواری کو جامع مسجد تعمیر کرانے کا حکم دیا۔ ٹھٹھہ کی یہ جامع مسجد ۲۵ برس میں تعمیر ہوئی۔ دہلی کی جامع مسجد کے بعد اس کا شمار ہندوستان کی بہترین مساجد میں ہے۔ سنہ ۱۲۷۲ھ مطابق سنہ ۱۸۵۵ء ٹھٹھہ کے سید صابر علی شاہ مرحوم اللہ بخش شاکرانی جو ٹھٹھہ کے معزز تھے اس کو تعمیر کروایا۔ سنہ ۱۳۱۱ھ مطابق سنہ ۱۸۹۴ء میں انگریز سرکار نے جب دوبارہ جامع کی تعمیر کروائی تو اس پر جملہ ساڑھے دس ہزار روپیہ خرچ کیا جس سے ۴ ہزار روپیہ ہز ہائنیس میر فیضی محمد خان بلوچ ٹالپر رئیس ریاست خیرپور نے دیئے۔ عیسوی ۱۷ صدی تک ٹھٹھہ کا عروج رہا۔ سنہ ۱۸۳۱ء میں برنس BURNES

۵! یہ تمام حالات تاریخ ہندوستان جلد ۵ ص ۴۶۵ سے ص ۴۷۰ تک درج ہیں، دربار اکبری ص ۸۲۱ - ۸۲۳ سے لئے گئے ہیں:

نے جب اُس کو دیکھا اُسوقت اس کا زوال شروع ہو چکا تھا ا ٹھیک بلوچستان پر احمد خان اول تک ۱۶۵۰ء تک مغل سلطنت کا حصہ رہا، قلات، پشین اور مکران قندہار سرکار کے ماتحت رہے اسی طرح کچھی بھکر سرکار کے ماتحت رہا۔ مگر افسوس! مغلیہ عمارت ساز فرمانرواؤں اور صوبیداروں نے کوئی یادگار اس ملک میں قائم نہ کرسکے۔

اورمحی اورنگ زیب عالمگیر تک سندھ و بلوچستان دہلی کے نوابوں کے ماتحت رہے۔ عالمگیر اوّل کے بعد پھر طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا ملتان سے لے کر دریائے سندھ کے دہانے تک جتنے بھی زمیدار اور پیر یا جاگیردار تھے۔ جو پہلے نوابوں کو خراج ادا کرتے تھے۔ وہ خود مختار رہ گئے۔ ان چند زمینداروں کے نام اور اُن جاگیرداروں کے حدود بیان کرنا ضروری ہے۔ ملتان میں لنگاہ کی زمینداری تھی وہ بھکر کے صوبیدار کے ماتحت تھے، ماچھی ماچھکہ کے زمیندار بہاول پور رہتے تھے، ناہر کشمور سے کر مہران تک آباد تھے۔ ڈاہر جو ملک ڈھر کے جاگیردار تھے یہ موجودہ تعلقہ اُباڑہ کے گرد و نواح تھے۔ خیر پور ڈاہر کا شہر اُنکی یادگار ہے، لکھی، شکار پور، سکھر اور گھوٹکی تک قوم مہرہ آباد تھی یہ تمام علاقہ ملکہ مہارا کہلاتا تھا۔ ان کے ہمسایہ دھارکیجہ قوم سندھ دریا تک آباد تھی جن کا صدر مقام عادل پور تعلقہ گھوٹکی میں تھا، سندھ دریا کے مغرب میں بلوچوں کی آبادی تھی جنکی آبادیاں ان کے ناموں پر مشہور تھیں جیسے مزارجہ مزاریوں کا ملک، بلدکہ بلیدیوں کا ملک، جتوئکہ جتوئیوں کا علاقہ، چانڈکہ

ا
ہ

لہ نوٹ، ڈاہر اور مہرہ قومیں دراصل ہندو تھے بعد میں مسلمان ہوئے۔ بلوچی آبادی کشمور سے لیکر سندھ کے نچلے حصے کوہستان تک پھیلی ہوئی تھی اُن کی آبادیوں کے نام دیئے گئے ہیں :-

باڈیوں کا ملک غرض کشمور سے لے کر تعلقہ قنبر اور نصیر آباد تک بلوچوں کی آبادی تھی قوم بہنور اور جتوئی لوھری اور گھوٹکی کے درمیان رہتی تھی ان کا صدر مقام بہنواری تھا۔ یہ سیوہنی اور دادو تک پھیلے ہوئے تھے۔ سعتہ یاسہتہ وھنگور جہ یہ جوکنڈریا ہا مورہ ساہتی علاقہ میں لبستے تھے۔ سیوی میں بارو زئیوں کا اقتدار تھا اور یہ سندھ سے علیحدہ مگر بھکر کے صوبے کے ماتحت تھے اترخانی اور ارغونی ٹھٹھہ اور نصر پور اور بھکر کے گرد و نواح لبعضوں کی زمینیں تھیں مگر اب مغلی ہو چکے تھے، خانپور لکھی اور تنکار پور میں داتود پوترہ رہتے تھے: جنہوں نے بعد میں بہاول پور کی ریاست کا سنگ بنیاد رکھا، ابڑہ یہ قوم نوشہرہ میں رہتی تھی۔ لاڑکانہ کنکڑ، نصیر آباد جو ہی کلھوڑوں کا مسکن تھا۔ گمسی کبھی اور چھل پر قابض تھے۔ کھوسہ بلوچ یہ کہوکی تعلقہ کنکڑ میں جاگیر دار تھا سیوہنی سے دریائے شور تک لنمریہ (لومڑی)، جوکیہ اور کرمتی آباد کار تھے، ان میں لومڑیوں کا صدر مقام ٹھانہ تعلقہ کوٹڑی تھا۔ جوکہ ذیہہ ملیر میں آباد تھے۔ کرمتی میر پور ساکرہ میں رہتے تھے۔ جت قوم جاتی میں رہتی تھی، اٹر زیریں سکرنڈ میں سکونت پذیر تھے۔ عمر کوٹ اور ریگستانی علاقہ میں سوڈہہ اور راجپوت رہتے تھے، توگاچی تعلقہ ڈیلپہ میں رہکی بازاو میں رہتے تھے۔ جب مغلوں کا اقتدار کم ہونے لگا تو سندھ میں داؤد پوترہ اور کلھوڑوں نے سر اٹھایا، یہاں ٹالپر بلوچوں کا نام بھی یاد رکھنا چاہیئے جو اس وقت سندھ میں منتظم ہو رہے تھے:۔

مذکورہ تمام قوموں کے سرخیل جدا جدا تھے۔ اور ہر ایک قوم اپنے سرخیل کے ماتحت تھی: مغلوں کے عہد میں سلطنت صوبوں میں بٹی ہوئی تھی، ان صوبوں کے ماتحت سرکاریں تھی۔ پھر یہ سرکاریں "محالوں" میں تقسیم تھیں، پنجاب، سندھ اور بلوچستان مغلیہ شہنشاہت کا پندرداں صوبہ شمار ہوتا تھا۔ اور ان علاقوں

کے منصبداروں کے صدر مقام ملتان و ٹھٹھہ تھے۔ بھکر اور سیوی میں اُن کی طرف سے منصبدار یا گورنر مقرر تھے، عالمگیر اوّل کے زمانے میں سیوی کا نائب بختیار خان مرزا تھا۔

داؤد پوترہ کا عروج

مغلوں کے زمانہ میں پہلی قوم جس نے کامل ایک صدی کے بعد سر اٹھایا وہ داؤد پوترہ تھے وہ جولاہے تھے اور اپنی نسل محمد کھنباتہ سے شمار کرتے تھے جو اُنکی روایتوں کے مطابق حضرت عباسؓ کی اولاد میں تھا۔ داؤد پوتروں کا بیان دینا بلوچستان کی تاریخ سے کوئی تعلق نہیں مگر ان بیان کے بغیر ٹالپورن کی تاریخ غیر مکمل ہوجائیگی اس لئے ضرورت ہے کہ ٹالپوروں سے پہلے جن جن قوموں نے سندھ میں اقتدار حاصل کیا اُن کا مختصر بیان دینا ضروری امر ہے، داؤد پوترہ اور کلہوڑوں کا مورث اعلیٰ اوڈ ہانہ نامی جس سے اُنکی نسل کا آغاز شروع ہوتا ہے پہلے کیچ مکران میں ڈیرہ جما کر اُس نے وہاں پیری مریدی کا سلسلہ شروع کیا، اُس نے بہت مرید پیدا کئے، اس کی اولاد کو اوڈہانہ کہتے تھے۔ ان میں محمل نامی ایک بزرگ نے کاہرہ بیلہ (لس بیلہ) میں گوجر قوم کو شکست دیکر اُس پر قبضہ جمالیا۔ اُس کا جانشین اس کا لڑکا بہیل ہوا۔ برلس کا قلعہ اور موتی مقامات اسی کی یادگار ہیں۔ بہیل کے لڑکوں میں سے جنیر اپنے بھائیوں کی مخالفت کی وجہ سے اپنے خدام اور مریدوں سمیت کنبھات کے اوڈ بیجہ قوم میں آکر سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد تعلقہ ڈیلہ کانگڑہ کے زمیندار بلال سمہ کی دختر دہرائے اُس نے شادی کی۔ اس سمہ خاتون کے بطن سے اس کو ایک لڑکا محمد نامی پیدا ہوا جو داؤد پوترہ اور کلہوڑوں کا دادا شمار ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سندھ سات راناؤں کی ریاست

نہیں اور وہ غزنی حکومت کے ماتحت تھے۔ میں اُن ریاستوں کا بیان پہلے دے چکا ہوں پہلے ان راناؤں کا تعلق ملتان سے تھا جو سلطنت غزنی کے نائبوں کا صدر مقام تھا۔ محمد نے ان ساتوں راناؤں کی لڑکیوں سے نکاح کیا اس رشتہ کی وجہ سے وہ اس کو اپنا رئیس تسلیم کرنے لگے۔ اس کی بے شمار اولاد ہوئی جن میں سے رانا چینہ کے لڑکے دتھن سے داؤد پیدا ہوا جس کی اولاد داؤد پوترہ مشہور ہوئے ! رانا چینہ نے چینہ بیلہ (پریالو) تعلقہ لوھری میں سکونت اختیار کی بھات سانگھڑ میں وفات کی وہیں مدفن ہوا۔

چنیسر کا زمانہ ۱۲۲۰ء اور داؤد کا زمانہ ۱۲۲۰ء عیسوی ۱۸ صدی کے آغاز میں داؤد پوترہ قوم نے پہلی مرتبہ فوجی صورت اختیار کی اُن کا صدر مقام لکھا تھا۔ جو شکارپور کے نزدیک ہے اُنہوں نے خیر خان کی سرکردگی میں اس علاقہ میں انہوں نے مہرہ اور جتوئیوں کو شکست دے کر اقتدار حاصل کیا۔ لکھی اور خانپور ان کے دو گاؤں تھے ان کے بیچ میں جنگل تھا۔ جو داؤد پوتروں کا شکارگاہ تھا، پیر سلطان ابراہیم شاہ نے ان کو اس جنگل میں ایک شہر تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اس شہر میں ایک شہر تعمیر کیا جو شکارپور کے نام سے مشہور ہوا۔ اور بعد میں اس شہر کی تجارت نے بڑی ترقی کی۔ بعد ان کو بھکر کے نائب نے ملتان کی طرف بھگا دیا۔ اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ میں جب سیوی کے نائب مختیار خان مرزا نے بغاوت کھڑی کی تب داؤد پوتروں نے بلوچوں کو شکست دے کر شہزادہ معز الدین کے حرم کو بلوچوں کے لوٹنے سے بچا لیا۔ اس وفاداری کے عوض شہنشاہ اورنگزیب نے بھکر، خانپور

! دیکھو تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۱۰۲ - ۱۰۳ مطبع کریمی بمبئی۔

اور شکار پور کی سند بہادر خان داؤد پوترہ کو مرحمت کر دی یہ ۱۸۰۰ء کا واقعہ ہے جب ملتان اور ٹھٹھہ کے زمینداروں نے بغاوت کی تھی۔ غرض داؤد خان اپنے وقت کا فاتح تھا۔ اس نے ۱۰۲۶ھ جو ۱۶۱۲ء میں مہروں کو شکست دی یہ جہانگیر کا زمانہ تھا داؤد خان کے ۵ لڑکے تھے۔ جیسے عارب، عباس، حسن، حسب اور قاسم اور اس کی اولاد عباس، کیہرانی، عاربانی، حسنی، حسانی کہلانے لگے۔ عیسیٰ داؤد پوترہ کی اولاد عیسانی اور فیروز کی اولاد فیروزانی کہلاتے۔ شکار پور کا شہر بہادر خان نے تعمیر کرایا۔ داؤد پوتروں کا زوال نادر کے زمانہ میں ہوا۔ چنانچہ ۱۷۴۰ء میں جب نادر شاہ ایران کو واپس لوٹا تو صادق محمد اور اس کا لڑکا مبارک اُس کے سپہ سالار طہماسپ کے ہاتھوں مارے گئے اور شکار پور کا شہر نادر شاہ کے بعد ۱۷۴۷ء میں افغانوں کے قبضہ میں آگیا جو ۱۸۲۴ء تک افغانوں کے قبضہ میں رہا اسی دوران شکار پور نے تجارت کا سلسلہ وسط ایشیا تک قائم رکھا اور مالدار شہر بن گیا۔ محمد صادق کی اولاد میں سے اس کا لڑکا بہاول خان اول نے بقول کرنل ٹاڈ ۱۷۴۹ء میں سندھ دریا کے دائیں کنارہ پر بہاول پور کا شہر تعمیر کر کے یہیں ریاست قائم کی اور آج تک بہاولپور کے نواب اپنے کو عباسی کہلاتے ہیں [۱]

قندہار پر شاہ عباس اعظم قبضہ

بلوچ ایک شوریدہ سر قوم تھی۔ وہ اپنی آزادی کے لئے ہر وقت موقعہ دیکھ کر بغاوتیں کرتے تھے۔ ان کی بغاوتوں کا اثر ہمسایہ سلطنتوں پر پڑنا ضروری تھا۔ اکبری عہد میں ترکستان، ایران اور خراسان کی حالت نازک تھی

[۱] دیکھو تاریخ راجستان از کرنل ٹاڈ۔

ایک طرف ازبکوں کا طوفان خراسان وسیستان کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جانے کو منتظر تھا دوسری طرف ایران میں شاہ عباس اعظم صفوی قندہار پر قبضہ کرنے کے لئے موقعہ کی تاڑ میں تھا۔ بیرم خان پرانا تجربے کار سپہ سالار تھا اس نے قندہار کی حفاظت کے لئے بلوچوں کی دوستی کو ضروری مسئلہ سمجھ کر ان سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ کیوں کہ ہمایوں نے قندہار فتح کر کے اس کو۔ بیرم خان کو لطور جاگیر کے مرحمت کیا تھا۔ اس کی سفارش سے بلوچوں کو اکبری فوج میں بڑے عہدے کے منصب بھی ملے تھے۔ مثلاً حاجی پیر محمد خان سیستانی ۲ ہزاری منصب تھا اور شاہ محمد قلاتی کو اس نے قندہار کا نائب مقرر کیا تھا۔ اسی طرح رسول محمد خان بھی امیری درجہ رکھتا تھا۔ اور یہ سب کے سب بلوچ تھے۔ بیرم خان کے بعد جب اس کا لڑکا عبدالرحیم مرزا خان خانان کے عہدے پر فائز ہوا تو اس نے بلوچوں سے مروتیں کی ہیں[ل]

اکبری دور میں تمام بلوچستان ملتان کے صوبے کے ماتحت ہوگیا مگر اتفاق سے کن سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے اکبری فوج کے شیبانی سرداروں سے بلوچوں کو عداوت پیدا ہوگئی جس کا اثر قندہار پر برا پڑا اس کی تفصیل بیان کرنا یہاں ضروری ہے۔

بلوچوں کی بغاوت کا قندہار پر اثر

ایران، افغانستان یا خراسان کا مسئلہ جب مغل فرمانرواؤں کو پیش آتا تھا۔ تو اُس وقت بلوچوں کی خوشامد کرتے تھے۔ پھر جب ان کی فرصت

ل دربار اکبری ذکر بیرم خان از محمد حسین صاحب آزاد خاص کر فتح ٹھٹھہ کا سہرا انہی بلوچوں کے سر پہ تھا۔ اس مہم پر مرزا خان خانان نے ایک لاکھ روپے نقد بلوچی فوجوں میں تقسیم کئے تھے:

نوٹ: شکارپور شہر کی بنیاد ۱۰۲۶ھ مطابق ۱۶۱۷ء بڑی داؤد پوتروں کے بعد اس پر میاں یار محمد کلہوڑے نے قبضہ کیا۔

ملتی ہے تو وہ بلوچوں کو دبا کر زیر کرتے تھے۔ چنانچہ ہمایوں جب ایران سے واپس ہوا تو حیدر سلطان اور اس کے دو لڑکے خان زمان علی قلی خان اور بہادر خان ہمایوں کے ساتھ تھے۔ سلطان حیدر اصل شیبانی تھا اُس نے ایک اصفہانی عورت سے شادی کی تھی جس کے بطن سے اُس کو مذکورہ دو لڑکے ہوئے تھے۔ ؎۱ باپ بیٹوں نے سیتانی بلوچ لشکر کی امداد سے قندہار فتح کر کے سیستان اور رستم کا نام روشن کر دیا۔ ہمایوں کے زمانہ میں وہ با اعتبار سردار شمار ہونے لگے۔ ہمایوں کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا۔ اُس نے شال کا علاقہ سلطان حیدر کو جاگیر میں دیا تھا اور بہادر خان کو زمین داور کا نائب مقرر کیا۔ یہ پہلی حکمت عملی تھی جس سے بلوچ ناراض ہوئے۔ کیوں کہ شال و مستونگ اس سے پہلے ہمایوں نے ایران جاتے وقت لونگ خان بلوچ کو جاگیر میں دیئے تھے۔ اس کے بعد بہادر خان نے شاہ محمد قلاتی سے عداوت شروع کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قندہار مغلوں کے قبضے سے نکل گیا۔ مگر اکبر اعظم نے دوبارہ قبضہ جما لیا۔ اس وقت بلوچوں نے بغاوت کی تھی. مگر وہ مغلیہ لشکر سے مغلوب ہو گئے۔ خان زمان علی قلی خان نے جو اکبری عہد میں امیر الامرا ہوا تھا۔ سرکشی اختیار کی اور یہ رستم ثانی قتل ہو گیا۔ یہی حال بہادر خان کا تھا مگر خان خانان کی سفارش سے اس کو معافی مل گئی۔ اور وہ ملتان کا صوبیدار بن گیا۔ بلوچستان بھی اس کے زیر فرمان ہو گیا۔ ابھی تیسری بار بلوچوں نے پہاڑوں سے نکل کر جنگ شروع کر دی۔ ایک ماہ تک جنگ جاری رہی۔ مگر آخر کار بہادر خان کے ہاتھوں سے بلوچوں نے شکست کھائی۔ ؎۲ ماہ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء

؎۱ وہی شیبانی خان جس نے بابر کو فرغانہ سے نکالا تھا بلکہ تیموریوں کا نام ترکستان سے مٹایا:-

؎۲ مفصل حالات کے لئے دیکھو دربار اکبری از محمد حسین صاحب آزاد ذکر خان زمان علی قلی خان شیبانی اور بہادر خان:

ہیں اکبر نے جنت میں آشیانہ بنایا اور شہزادہ سلیم نورالدین جہانگیر کے لقب سے آگرہ کے تخت پر جلوہ گر ہوا۔ شاہ عباس صفوی جو موقعہ کی آڑ میں تھا۔ اس نے عہد جہانگیری میں قندہار پر حملہ کیا کیونکہ اسوقت بلوچوں کو مغلوں سے نفرت تھی۔ درہ بولان سے پانچ میل مشرق طرف دھاڈر افغان سردار بقول عالمگیر نامہ ملک جیون ایوب تھا ایک چھوٹا سردار تھا۔ محمد دارا کی عورت نادرہ بانو کو ملک جیون سے خوف تھا۔ ملک جیون نے پہلے شہزادہ کی بڑی خاطر کی اُس کو گاؤں میں بطور مہمان رکھا اور اپنے آدمیوں کو تاکید کیا کہ شہزادہ کی ہر طرح سے حفاظت کریں۔ نادرہ بانو ملک جیون کے مکان میں رہتی تھی۔ اس نے جب ملک کی آنکھیں بدلی ہوئی دیکھیں تو ہیرا نگل کر مر گئی۔ دارا کے پاس دارا کے پاس فقط دو یا تین سو رفیق ساتھ تھے۔ اور چار خچریں اشرفیوں کی تھیں ملک کے جیون کے مسلح آدمیوں نے مستورات کے زیور چھین لئے۔ بعد میں اشرفیاں لوٹ لیں۔ دارا اس وقت نیند میں تھا۔ اس کا لڑکا سپہر شکوہ جاگ رہا تھا جب قاتل کمرے میں گھسے تو چھوٹے شہزادے نے تیر وکمان سے دو تین آدمی مار ڈالے آخر قاتلوں نے اس کو گرفتار کر کے اس کے ہاتھ پیر رسی سے بیٹھ پر لئے اس کے بعد دارا کو بھی حملہ آوروں نے رسی سے باندھ لیا۔ اور میر بابا کے حوالے کر دیا جس نے پہلے لاہور اور پھر وہاں سے اس کو دہلی روانہ کیا۔ ملک جیون کو بھی اورنگ زیب نے دہلی بلوا کر تھوڑا انعام دیکر روانہ کیا۔ اس کو امید تھی کہ شاید بڑا انعام ملے گا مگر وہ ناامید رہ گیا۔ دارا کی لاش ہمایوں کے مقبرے میں دفنائی گئی اور اس کی لڑکی کو حرم بھیجا گیا۔ اور سپہر شکوہ کو گوالیار کے قلعہ میں قید رکھا جہاں اسکو زہر دلوایا گیا۔

شاہ عباس کی فوج نے قندہار پر قبضہ کر لیا۔ جہانگیر نے ایک لشکر قندہار کو روانہ کیا مگر بدنصیبی سے ان دنوں شہزادہ خرم شاہ نے نورجہاں کے خلاف بغاوت کی

کی تھی جہانگیر قندھار پر قبضہ نہ کر سکا۔ ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۸ء میں شہاب الدین شاہ جہاں تخت پر بیٹھا اُس نے دو دفعہ عالمگیر اور داراشکوہ کو لشکر دے کر قندھار پر روانہ کیا مگر ناکامی نصیب ہوتی یہ آخری مہم ۱۶۴۹ء میں ختم ہوئی۔

عہد شاہ جہانی میں بلوچوں کی بغاوت

۱۶۴۹ء میں شاہ جہان نے شہزادہ محمد اورنگ زیب کو ملتان کا صوبہ دیا۔ ٹھٹھہ، بھکر، سیوہن اور سیوی کے علاقے بھی اُس کو مرحمت کیے گئے کیونکہ بلوچوں کی بغاوت سے دیرہ جات سے لے کر سندھ کے تعلقہ محال کوہستان تک بلکہ مکران تک بغاوت کی آتش بلند ہوگئی۔ اس فساد میں لکرالے کے جاموں اور کیرتھر کے جوکھیوں نے ٹھٹھہ تک بلوچوں کا ساتھ دیا۔ سرحد کی اس بغاوت نے دھلی کے سیاسی حلقوں میں ہل چل پیدا کردی کیونکہ قلات کے براہوی اور مکران کے ہوت بھی بغاوت میں شامل تھے۔ مگر شہزادہ کے دو مشیر ملک حسین ابدالی اور قابل خان بڑے تجربہ کار تھے انہوں نے کیچ، مکران، لکرالہ اور ٹھٹھہ تک فسادیوں کو دبانے میں کامیاب ہوئے۔ قابل خان کو عہد عالمگیری میں منشی الممالک کا عہدہ دیا گیا۔ یہ وہ بلوچی بغاوت تھی جسکے دب جانے کی یادگار میں دھلی کے قلعہ معلیٰ میں تین دن تک نوبت بجنے لگی۔[۵]

بلوچ کا تھیڈرلیسی کا آغاز احمدزئی خاندان کا عروج

۱۰۶۸ھ بمطابق ۱۶۵۸ء میں محی الدین اورنگزیب عالمگیر اوّل دھلی کے تخت پر جلوہ گر ہوا۔ قلات، مستونگ،

---

۵ دیکھو اورنگ زیب از جادو ناتھ سرکار ایم۔ اے

اور شال کے علاقے قندھار کے ماتحت تھے۔ بلوچ معاہدہ کے مطابق مغلوں کے دوست تھے اور ایک یہ بھی شرط تھی کہ بلوچ جب دربار قلات میں حاضر ہونگے تو وہ غیر مسلح ہوکر آئینگے۔ مگر یہاں کے مغل نائب اکثر ظالم تھے۔ اور بقول اخوند محمد صدیق ظلم اُنکی خصلت کا ایک خاص جز تھا۔ پچھلی بغاوت میں جب شہزادہ معزالدین دہلی کی فوج لے کر بلوچوں سے جنگ کرنے آیا تھا۔ قریب تھا کہ بلوچ اس کو مع حرم قید کرتے مگر داؤدپوتروں نے مغلیہ لشکر کو امداد دی جس وجہ سے بلوچوں کو شکست ہوئی۔ اورنگ زیب نے جب بھائیوں کے ساتھ تخت و تاج کے لئے جنگ شروع کی تھی اس جنگ میں بلوچ اورنگ زیب کے طرف دار رہے مثلاً شاہ جہان کو اپنے لڑکے محمد دارا سے محبت تھی اور یہی شہزادہ ولی عہد تھا مگر مگر ۲۹ مئی ۱۹۵۸ء میں سموگڑھ کے خوفناک معرکے میں دارا شکست کھاکر پہلے دہلی پہنچا بعد لاہور، ملتان اور بکھر سے ہوکر گجرات کو نکل گیا۔ یہاں لشکر جمع کر کے اس نے قسمت کو ایک مرتبہ پھر آزمایا مگر اجمیر کی شکست کھاکر سیوستن کو بھاگ آیا۔ یہاں سے اپنے عیال سمیت اُس نے ایران جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس کی بیوی نادرہ بانو ایران جانے کے خلاف تھی اُس نے راستہ میں انتقال کیا جس کے جنازہ کو خواجہ مقال اور میر گل محمد نے لاہور پہنچایا۔ محمد دارا جب ڈھاڈر کے مقام پر پہنچا تو وہاں کے جاگیردار ملک جیون نے اس کی خاطر مدارت کی مگر انعام کی لالچ سے اُس نے دارا اور اس کے لئے سپہر شکوہ کو قید کرکے اورنگ زیب کے سپرد کردیا۔ جن کو دہلی میں اورنگ زیب نے مروا ڈالا۔

سب سے پہلے قلات کے دہواروں نے قلات آزاد کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر معاہدہ کے موجب ان کو اسلحہ اٹھانے کی ممانعت تھی۔ اس لئے انہوں نے

سب سے پہلے قلات کے دہواروں نے قلات آزاد کروانے کا فیصلہ مگر معاہدہ کے موجب اُن کو اسلحہ اُٹھانے کی ممانعت تھی انہوں نے موٹی خشک روٹیں تیار کر کے بغلوں میں دبا کر دربار قلات میں وارد ہوئے۔ اور موٹی روٹیں مار مار کر مغل کے نائب کو مار ڈالا اور قلات پر قبضہ جما لیا۔ یہ دہوار قوم اب "ڈودڑکی" کے نام سے مشہور ہیں اور ڈودکی کے معنی روٹی ہے ؀!

میر حسن

قلات پر قبضہ کرنے کے بعد دہواروں کے معتبر افراد براہوئیوں کے سردار میر ابراہیم کے پاس گئے۔ جو کہ قنبرانی احمد زئی اور میروانیوں کے دادا ہیں اور انہوں نے کہا کہ مغل ہمارے ساتھ ظلم کرتا تھا۔ اس لئے اسے قتل آپکے پاس آئے ہیں کہ اب آپ اپنے بیٹوں میں سے ایک ہمارے ہمراہ کردیں تاکہ اُسے لے جاکر قلات کے تخت کا حاکم بنائیں۔ میر ابراہیم نے اپنے پوتے میر حسن کو اُن کے ہمراہ بھیجا اور دہواروں نے اُسے اپنے ساتھ لے جاکر قلات کا حاکم بنائیں۔ میر ابراہیم نے اپنے پوتے میر حسن کو اُن کے ہمراہ بھیجا اور دہواروں نے اُسے اپنے ساتھ لے جاکر قلات کا حاکم بنا دیا۔ اور شاہی زیبائش مکان و دربار کے تمام فرائض دہواروں نے اپنے ذمہ لیا۔ اگرچہ احمد زئی قنبرانی سے نکلے ہیں۔ مگر اب علیحدہ نام سے مشہور ہیں۔ اور خصوصاً خواتیں قلات خاندان احمد زئی ہیں۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ قوم براہوی کے دراصل حسب ذیل سات فرقے مشہور ہیں (۱) قنبرانی (۲) احمد زئی (۳) میروانی (۴) قلندرانی (۵) کاعلانی (۶) گرگناڑی (۷) ذگر مینگل۔ ان سے پہلے قوم میروانی، براہوی نے قلات پر قبضہ کیا تھا۔ جس سے رند نے قبضہ لیا۔ اور رندوں سے

؀ یہ بیان رائے بہادر ہیتو رام صاحب نے بحوالہ آخوند زادہ محمد صدیق اپنی کتاب میں درج کیا ہے جو فارسی میں ہے۔

پھر مردانیوں نے قبضہ لیا۔ جس کے بعد مغل قابض ہوئے۔ اس کے بعد پھر میر احمد خان اول براہوی نے قبضہ کیا۔ چنانچہ اس وقت سے اب تک شجرۂ نسب احمد زئی حسب ذیل ہے ؎

میر قنبر	میر زرک	میر گہرام	میر سنجر (۲)
میر زہرا	میر ابراہیم	میر حسن (۱)	میر ملوک (۳)
		اس سے براہیوں کا سلسلہ چلا	

میر قنبر (۴)
میر احمد (۵)
میر سورو (۶)
میر قنبر (۷)
میر احمد (۸)
میر الٹاز (۹) اس سے الٹازی قوم علیحدہ نکلی
میر کیچی (۱۰)
میر الٹاز (۱۱)
(۱۲) میر احمد اول سن تخت نشینی ۱۶۶۶-۹۷ء
(۱۳) میر مہراب خان اول " ۱۶۹۵-۹۶ء
(۱۴) میر سمندر خان اول " ۱۶۹۷-۹۸ء

؎ ۔ یہ وہ شجرہ ہے جس کو مولوی دین محمد صاحب نے ایڈیٹر لاہور میونسپل گزٹ نے دربار تاجپوشی قلات ۱۹۳۲ء میں تحقیقات سے کتاب "یادگار تاجپوشی قلات"، میں درج کیا دیکھو ص ۔ ۹ :۔

(۱۵) میر احمد خان ثانی " سنہ ۱۷۱۳-۱۴ء

(۱۶) میر عبداللہ خان " سنہ ۱۷۱۵-۱۶ء

(۱۷) میر محبت خان " سنہ ۱۷۳۰-۳۱ء

(۱۸) میر محمد نصیر خان اعظم " سنہ ۱۷۵۰-۵۱ء

(۱۹) میر محمود خان اول " سنہ ۱۷۹۳-۹۴ء

(۲۰) میر محراب خان دوم شہید " سنہ ۱۸۱۶-۱۷ء

(۲۱) میر شاہ نواز خان " سنہ ۱۸-۳۹ء

(۲۲) میر نصیر خان ثانی " سنہ ۱۸۴۰ء

(۲۳) میر سر خداد خان " سنہ ۱۸۵۷ء

(۲۴) میر سر محمود خان ثانی " سنہ ۱۸۹۳ء

(۲۵) میر محمد اعظم خان " سنہ ۱۹۳۱ء

(۲۶) میر احمد یار خان " سنہ ۱۹۳۳ء

(اب موجود ہے)

میر حسن جو قلات کے تخت پر بیٹھا وہ میر گہرام خان کا لڑکا اور میر ابراہیم کا پوتا تھا۔ یہ احمد زئی خان دان کا پہلا تاجدار تھا۔ اس کے بعد میر احمد خان جو ۱۶۶۶ء میں براہوئیوں کا پہلا تاجدار جس نے احمد زئی خان کی مستقل حکومت قائم کی یہ ۱۲ وان تاجدار تھا۔ اس سے پہلے جتنے بھی فرمانروان ہو گذرے ہیں اُن کے حالات تاریکی میں ہیں۔ البتہ کلہوڑون کے دورِ حکومت میں ان کا دھندلا سا سراغ مل سکتا ہے۔

ضرورت ہے کہ یہاں کلہوڑوں کا بھی مختصر بیان دیا جائے:-

سندھ پر کلہوڑوں کا قبضہ

یہ کلہوڑے، داؤدپوترہ کی ایک شاخ تھی وہ اپنا نسل محمد کھنباتہ سے شمار کرتے ہیں جو حضرت عباس رضی کی نسل سے تھا اس لئے وہ عباسی تھے۔ ان داؤدپوتروں کو بقول تحفۃ الکرام رندو لاشاری سے رشتہ داری کا سلسلہ تھا۔ اسی طرح کلہوڑوں کی بھی بلوچوں سے رشتہ داری تھی۔ کلہوڑوں کا سراغ آدم شاہ کلہوڑہ کے زمانہ سے مل سکتا ہے جو محمدؐ کی نویں ۹ پشت سے تھا۔ ۵ اور سمہ حکومت کے دور میں ہو گذرا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اُن پیروں و مریدی کا سلسلہ اُس زمانہ سے شروع ہوا۔ جب اُن کے مورث اعلیٰ نے پہلے مکران میں قدم رکھا تھا۔ چنانچہ آدم شاہ گنجی بن میاں صاحب بن میاں خان بن میاں طاہر بن میاں رانا بن میاں شاہ محمد بن میاں ابراہیم بن میاں محمد بن جام جنڈ دو واسطوں سے یعنی شیخ الیاس لنگراچ اور شیخ ابوبکر جتوئی کی معرفت میر سید محمد عرف میران محمد مہدی جونپوری کا مرید ہوا ۶ اور جانڈکہ پرگنہ میں تعلقہ ڈوکری کے مقام ھڑی میں سکونت اختیار کی اور وہاں مہدوی طریقے کی اشاعت کرنے لگے۔ جب مرزا عبدالرحیم خان خانان ٹھٹہ فتح کرنے

۵۔ جنرل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی کا پرچہ جو مئی ۱۸۴۳ء میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ اس میں آدم شاہ کا زمانہ ۱۵۹۲ء دکھایا گیا تھا۔

۶۔ سید میران محمد جونپوری کے والد خان کا نام سید خان تھا ۸۴۷ھ میں انکی ولادت جونپور میں واقع ہوئی انہے علامہ مہدی موعود ہونیکا دعویٰ کیا۔ وہ جونپور سے مانڈو، دولت آباد، احمدنگر، گجرات پھر سندھ کے شہر نصرپور پھر قندھار گئے اور ۹۱۰ھ میں فرہ میں انتقال کیا۔ اور ۹۸۰ھ میں شاہ قاسم عراقی حاکم فرہ نے قبر پر گنبد بنوایا۔ دیکھو مذاہب الاسلام ص ۶۹۵-۷۱۰: مولانا محمد حسین صاحب آزاد نے بھی دربار اکبری میں ان کا ذکر دیا ہے۔

کے ارادے سے لاڑکانہ سے گذرا تب وہ دعا مانگنے کے لئے آدم شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چانڈکہ پرگنہ اُنکو بطور جاگیر کے مرحمت کیا۔ یہاں اڑ قوم آدم شاہ کے مرید ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ بلوچوں کے پرگنہ چانڈکہ پر قبضہ کرنے کے بعد اُس کی پیری مُریدی کے سلسلہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ چنانچہ نعل عیین کی دوستی سے جو مشائخ وقت اور شیخ الشیوخ بہاؤ الدین ملتانی رح کے اولاد میں سے تھا۔ اُس کی دوستی سے اُس کا اقتدار بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ سندھ کے زمینداروں نے اس کے خوف سے حاکم ملتان کے پاس اس کی شکایت کی جس نے اُس کو قید کیا۔ میاں آدم شاہ نے قید میں انتقال کیا اور اُس کی وصیت کے مطابق ملتان کے کوتوال آقا شاہ محمد نے اُس کے جنازے کو سکھر کی ایک پہاڑی پر دفن کیا۔ اور یہ پہاڑی اس وقت آدم شاہ کی پہاڑی سے مشہور ہے۔ ؎[۵]

جنید ۱۲۲۰ء

محمد ۱۲۴۰ء

شجرہ داؤد پوترہ	شجرہ کلہوڑہ
داؤد ارلعہ ۱۲۸۰	ابراہیم ثانی ۱۲۸۰
محمد ۱۳۲۰	شاہ محمد ۱۳۲۰
داؤد ۱۳۵۰	رانہ ۱۳۶۰
صالح ۱۴۰۰	طاہر ۱۴۰۰
ھبت ۱۴۴۰	میاں خان ۱۴۴۰

۵ دیکھو تحفۃ الکرام جلد سوم ذکر خانزان کلہوڑہ (عباسیان)۔

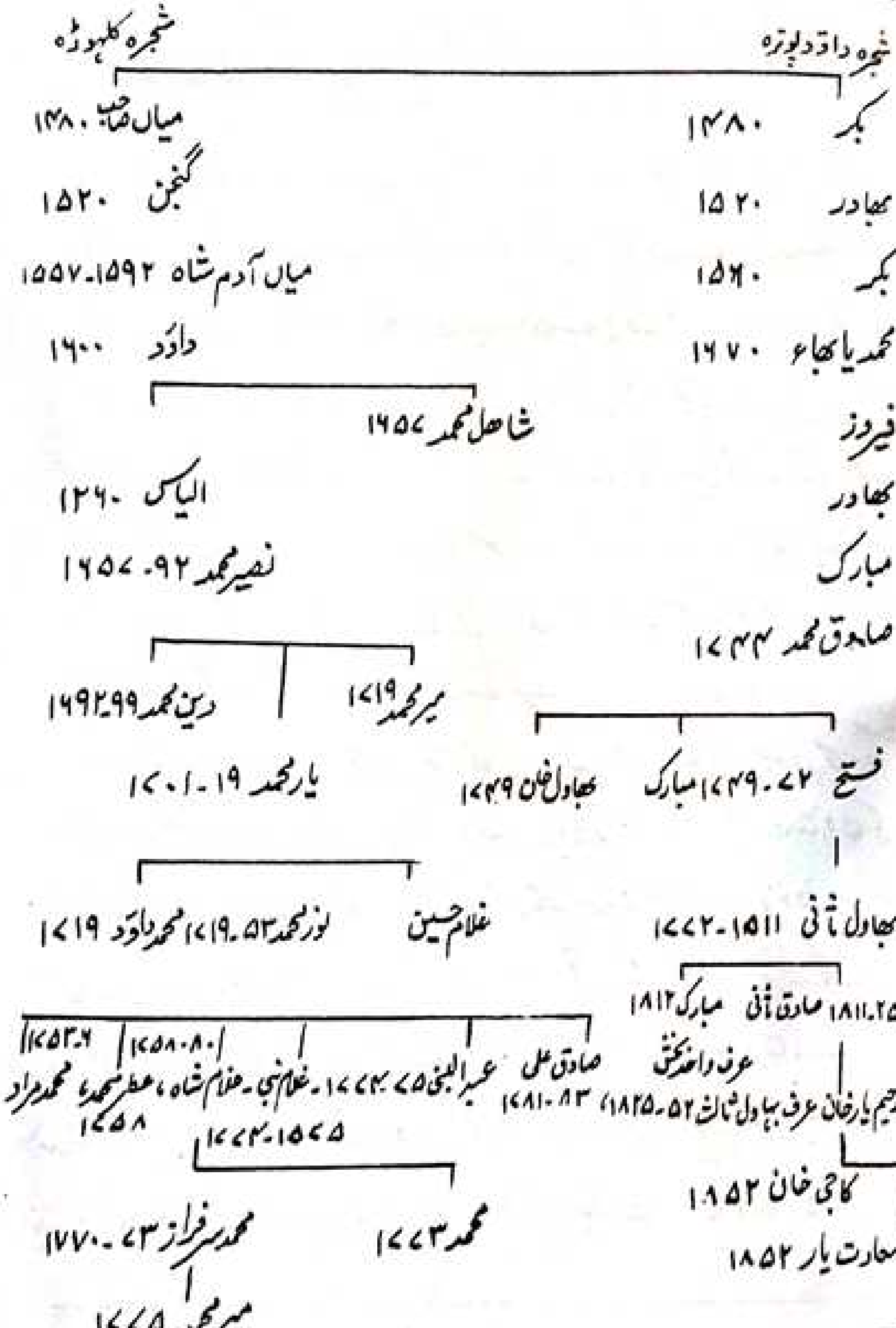

۵ یہ شجرہ سندھ پراونشل گزیٹیئر سے نقل کیا گیا ہے۔ داؤد ارلبہ کے متعلق بیان ہے کہ وہ رند و لاشار بلوچی خاندان کا چچا زاد بھائی تھا۔ شمس العلماء ڈاکٹر محمد عمر داؤد پوتا جو ۱۹۴۱ء میں سندھ کے ڈائریکٹر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بلوچوں کی دوستی سے کلہوڑوں کے اقتدار کا بڑھنا،

میاں آدم کی وفات کے بعد اُس کے دو فرزند، میاں ابراہیم اور داؤد پیری مریدی کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ حکام وقت کے خوف سے انہوں نے زمانی اختیار کی جیسے کہ برٹن صاحب کا بیان ہے۔ ان کے پوتوں میں سے میاں الیکس ولد داؤد۔ نے مریدی کے سلسلہ کو کوہستان، کچھی تک وسیع کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بلوچوں نے اُن کا طرف لیا۔ اس زبردست قوم سے اتحاد پیدا کرنے کے بعد کلہوڑہ خاندان کے رتبے کا سکہ سیاسی صورت اختیار کرنے لگا۔ بلوچ جبل کہ اُن کے صف مریدی میں شامل ہو چکے تھے۔ اس لئے جب کبھی اُن کو موقع ملتا تھا تو لوٹ مار بھی کر لیتے تھے۔ چنانچہ اس کے مرنے کے بعد اس کے بھائی میاں شاہ علی دشاہ علی محمد نے لاڑکانہ علاقہ میں چند قطعات زمین پر قبضہ کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ مریدوں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے عقیدت مندوں کی گزران کے لئے اس نے نہر گھار کھدوائی۔ آخرکار بھکر کے مغلیہ نائب کو خوف پیدا ہوا اُس نے اس کو مروا ڈالا۔ اس کی قبر لاڑکانہ اور قنبر کے درمیان فتح پور گاؤں میں ہے جو لب نہر گھار واقع ہے۔ سنہ ۱۱۸۸ھ ع ۱۷۸۴ء میں میاں غلام شاہ نے اس پر بلند عمارت تعمیر کرائی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا میاں نصیر محمد مسند نشین ہوا۔ اُس نے ایک باقاعدہ فوج بھی تیار کر لی۔ جس میں زیادہ تر فوجی جانباز تھے۔ اُس فوج سے اس نے

بقیہ، آف پبلک انسٹرکشن تھے۔ اس ناچیز کی کتاب "مختصر تاریخ بلوچستان" کو حکومت کی طرف سے منظور فرمایا۔ کلہوڑوں کو سندھ میں "میاں" اور بلوچستان میں "سرائی" کے القاب سے کہتے تھے۔

خدا آباد کے پونودھر قوم اور بھکر کے نواب کو شکستیں دیں۔ ایک مرتبہ اُس کو اورنگ زیب نے قید کروایا تھا مگر وہ بھاگ گیا یہ اپنے کاقت کا سندھ کا بڑا زمیندار تھا اس کا مقبرہ غیر لور ناتحن شاہ میں ہے۔ اور عمارت کی تعمیر کا سن ۱۱۳۰ھ ۱۷۱۸ء ہے مغلیہ لشکر اورنگ زیب کے زمانہ میں زیادہ تر دکھن میں مرہٹوں سے مشغول رہی اس کمزوری کی وجہ سے پنجاب میں سکھوں کی شورش تھی بلوچستان میں قلات پر احمدزئیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور سندھ میں کلہوڑوں اور بلوچوں نے لوٹ مار کی وجہ سے بھکر کے نائب کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ چنانچہ میاں نصیر محمد کے بعد جب میاں دین محمد مسند نشین ہوا۔ تو اُس نے قلات کے خوانین سے دوستی پیدا کی۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ سیوی کے نائب مرزا خان بیگ کو ایک طرف قلات سے دوسری طرف سندھ کے مغربی حصہ سے جس پر کلہوڑہ قابض تھے خوف پیدا ہوا۔ معاملہ جب دھلی کی دربار میں پیش ہوا تو شہنشاہ ملتان کے حاکم شہزادہ معزالدین کے ماتحت ایک لشکر سندھ کو روانہ کیا۔ میاں دین محمد نے قلات میں ایک برس تک پناہ لی! اس کے بعد اس نے شہزادہ معزالدین سے معاہدہ کیا کہ وقت ضرورت وہ مغلیہ سلطنت کا مددگار رہیگا۔ اس کو شہزادہ ملتان لے گیا اور وہیں مروا ڈالا۔ اس کے بعد اس کا بھائی میاں یار محمد مسند نشین ہوا۔ اور اُسے اعلانیہ بلوچوں کی مدد سے مغلوں سے جنگ شروع کر دی پھر جب مغلیہ فوج کا پلہ بھاری رہا۔ تو یار محمد نے دو برس تک قلات کے خان میر الناز خان کی مدد سے سندھ میں منچھر کی خلیج تک قبضہ جما لیا۔ اس نے پونودھروں کے سردار قیصر خان کو بھی شکست دی۔ اُس کے

بھائی میاں میر محمد نے سندھ دریائے کے پار کنڈاریا اور اس طرف لاڑکانہ پر حملہ کر دیا۔ لاڑکانہ کا حاکم اُس وقت ملک اللہ بخش تھا جو سیوی کے مغلیہ نائب مرزا مختیار کا بھائی تھا۔ مغلوں نے تنگ ہو کر میاں یار محمد سے صلح کر لی وہ مغلوں کی طرف سے سندھ کا نائب برائے نام قائم ہوا اور دربارِ دہلی سے اُس کو "خدا یار خان" کا خطاب ملا۔ اُس نے داؤد سے ۷ میل جنوب کی طرف اپنا نیا شہر "خدا آباد" تعمیر کرایا اس کا دورِ حکومت ۱۷۰۱ء سے لے کر ۱۷۱۸ء تک رہا۔ خدا آباد ۱۷۶۸ء تک کلہوڑوں کا سندھ میں دارالخلافہ رہا۔ اس کا مقبرہ بھی یہیں ہے۔ جس کی عمارت اس نے جیتے جی تعمیر کروائی تھی۔ اس کے علاوہ ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کروائی۔ خدا آباد اس وقت ویران ہے مگر یہ دو عمارتیں ابھی تک سالم ہیں ؎۔ میاں یار محمد نے ۱۷۱۹ء میں انتقال کیا۔ سندھ میں کلہوڑوں کی حکومت قائم ہو گئی :۔

میر احمد خان اول

میر احمد خان جب قلات کی میری پر رونق افروز ہوا اُس وقت ۱۶۶۶ء میں قلات، سوراب، ودھ، منگچر کے علاقے احمد زئی سلطنت کے زیر فرمان تھے میر احمد سے پہلے جتنے بھی احمد زئی فرمانفرما ہوئے وہ مغلیہ طاقت کو سندھ میں کمزور کرنے کے لئے کلہوڑوں کے دست دیاز دبن کر مغلیہ سلطنت سے برسرپیکار

؎ دونوں یادگار عمارتیں محکمہ آثار قدیمہ کی زیر نگرانی ہیں، یہ شہر پچاس ایکڑ زمین پر اس وقت ویران ہے اور چھوٹا ریلوے اسٹیشن ہے۔ بلوچوں میں سے ٹالپر تو اُن کے خاص مرید ہو گئے۔ اور میاں یار محمد کی فوج کا دارومدار ٹالپروں پر تھا :۔

انہوں نے جالاوان کے بڑے حصہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ مغلوں نے یار محمد کلہوڑہ سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں ایک یہ بھی شرط تھی کہ سیوی کا نائب جس کے حدود میں کچھی اور بھکر تک شامل تھے۔ وہ میاں یار محمد کے ماتحت رہے گا۔ اور سیوی تک کلہوڑوں کے وکیل نگرانی کرنے لگے۔ سیوی اور بھکر خواہ مکران بڑے عرصے سے بلوچوں کے مسکن تھے اس لئے مذکورہ معاہدہ نے نہ فقط قلات کے سیاسی ایوان میں ہلچل پیدا کرلی مگر تمام سراوان کے سرداروں نے خاران تک قلات کے احمد زئی خان کی اطاعت کو قبول کرلیا۔ کیونکہ بدقسمتی سے مغلیہ سلطنت کا اقبال اب نصف النہار سے گذر چکا تھا۔

بلوچوں کا مغلوں کو شکست دینا

جب سراوان کے سردار میر احمد خان کے جھنڈے کے تلے جمع ہو گئے تب مغلوں نے آغا جعفر کو لشکر دے کر قلات کی تسخیر کے لئے روانہ کیا یہ فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس لشکر کو میر احمد کے جرار بلوچی لشکر نے شکست دی اور مستونگ پر بلوچی پرچم لہرانے لگا۔ مغلیہ فوج کی یہ شکست مستقبل کے لئے شاندار باب کھولدیا چنانچہ میر احمد نے بزور شمشیر جھالاوان کے حدغالوں کو شکست دی کر باغبانہ، خضدار، کرخ اور چکورہ پر قبضہ کرلیا اور وہاں کے حدغالوں نے خان قلات کی اطاعت کو منظور کرلیا

جنگ لکھن

جھالاوان فتح ہونے کے بعد درۂ بولان اور سیوی کا سوال میری میں پیش ہوا کیونکہ درہ بولان کے سامنے ڈہاڈر کے ملکوں اور سیوی کے باروزئیوں کا بڑی دیر سے اقتدار بڑھ چکا تھا۔ میر احمد خان نے بڑا لشکر تیار کیا جس میں سراوان

کے معزز سردار شامل تھے۔ فیصلہ ہوا کہ پہلے بادوزئی سے بزم آرائی کی جائے۔ اس جنگ نے طول پکڑا چنانچہ سردانی فوج نے سولہ دفع شکست کھائی۔ بستاروال معرکہ لکھن کے مقام پر ہوا۔ یہ ہولناک معرکہ تھا۔ جس میں میر احمد خان اور اس کا وکیل آخوند محمد صالح زخمی ہوئے اور میر ابراہیم خان شہید ہوا۔ اسی طرح باروزئیوں کا بھی نقصان ہوا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے مقام کو واپس ہوئے۔ ۵

جنگ ناڑی باروزئی اور مغلیہ لشکر کو شکست فاش دینا

لکھن کی جنگ نے سراوان کے کوہساروں میں طوفان برپا کر دیا تھا۔ کیوں کہ سراوانی لشکر کے علمبردار میر ابراہیم شہید ہو چکے تھے۔ انتقام لینا ضروری تھا۔ سردار زنگی خان رئیسانی کے مشورہ سے میر احمد خان نے ایک جرار لشکر تیار کیا۔ جس میں خاران کے نوشیروانی، سیستان کے محمد حسنی، جھالاوان کے مینگل اور ان شاہی زئیوں کے علاوہ زرک زئی، سراوان کے رئیسانی اور شہوانی بھی شامل تھے۔ اس جنگ میں شہزادہ ولیعہد محراب خان بھی فوج کے ساتھ ہم کاب تھا۔ یہ فوج طوفان کی طرح درۂ بولان کو عبور کر کے سیوی پر حملہ کیا۔ آخوند زادہ محمد صدیق کا بیان ہے کہ سیوی کا نائب مرزا خان اور اس کا لڑکا بختیار خان اس وقت شکارپور میں تھے۔ ان کے قائم مقام سید صفا اور سید نبی تھے۔ یہاں آخوند صاحب نے میری نظر میں بڑی غلطی کی ہے کیونکہ سید صفائی تو بابر کے ساتھ آئے تھے۔ اور سکھر کے مقام پر

---

۵ میر ابراہیم آزاد خان خاران کے میرد کا دادا تھا۔ یہ تمام کیفیت رائے بہادر ہتورام صاحب نے کتاب "بلوچستان تاریخ" میں بحوالہ آخوند زادہ محمد صدیق دیا ہے اور وہ فارسی میں ہے۔

رہنے لگے۔ اور سید میر معصوم اُن کا فرزند تھا جسکو اکبر اعظم نے بھکر کا نواب مقرر کیا تھا۔ اور یہ واقعہ جس کا بیان ہم کر رہے ہیں عالمگیر اول کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ ممکن ہے یہ ہر دو سید زادے کوئی اور ہوں۔ بختیار خان ملتان کے نواب شہزادہ معزالدین کا دوست تھا اس وجہ سے مخالفین کے فوج کی تعداد زیادہ تھی چنانچہ رند، ڈومبکی اور مگسی بھی اُن کے ساتھ شامل تھے۔ ناڑی کے نزدیک شیخ کٹنی کے مقام پر سخت مقابلہ ہوا۔ مخالف لشکر نے شکست فاش کھائی۔ میر احمد خان بمعہ شہزادہ محراب خان فتح و نصرت کے شادیانے بجاتا ہوا اپنے مقام پر واپس آیا۔ اس کے بعد مرزا خان اور اُس کے لڑکے نے قلات پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کیا مگر جب وہ جوہان کے قریب پہنچے تو اُن کو منظر خوفناک نظر آیا۔ میر زنگی خان رئیسانی کی معرفت انہوں نے خان سے صلح کرلی۔ مرزا خان کے بعد اُس کے لڑکے بختیار خان نے کینہ پروری اختیار کی وہ اپنے ملک رشتہ داروں کو تنگ کرنے لگا۔ معاملہ شہزادہ معزالدین کی دربار ملتان میں پیش ہوا۔ شہزادے نے مرزا کو بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آیا۔ آخر اس نے بغاوت اختیار کی اور شکست کھا کر قتل ہوگیا۔ شکارپور کے داؤد پوتروں نے شہزادہ کا طرف لیا تھا۔ اُس نے شکارپور کے نزدیک خان پور میں ایک قلعہ تعمیر کروایا تھا۔ جو بختیار خان کا قلعہ مشہور رہا۔ اس جنگ نے باروزئیوں کی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ میر احمد خان اول نے قریباً تیس سال حکومت کی۔

میر محراب خان اول

میر محراب خان اول جب قلات کی میری پر جلوہ گر ہوا اُس وقت میاں یار محمد کلہوڑہ کا طوطی بول رہا تھا یہاں تک کہ حکام وقت اُس کے مریدی میں شامل تھے۔ یہ وہ پیری مریدی کا سلسلہ تھا جو آدم شاہ کلہوڑے سے شروع

ہو کر بلوچی مریدوں کے بازوؤں کی قوت سے اب پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا کیونکہ عباسی پرچم کے اٹھانے والے ٹالپر بلوچ تھے جنکو کلہوڑوں کے عہد میں ممتاز عہدے ملے ہوئے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بلوچوں کے بل پہ انہوں نے مغلوں کو تھکا دیا اور سیوی کے افغانوں کے انہوں نے دانت کھٹے کر دیئے۔ میاں یار محمد نے سندھ کے بالائے حصے میں بہت سے قلعہ جات داؤد پوتروں سے فتح کئے۔ مشرقی اور جنوبی ھند میں اسنے ہندوں کے اثر کو بالکل مٹا دیا اُس کے دور حکومت میں لاڑکانہ شہر نے رونق اختیار کی اور سیوی تجارت کا مرکز بن گیا۔ جب دھلی کی دربار سے اُسکو بذریعہ فرمان سندھ کی نوابی کی سند ملی تو اُس کے ساتھ وہ پنجاب کے دیرہ جات علاقوں کا بھی صوبیدار بن گیا۔ اس بیان سے ناظرین اندازہ کر سکیں گے کہ یار محمد خان "خدا یار خان" کس رتبہ کا انسان تھا۔ اور کتنی جرات اور طاقت رکھتا تھا۔ پہلے لاڑکانہ، قنبر، نصیر آباد کلہوڑوں کی موروثی جاگیر تھی۔ اب انہوں نے نیا تخت گاہ خدا آباد آباد کیا۔ سندھ کے بڑے بڑے جاگیردار سلک مریدی میں شامل ہو گئے مگر دیرہ جات سے لیکر سیوی، کچھی، گاج، بلکہ دریائے سندھ کے کنارے کے پرلے طرف نوشہرہ و دیگر مقامات پہ اُس کے نائب حکومت کرنے لگے۔ دوسری طرف سیستان، خاران اور جھالاوان پہلی مرتبہ احمد زئی خاندان کے فرمانرواؤں کے زیر اثر ہو کے قبائلی سرداروں نے اطاعت منظور کر لی مگر یہ علاقے اتنے زرخیز نہ تھے کہ ان ٹڈی دل قبائل کا گذارن ہو سکے۔ ایک طرف مغلیہ سلطنت کمزور ہو چکی تھی دوسری طرف ایران میں مذہبی انقلابوں کی وجہ سے صفویہ خاندان کا چراغ ایران میں وقت سحر کو پہنچ چکا تھا۔ ان حالتوں میں بلوچوں کے لئے غیر ممکن تھا کہ درۂ بولان کے اُس طرف رو کے رہتے۔ کیوں کہ میر احمد خان نے اپنے دادا

میر قنبر کا آئین اختیار کیا تھا۔ یعنی سراوان اور جھالاوان کسی بھی قسم کا خراج خان کو نہیں بھرتے تھے۔ بلکہ خوانین قلات نے قبائل کو مفت زمینیں تقسیم کی تھیں جب کوئی معاملہ دربار میں پیش ہوتا تھا تو سراوان اور جھالاوان کے سرداروں سے خان مشورے کر فیصلہ کرتا تھا اور قلات کی میری میں دائیں طرف جھالاوان کے سردار بیٹھتے تھے۔ اور بائیں طرف سراوان کے سردار اور وزارت کا قلمدان دہواروں کے سپرد تھا جو تخت و تاج سے وفادار تھے۔ ان سرداروں کو خراج معاف تھا۔ فقط وقتِ جنگ وہ مقررہ تعداد میں لشکر روانہ کرتے تھے۔ امیر قنبر کے زمانہ سے ہندوؤں کو رعائتیں اور تجارتی حقوق دیئے گئے تھے۔ کیوں کہ قلات کی یہ چھوٹی سلطنت جو دو طرفوں سے ایران اور ہندوستان کے درمیان دو طاقتوں کے درمیان تھی اس کی آمدنی اتنی تھوڑی تھی جو مشکل سے قلات کی شاہی دربار کا خرچ پورا ہوتا تھا۔ ۵

محراب خان اول کا شہید ہونا

محراب خان ۱۶۹۵ء میں تخت نشین ہوا۔ انہوں نے دو سال سے بھی کم حکومت کی۔ ان کے زمانہ میں میاں یار محمد کے دو لڑکے میاں لوز محمد اور داؤد خان نے انہی ایام میں بلوچستان میں آکر پناہ لی تو ملتان کے گورنر نے مغلیہ دربار کی طرف سے میر محراب خان کو احکام بھیجے۔ کہ وہ ان دونوں کو اپنے علاقہ سے گذرنے نہ دیں چنانچہ میر محراب خان نے ان کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر وہ زمانے جھالاوان کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ جس میں میر محراب خان ۹۸-۱۶۹۷ء میں شہید ہوئے میر محراب خان نے مرتے وقت خواہش کی تھی۔ کہ اس کے سب سے بڑے بھتیجے

میر سمندر خان کو اس کا جانشین بنایا جائے۔ چنانچہ انکی یہ وصیت پوری کی گئی ![1]

میر سمندر خان

۱۶۹۷ء-۹۸ء میں مطابق وصیت خان محراب شہید میر سمندر خان کو حکومت قلات دی گئی اُس نے میاں نور محمد اور داؤد خان کو گرفتار کر کے قلات لایا۔ مگر لعبہ شہنشاہ دھلی کا فرمان صادر ہو چکا تھا۔ کہ ان دونوں کو اپنے اپنے گھروں میں جانے کی اجازت دیدی جائے۔ اس لئے ان کو آزاد کر دیا گیا۔ اس کے بعد میر سمندر خان ملتان کے صوبیدار کو ملنے ملتان گیا اُس کی غیر حاضری میں ایرانی فوج نے قلات پر حملہ کر دیا۔

ایرانیوں کو شکست

ایرانی فوج نے اپنے کماندار طہاسپ بیگ کے ماتحت خان کی غیر حاضری میں قلات پر حملہ کیا۔ میر سمندر خان طوفان کی طرح ملتان سے واپس ہو کر مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں ایرانیوں کو بری طرح شکست اٹھانی پڑی۔ طہاسپ خود میر سمندر خان کے ہاتھوں قتل ہوا۔

کلہوڑوں سے انتقام لینا

۲۱ فروری ۱۷۰۰ء میں غازی محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اول نے انتقام لیا اور ماہ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء میں اس کا لڑکا شہزادہ معظم بہادر شاہ تخت نشین ہوا۔ ایک طرف تخت و تاج کے لئے مغلیہ شہزادے آپس میں لڑتے رہے دوسری طرف شمال میں سکھوں نے فساد کھڑا کیا، دکھن میں مرہٹوں کی طاقت سر اٹھانے لگی۔ اور مغرب میں راجپوت پھر دوبارہ آزادی حاصل کرنے کے لئے بیتاب

---

[1] کتاب "دربار تاجپوشی قلات" از محمد دین صاحب مورخ دربار قلات ۲۳ ص ۱۲:

تھے۔ محمد بہادر شاہ نے تخت وزیر نسیم خان کے مشورہ سے اور سپہ سالار داؤد خان کی معرفت سکھوں کو سرہند کے معرکے میں شرکت دی اور راجپوتوں کو عہدے دیگر ٹھنڈا کیا اسی طرح مرہٹہ راجا ساہو نے بھی کچھ خراب دیا گیا۔ مگر ان سب باتوں کے دھلی کی سلطنت کو ایک زبردست مرکزی فوج رکھنے کی ضرورت درپیش تھی۔ میر سمندر خان نے موقعہ دیکھکر حملہ کرکے ڑدب، لوری اور تھل چھوٹیالی کے علاقے فتح کئے۔ اس فتوحات سے سیوی خطرے میں پڑ گیا۔ کلہوڑوں نے ...، ۴۰ ہزار روپیہ سالانہ خراج خان کو دینا منظور کیا ۱۱۲۴ھ ۱۸۱۲ء میں محمد بہادر شاہ نے انتقال کیا اور شہزادہ معزالدین محمد جہاندار شاہ دھلی کے تخت پر بیٹھا وہ مغلیہ خاندان کے شہزادوں کو مروانے لگا۔ بنگالہ کے نواب شہزادہ فرخ سیر نے ۱۷ محرم ۱۱۲۵ھ ۱۷۱۳ء میں سید حسین علی حاکم بہادر اور سید عبداللہ حاکم اللہ آباد کی مدد سے جہاندار شاہ کو قتل کرکے دھلی کے تخت پر بیٹھا۔ یہ دونوں سید زادے تاریخ میں بادشاہ ساز کہلاتے ہیں [۱] میر سمندر خان کے زمانہ میں سراوان اور جہالاوان کی سرداریوں نے ریاستوں کی صورت اختیار کی مگر وہ سب قلات کے خان کے زیر فرمان اور اتحاد میں تھے۔ میر سمندر خان نے ۱۷۱۳-۱۴ء میں انتقال کیا۔

میر احمد خان ثانی

میر احمد خان ثانی میر محراب خان کا بیٹا جو اپنے باپ کے انتقال پر نابالغ تھا۔

۱۔ یہ سید زادے دو سادات بارہ" کہلاتے تھے اُن کے بڑے سلطان التمش کے زمانہ میں عربستان سے آئے تھے۔ میر سمندر کی فتوحات کے لئے دیکھو بلوچستان گزیٹر ص ۱۵۔

تھا اپنے چچازاد بھائی میر سمندر خان کے انتقال پر مسند نشین ہوا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی میر عبداللہ خان کو شال کا حکم مقرر کیا تھا۔ مگر آخرالذکر نے بغاوت کی مستونگ کے قریب لڑائی ہوئی۔ جس میں میر احمد خان کو شکست ہوئی۔ اور اسے قلات واپس آنا پڑا۔ بعد میں بھائیوں میں صلح کرلی۔ مگر میر احمد خان کی موت کے متعلق جو ۱۷۱۵ء؁۱۶ میں واقع ہوئی کہا جاتا ہے کہ اس کے بھائی کی سازش سے ہوئی:۔

امیر ویث غلزئی

قندہار پر صفویوں کا قبضہ تھا۔ شاہ عباس اعظم کے بعد جتنے بھی فرمانروا اصفہان میں ہوگذرے قندہار اُن کے قبضے میں چلا آتا تھا۔ مگر وہ افغانوں پر ظلم کرتے رہے۔ ۱۶۹۴ء؁ میں شاہ سلیمان کی وفات کے بعد شاہ حسین اصفہان کے تخت پر بیٹھا وہ ایک کمزور سلطان تھا۔ اُس نے گرغین خان ایک جارجیا کے عیسائی کو قندہار کا گورنر مقرر کیا۔ جس سے افغانوں کو نفرت تھی۔ تمام غلزئی سردار امیر ویث کو اپنا سردار ماننے لگے۔ اور انہوں نے اعلانیہ اصفہان کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ اصفہان کی دربار سے یکے بعد دیگرے امیر اور سپہ سالار قندہار کی بغاوت کو دبانے آئے مگر محمد خان تبریزی جیسے حاکموں کو افغانوں نے شکست دی۔ آخر شاہ حسین نے گرغین خان کے بھتیجے خسرو خان کو روانہ کیا جسنے قندہار پر محاصرہ کرنے کے لئے فرہ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ دوسری طرف امیر ویث کو بلوچ اور ترین افغانوں نے فوجی کمک روانہ کی ۱ ۵
غرض ۱۷۱۳ء؁ میں خسرو خان شکست کھا کر قتل ہوا۔ ۱۷۱۴ء؁ میں شاہ حسین نے

محمد رستم خان کو فوج دے کر قندھار پر روانہ کیا۔ مگر وہ شکست کھا کر بھاگ گیا اور ایرانی صفوی شاہ کو قندھار سے ہاتھ اُٹھانا پڑا۔ فرہ سے لے کر حیلمند اور لورالائی تک امیر ویث کا قبضہ ہوگیا۔ ہرات کے بعد ابدالیوں نے بھی اطاعت منظور کرلی۔ میرویث نے نومبر ۱۷۱۵ء میں انتقال کیا اس کے لڑکے میر محمود اور میر حسین صغیر السن تھے۔ اس لئے اس کا بھائی میر عبداللہ قندھار کا حاکم ہوا۔ وہ پھر خفیہ طور شاہ حسین صفوی سے سازباز کرنے لگا۔ اسلئے افغان سرداروں نے شہزادہ میر محمود کو قندھار کے تخت پر بٹھایا ۱۷۱۷ء میں امیر محمود نے ہرات پر بھی قبضہ کرلیا۔

میر عبداللہ خان فاتح

۱۷۱۵ء میں میر عبداللہ خان قلات کے تخت پر بیٹھا۔ جو نہایت جری اور بہادر تھا اس نے سب سے پہلے کچھی پر حملہ کیا اور اُسے زیر کرلیا۔ کچھی کے وڈیرے جو پہلے کلہوڑوں کو خراج دیتے تھے اب اُن کو خان قلات کو ادا کرنا پڑا۔ اس کے بعد اس نے ڈیرہ غازی خان پر حملہ کرکے بیرندو داجل کے علاقے فتح کئے اور جام پور کا تمام علاقہ میرانی بلوچوں سے فتح کیا جو راجا رنجیت سنگھ کے زمانہ تک حکومت قلات کے ماتحت رہے۔

فتح پشین اور شوراوک

مشرق میں جام پور، کچھی اور گنداوہ فتح کرنے کے بعد یہ بلوچی فاتح مغرب کی طرف رجوع ہوا۔ کیونکہ صفویہ سلطنت کا آفتاب ایران میں غروب ہونے کا تھا۔ شمال میں ابدالی اور اُزبک ایران پر حملہ کرنے کے لئے منتظر تھے۔ مغرب میں کردوں نے سلطنت کے خلاف بغاوت کی تھی۔ شاہ حسین نے صفی قلی خان کو افغان اور ازبکوں کے مقابلہ میں روانہ کیا تھا۔ جس کو ۱۷۱۹ء

میں ابدالیوں نے کرینہ کی جنگ میں جیتا تھا۔ دوسری طرف ایرانی وزیر اعظم فتح علی خان نے اپنے بھائی لطف علی کو چار لشکر دیکر کرمان اور سیستان کو روانہ کیا[ا]

جس وقت امیر محمود آزاد اللہ خان ابدالی کو قتل کر کے ایران پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا اُس وقت میر عبداللہ خان نے مستونگ کو فوجی مرکز بنایا کیوں کہ یہ مقام پشین اور سیستان کو جانی والی راہ کے قریب تھا۔ میر محمود نے پشین اور شورا وک میر عبداللہ خان کے سپرد کر دیئے۔ اور خود فارغ ہو کر براہِ سیستان کرمان پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں ہرات کے ابدالیوں اور سیستان کے بلوچوں نے امیر کا طرف لیا۔ ۱۷۸۲ء میں ۲۵ ہزار چار بلوچی اور افغانی فوج کے ساتھ اُس نے کرمان پر قبضہ کر لیا[۲] بعد یزدے ہو کر اُس نے دار الخلافہ اصفہان پر حملہ کر دیا۔ شاہ نے پچاس ہزار لشکر سے مقابلہ کیا ۶ لاکھ اصفہان کی مخلوق کو افغانوں نے غلام بنایا شاہ کو سر دست ۵۰۰۰، اشرفیاں اور پچاس خوبصورت دوشیزہ لڑکیاں تمام شہر سے حوالے کرنی پڑیں۔ شاہ حسین خود افغان فاتح کے سامنے پیش ہوا۔ اور اطاعت منظور کر لی۔ امیر محمود نے ۱۷۲۵ء میں انتقال کیا اُس کے اُس کا چچا زاد بھائی امیر اشرف جانشین ہوا جس کو طہماسپ قلی خان (نادر شاہ) نے بھگا کر ایران پر قبضہ کیا۔

ا
ہ:

میر سکندر خان کو ایرانیوں سے نفرت تھی اس لئے اس نے امیر ویث کو فوجی امداد دی تھی اسی طرح غلزئی حاکم ایرانیوں کے مقابلے میں بلوچوں کو ہمسایہ دار دوست سمجھتے تھے۔

۲
ہ:

بقول مسٹر مالیسن کہ اصفہان کی جنگ میں ایرانی خوش پوش سپاہی بلوچی سپاہیوں کی ڈھیلی ڈھالی پوشاک دیکھ کر ہنسنے لگے۔

فتح مکران

جس طرح قندہار پر ایران کا قبضہ ہو چکا تھا اسی طرح مکران بھی ایران کے ماتحت ہو چکا تھا میر عبداللہ خان نے صفویہ حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہا مگر بہانہ کی ضرورت تھی۔ دفعتہً خبریں پہنچیں کہ وہاں کے قرمطی مسلمانوں کو تنگ کر رہے ہیں، فاتح خان نے مکران پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ عیسوی ۱۸ ویں صدی کے آغاز میں یہاں ایک نومسلم، جنم قوم گچکیوں نے اقتدار حاصل کیا۔ مسٹر اے ڈبلیو گسی کا بیان ہے کہ یہ اصل لاہور کے ایک سکھ پتا سنگھ کی اولاد میں سے ہے۔ جو لاہور چھوڑ کر مکران کی وادی گچکی میں آکر سکونت اختیار کی ۱؎ مسٹر ھگس نے یہ بیان کپتان راس ROSS کے بیانات سے درج کیا ہے جو اس نے ۱۸۶۸ء میں وہاں کی روانیوں کو سن کر جمع کیا تھا حقیقت میں یہ گچکی راجپوت ہیں جن کا جد امجد وبانی نسل ہندو راجپوت مار سنگھ تھا۔ فتوحات اسلام ۱۴۰۰ھ ۱۰۰۰ء میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور آج تک وہ اپنے نام کے ساتھ لفظ شیخ استعمال کرتے ہیں۔ ۲؎ مکران میں آکر جب انہوں نے اقتدار حاصل کیا تو اپنے کو "ملک" کہلانے لگے۔ جس کے معنی ہیں شہزادہ یا سردار مکران میں بلیدی اور ہوت قدیم بلوچ قومیں آباد کار تھیں۔ ان میں سے وادی بلیدہ بلیدیوں کا مسکن تھا اور کیچ میں ہوتوں کا اقتدار تھا مگر زمانے کے انقلاب نے جس طرح بلوچستان کے بلوچوں کو قندہار، ایران اور دہلی کے ماتحت غلام بنا دیا تھا۔ اسی طرح مکران والوں کا اقتدار بھی مٹ چکا تھا۔ گچکیوں نے مذکورہ دونوں قوموں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنی طاقت کو مضبوط بنا دیا تھا۔ مگر ابھی بلیدیوں

۱؎

۲؎ تاریخ دربار قلات از مولوی دین محمد صاحب ذکر سردار بہادر بھائی خان گچکی ص: ۱۲۴

نے پھر دوبارہ سر اُٹھایا اور گچکیوں سے لڑنے لگے آخر کار بلیدیوں نے اپنی حکومت قائم کرلی اُن میں سے شاہ بیلار نے کیچ میں بڑی ناموری حاصل کی اس کی روایتیں وہاں کے بلوچی اشعار میں موجود ہیں اس کا زمانہ قریباً عیسوی ۸ صدی کے آغاز تھا جب ایران میں صفویہ سلطنت لبترۂ زوال پر دم توڑ رہی تھی رفتہ رفتہ گچکیوں کی بلیدیوں سے رشتہ داری ہونی شروع ہوئی کیونکہ یہ ہر دو اقوام آپس میں بڑی تھے اور خاص کر پنجگور گچکیوں کا صدر مقام تھا۔ ملک دینار گچکیوں کا پہلا سردار تھا جس نے خونریز لڑائیوں کے بعد کیچ پر قبضہ کر کے خود مختار بن گیا۔ کیچ کے ارد گرد جتنے بھی اضلاع تھے ان پر گچکیوں کا قبضہ ہو گیا۔ مگر وہ بیرونی طور ایران کے ماتحت تھے کیوں کہ وہ ایران کو خراج دیتے تھے۔ جب نادر شاہ کا زمانہ آیا تو ملک دینار نے اُس کا مقابلہ کیا مگر ۱۷۳۶ء میں جب نادر شاہ اور میر عبداللہ خان کا آپس میں دوستانہ معاہدہ ہوا تب میر عبداللہ خان کو کیچ پر بزور شمشیر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ ملک دینار جو پہلے ایرانیوں کے ماتحت تھا اب وہ قلات کے ماتحت ہوگیا۔ مگر اس کی اندرونی خود مختاری بحال رہی ... دفعہ تھا کہ مکران قلمرو قلات کے ماتحت ہوگیا۔ ملک دینار کو کسی بلیدی سردار ... ڈالا اس کا لڑکا شاہ عمر گچکیوں کا سردار ہوا۔ یہ تمام واقعات مسٹر اے۔ ڈبلیو ... نے کتاب بلوچستان میں بلوضاحت کئے ہیں:۔

نادر شاہ اور میر عبداللہ خان

میر اشرف جو میر محمود کا جانشین ہوا۔ اُس نے قزوین تک ایران فتح کیا اور شاہ حسین صفوی آخری صفویہ شہنشاہ کا لڑکا خوف سے بحیرہ خضر کے قاجار ترکوں کے پاس جا کر پناہ گزین ہوا۔ اس انقلاب میں نادر قلی افشار نے چند ایرانی جماعتوں کو جمع کر کے لوٹ مار شروع کر دی اور یہاں تک زور پکڑا کہ ۱۷۳۶ء میں

موغان کے مقام پر ایک لاکھ ایرانی سرداروں اور امیروں نے اس کی اطاعت منظور کر لی اس نے تاج کیانی سر پہ رکھا کر نادر شاہ کا نام اختیار کیا امیر تیمور صاحب قرآن کے بعد یہ دوسرا ایشیا کا فاتح ہو گزرا اس نے عثمانی ترکوں کو تبریز پر قبضہ کیا بلکہ خراسان، سیستان اور قندہار افغانوں سے جیت کر دعوئی کیاہ

نادرم در ملک ایران وقادرم در ہر دیار
لا فتاح الاعلی ولا سیف الا ذوالفقار

نادری حملہ آفت سماوی تھی کہ جس طرف رخ کیا وہاں سب شئے کو خس و خاشاک کی طرح بہالے گیا! اس نے افغانوں کے مقابلے میں پہلے بلوچوں کو اپنا طرفدار بنالیا چنانچہ ان کی امداد سے پہلے اس نے خراسان کے حاکم محمود خان کو شکست دیکر خراسان اور سیستان پر قبضہ کیا مشہد کی جنگ میں درانیوں کو شکست فاش دیکر ہرات پر قبضہ کیا۔ میر اشرف غلزئی جب مکران سے بھاگ کر قندہار کو جا رہا تھا تو بلوچوں کے ہاتھوں قتل ہوگیا غرض پہلے جب بلوچ غلزئیوں کے طرف دار تھے تو قندہار سے لیکر کرمان تک راستہ غلزئی فاتحوں کے لیے کھلا رہا اور ان بلوچوں کی امداد سے انہوں نے ایران پر قبضہ جمالیا۔ مگر اب بلوچ آنکھیں بدل چکے تھے انہوں نے نادر شاہ کا طرف لے کر غلزئیوں کے لیے سیستان کا راستہ بند کر دیا جس کا اثر خراسان اور قندہار پر پڑا

رموز مملکت خویش خسروان دانند

قندہار کے غلزئیوں نے قندہار چھوڑ کر غزنی میں پناہ گزین ہوئے تھے میر حسین جو غلزئیوں کا آخری چشم و چراغ تھا اس نے نادر شاہ کی اطاعت منظور کی نادر شاہ کے لڑکے رضا قلی خان نے بلخ و بخارا تک ماوراالنہر کو فتح کر چکا تھا غزنی اس زمانہ میں مغلیہ شہنشاہ دہلی کے ماتحت تھا اس پر ناظر خان نائب تھا اور کابل

پر برائے نام شیر خان سپہ سالار تھا اس لیے نادر شاہ نے دہلی کے دربار سے خط و کتابت شروع کی مگر دہلی میں مغلیہ خاندان کے اقبال کا آفتاب غروب ہونے کو تھا چنانچہ فرخ سیر جس نے محمد جہاندار کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کیا تھا وہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ء میں سادات بارہ کے ہاتھوں مارا گیا سید حسین علی نے دس لاکھ روپیہ سالانہ مرہٹوں کو دیکر اُنسے صلح کی اس کے بعد دو شہزادے رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھایا مگر وہ سب مر گئے بعد شہزادہ روشن اختر محمد شاہ کے خطاب سے دہلی کا شہنشاہ ہوا مغلیہ شہنشاہیت میں جتنے بھی نواب تھے ان میں آصف خان دکھنی کا نواب زبردست تھا جب نادر شاہ نے دہلی کے دربار کو غزنی کے باغیوں کو سپرد کرنے کو خط لکھا مگر یہاں راجا اندر آکھیڑ بر پا تھا کیونکہ محمد شاہ آرام طلب اور عیاش تھا نادر شاہ کو کوئی جواب نہ ملا اس نے غزنی پر حملہ کیا ناظر خان پشاور کو بھاگ گیا شیر خان نے مقابلہ کیا جو ۱۷۳۸ء میں اس نے شکست کھائی اور نادر شاہ کابل پر قابض ہو گیا یہاں اسکو آصف خان نائب دکھن کا خط ملا جس میں دہلی کے بے شمار دولت کا ذکر تھا اس لئے ہندوستان پر حملہ کرنے کا اُس نے پختہ خیال کیا مگر عبداللہ خان بیچ میں حائل تھا اس سے فیصلہ کرنا ضروری تھا، نادر شاہ نے میر عبداللہ خان کی قلات پر حکومت کو تسلیم کیا بشرطیکہ عبداللہ خان اپنے دو لڑکے میر محبت خان اور میر الیاز خان کو نادر شاہ کے دربار کو روانہ کرے ۱۷۳۶ء میں یہ معاہدہ فیصلہ ہوا ہر دو شہزادوں کے ساتھ نادر شاہ محبت اور مروت سے پیش آیا۔ اور نادر شاہ کے لیے ہندوستان کا راستہ صاف ہو گیا

سنی کی جنگ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۸ء میں میاں یار محمد کے بعد اس کا لڑکا میاں نور محمد

کلہوڑہ اس کا جانشین ہوا۔ اس نے میر، پونہر اور داؤد پوتروں کی رہی سہی طاقت کو مٹا کر تمام سندھ پر قابض ہو گیا دہلی کی سلطنت زبوں ہو چکی تھی بھکر کی نوابی تو محمد جہاندار شاہ نے روہڑی کے سیدوں کے حوالے کر دی تھی اب محمد شاہ نے ٹھٹھہ کے نواب صادق علی خان کو لکھا کہ وہ تمام قطعہ جات سندھ بطور مقاطعہ کے میاں نور محمد کے حوالے کر دے غرض ملتان سے لے کر کچھی ریگستان، کوہستان اور کچھ بھج تک تمام سندھ کا صوبہ میاں نور محمد کلہوڑہ کے ماتحت ہو گیا وہ پہلا کلہوڑہ حکمران تھا جو سندھ کا خود مختار حاکم ہو گزرا اس کا تخت گاہ شہر لاڑکانہ تھا اور اس کا سپہ سالار وزیر شاہ بہارا تھا جس کا مقبرہ اب بھی لاڑکانہ کے نزدیک ہے۔ میاں نور محمد کی خوانین قلات سے رشتہ داری تھی چنانچہ میر عبداللہ خان کے چچازاد بھائی کی دختر سے اس کے لڑکے نے نکاح کیا تھا۔ میاں نے یہاں تک زور پکڑا کہ اپنی طرف سے کچھی پر مراد گنجے کو اپنا نائب مقرر کیا اور ۴۰ ہزار روپیہ سالانہ خراج جو پہلے کچھی کے وڈیرے خان قلات کو دیا کرتے تھے وہ بند ہو گیا یہ بات عبداللہ خان جیسا فاتح کب گوارا کر سکتا تھا اس نے میاں نور محمد سے خراج طلب کیا جس پر نور محمد نے آٹھ ہزار جرار لشکر جس میں زیادہ تعداد ٹالپر بلوچوں کی تھی خان قلات پر حملہ کیا مراد گنجا اس کا ہمرکاب تھا اور کلہوڑہ کی فوج کا کمانڈر میر شہداد خان کا لڑکا میر بہرام خان ٹالپر تھا ۱۷۳۱ء میں سانی کے مقام جاندری ہڑ میں فاتح عبداللہ خان نے کلہوڑہ فوج کے ہاتھوں سے جام شہادت نوش فرمایا اس وقت اس کے پاس فقط آٹھ سو جانبازوں کا دستہ تھا۔[1]

---

[1] یہاں ایک بڑی غلطی کو درست کیا گیا ہے رائے بہادر ہیتو رام صاحب مولوی دین محمد خود رائے بہادر جمعیت رائے صاحب نے بلوچستان پراونشل گزیٹیئر میں عبداللہ خان کی وفات کا زمانہ ۳۱، ۱۷۳۰
باقی اگلے صفحہ پر

میر محبت خان

سی کی جنگ ظاہری کلہوڑہ خان قلات کے درمیان ہو گزری مگر دوسری طرف یہ جنگ قلات و دہلی کے درمیان تھی میاں نور محمد دہلی کے دربار کی طرف سے سندھ کا نواب تھا فاتح عبداللہ خان کو شہادت سے تمام بلوچستان میں ماتم کنعان مچ گیا بلوچی خون آشام تلواریں جن میں بجلیاں لبریز تھیں وہ بے آب ہونے لگے ہر ایک بلوچ کا دل سینہ میں انتقام لینے کے لیے مضطرب تھا نادر شاہ افشار نے کمال عزت سے شہزادہ محبت خان کو خلعت فاخرہ عطا کر کے روانہ کیا تمام سرداروں نے خان کی سلامی لی۔ قلات کی میری کا نظارہ عجیب تھا دائیں اور بائیں طرف سے مکران سے لے کر ڈیرہ جات تک کے نائب و سردار موجود تھے دربار کی سیاست میں آخوند محمد صالح کو بڑا دخل تھا اس نے سرداروں کے مشورہ سے فیصلہ کیا کہ کلہی کی شکست کا سوال پہلے نادر شاہ کے پیش کیا جائے کیونکہ میاں نور محمد دربار دہلی سے وابستہ تھا یہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کیا تھا۔ اگر ایران، سندھ، قندھار کابل اور دہلی کی تاریخوں کو دیکھا جائے تو ہر جگہ بلوچوں کا اثر آسانی سے نظر آسکتا ہے مگر افسوس! کہ مورخین نے ایک ممتاز قوم کے کارناموں کو اپنے کوتاہ اندیشی سے نظرانداز کر دیا ہے اور یہی سبب ہے کہ دنیا بلوچی تاریخ اور بلوچوں کے کارناموں سے بے خبر ہے۔ خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ کمی بڑی دیر کے بعد پوری ہوگئی۔

بقیہ :- دکھایا ہے حالانکہ ۱۷۳۶ء میں عبداللہ خان نے اپنے دو ہزار کے نادر شاہ کو روانہ کئے پھر کیسے ۱۷۳۰-۳۱ء میں شہید ہوئے ؟

سفینہ جبکہ کنارہ پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہئے